

اسلامی تعلیمات

برائے طلبہ و طالبات

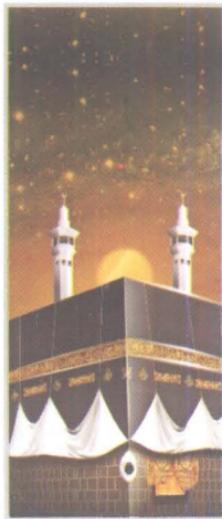
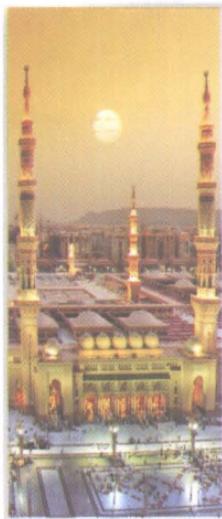
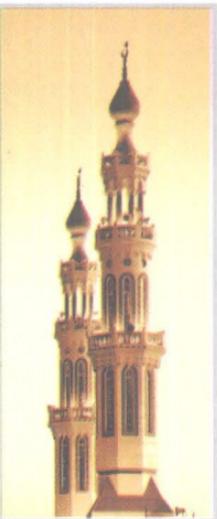
بی ایس سی انجینئرنگ ایڈیشنلز لاہوری، بی میک بس

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسرائیل فاروقی

مؤلفین: پیغمبر میں شعبہ علوم اسلامیہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن



مکتبہ لایہ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب و سنت ذات کام پر دستیاب تمام الیکٹر انک کتب
.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)



کی جاتی ہیں۔

دعویٰ مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹر انک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔



☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا مگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔



«اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تلخیق دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں»

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔



kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

اسلامی تعلیمات

برائے طلبہ و طالبات

بی ایس سی انجینئرنگ ایئنڈ ٹیکنالوجی

www.KitaboSunnat.com

مؤلفین

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسراeel فاروقی

پیرزیں شعبہ علوم اسلامیہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن



مکتبہ افکار اسلامیہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب ----- اسلامی تعلیمات
تالیف ----- پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسراeel فاروقی
ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن
اشاعت اول ----- 2010ء
اشاعت دوم ----- 2011ء
قیمت -----



شعبہ علوم اسلامیہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور

فہرست مضمایں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	اعجاز القرآن	۱۵
۲	مجھوڑہ قرآن	۱۵
☆	وجوه اعجاز	۱۶
☆	فصاحت و بلاغت	۱۹
☆	پشین گوئیاں	۱۹
☆	عدم اختلاف	۲۰
☆	قوت تاثیر	۲۱
☆	قرآن باعث ہدایت	۲۱
☆	تعلیم: فرائض چہار گانہ نبوت	۲۳
☆	قرآن کا جواب لانے کی طاقت نہیں	۲۳
☆	رسول امی <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی زبان سے اداہونا	۲۵
☆	حافظت کا وعدہ	۲۵
☆	قوت دلائل	۲۶
☆	خلاصہ	۲۷
۳	اصول تفسیر	۲۸
☆	تفسیر کا لفظی مفہوم	۲۹
☆	تفسیر کا اصطلاحی مفہوم	۳۰
☆	تاویل	۳۲
☆	تفسیر القرآن بالقرآن	۳۳
☆	تفسیر القرآن بالحدیث	۳۴

۳۵	☆ خلاصہ
۳۷	۲ اسلامی حدود و تعزیرات، فلسفہ حکمت
۳۹	☆ احکامات الہی
۴۰	☆ حد کی اصطلاحی تعریف
۴۲	☆ حدود کی تعداد
۴۶	☆ تعزیر کی تعریف
۴۷	☆ اصطلاحی مفہوم
۵۱	۵ فلسفہ / حکمت
۵۲	☆ انسان برائی کا مرنکب کیوں ہوتا ہے؟
۵۶	۱) اصلاح نفس
۵۷	۲) اصلاح معاشرہ
۵۹	۳) جرائم میں کمی
۶۰	۴) سزا میں، فطرت کے مطابق
۶۰	۵) باعث رحمت و برکت
۶۱	۶) اقتصادی ترقی
۶۱	۷) انصاف کے تقاضے
۶۲	۸) باعث عبرت
۶۳	۶ آخرت کے عذاب سے چھٹکارا
۶۷	۷ سورۃ النور
۷۰	۸ سورۃ النور کا ترجمہ
۷۵	☆ مضامین کا تعارف
۷۵	☆ مضامین کا خلاصہ
۷۷	☆ زنا

- 78 ☆ آیتِ رجم اور سیدنا عمر بن الخطبؓ کا خطبہ
- 79 ☆ قذف
- 80 ☆ لعان
- 82 ☆ تہمت کے ثبوت کے لئے چار شہادتیں
- 82 ☆ احادیث سے ماخوذ لعان سے متعلق احکام
- 83 ☆ لعان بہت سے پیچیدہ مسائل کا حل ہے
- 83 ☆ واقعہ افک
- 90 ☆ حجاب
- 94 ☆ سورۃ لقمان 9
- 98 ☆ سورۃ لقمان کا ترجمہ
- 101 ☆ تفسیر سورۃ لقمان
- 103 ☆ حروف مقطوعہ
- 105 ☆ آیاتِ حکمات و تشاہدات
- 111 ☆ دیگر آیات کی تفسیر
- 122 ☆ حضرت لقمان علیہ السلام کی چند نصیحتیں 10
- 123 ☆ تکبر کی ندمت
- 123 ☆ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان
- 136 ☆ سورۃ لقمان میں آیاتِ توحید
- ### حصہ دوم: الحدیث
- 1 ☆ حفاظت و تدوین حدیث
- 138 ☆ کتابت حدیث عہد رسالت میں
- 139 ☆ عہد صحابہ اور کتابتِ حدیث
- 142 ☆ عہد تابعین میں کتابتِ حدیث

- ۱۳۲ صحابہ اور ان کے مؤلفین کا تعارف ۲
- ۱۳۲ ☆ امام بخاری جیش اللہ عزیز ۱۹۳ھ تا ۵۲۵ھ
- ۱۳۲ ☆ امام مسلم جیش اللہ عزیز ۲۰۲ھ تا ۵۲۶ھ
- ۱۳۸ ☆ امام ابو داؤد جیش اللہ عزیز ۲۰۲ھ تا ۵۲۷ھ
- ۱۳۹ ☆ امام ترمذی جیش اللہ عزیز ۲۰۹ھ تا ۵۲۹ھ
- ۱۵۱ ☆ امام نسائی جیش اللہ عزیز ۲۱۵ھ تا ۵۳۰ھ
- ۱۵۱ ☆ امام ابن ماجہ جیش اللہ عزیز ۲۰۹ھ تا ۵۲۳ھ
- ۱۵۳ ۳ کتاب الجامع، از بلوغ المرام لابن حجر العسقلانی
- ۱۵۳ حدیث نمبر ۱ ایک مسلمان کے دوسری مسلمان پر چھ حقوق
- ۱۵۳ حدیث نمبر ۲ اللہ کی نعمتوں کا شکر
- ۱۵۵ حدیث نمبر ۳ حسن خلق
- ۱۵۶ حدیث نمبر ۴ آدمیت احترام آدمی
- ۱۵۶ حدیث نمبر ۵ و سعت قلبی
- ۱۵۷ حدیث نمبر ۶ آداب طعام
- ۱۵۷ حدیث نمبر ۷ سلام میں پہل کرنا
- ۱۵۸ حدیث نمبر ۸ سلام کا کافی ہونا
- ۱۵۹ حدیث نمبر ۹ اہل کتاب کو سلام میں پہل کی ممانعت
- ۱۵۹ حدیث نمبر ۱۰ چھینک کے آداب
- ۱۶۰ حدیث نمبر ۱۱ کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت
- ۱۶۱ حدیث نمبر ۱۲ دائیں طرف سے آغاز باعث برکت
- ۱۶۱ حدیث نمبر ۱۳ ایک پاؤں میں جوتا پہننے کی ممانعت
- ۱۶۲ حدیث نمبر ۱۴ غرور کی سزا
- ۱۶۲ حدیث نمبر ۱۵ دائیں جانب کی فضیلت

۱۶۳	حدیث نمبر ۱۶۔ غرور وغیرہ کی ممانعت	۲
۱۶۵	باب البر والصلة	۳
۱۶۵	حدیث نمبر ۱۷۔ نیکی اور صلہ رحمی کا باب	
۱۶۵	حدیث نمبر ۱۸۔ جنت سے محرومی کا سبب	
۱۶۶	حدیث نمبر ۱۹۔ حرام اور مکروہ افعال	
۱۶۸	حدیث نمبر ۲۰۔ اللہ کی رضا مندی اور نار اضگلی کا سبب	
۱۶۸	حدیث نمبر ۲۱۔ ہمسایہ کے حقوق کی پاسداری	
۱۶۹	حدیث نمبر ۲۲۔ کبیرہ گناہ	
۱۷۰	حدیث نمبر ۲۳۔ ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے	
۱۷۰	حدیث نمبر ۲۴۔ قطع تعلقی کی ممانعت	
۱۷۱	حدیث نمبر ۲۵۔ نیکی صدقہ ہے	
۱۷۲	حدیث نمبر ۲۶۔ خندہ پیشانی سے ملننا نیکی ہے	
۱۷۲	حدیث نمبر ۲۷۔ ہمسائے کے حقوق کا لحاظ	
۱۷۳	حدیث نمبر ۲۸۔ مصیبت میں کام آنا	
۱۷۵	حدیث نمبر ۲۹۔ نیکی کی طرف رہنمائی نیکی کے مصداق ہے	
۱۷۶	حدیث نمبر ۳۰۔ احسان کا بدلہ احسان	
۱۷۷	نماز	۵
۱۸۱	☆ نماز کے فضائل	
۱۸۷	☆ نماز کے بعد کی دعائیں	
۱۹۰	زکوٰۃ	۶
۱۹۰	☆ زکوٰۃ کی تعریف	
۱۹۰	☆ زکوٰۃ کی اہمیت	
۱۹۲	☆ زکوٰۃ کے فوائد	

- ۱۹۳ مصارف زکوٰۃ ☆
- ۱۹۵ جن چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہے ☆
- ۱۹۵ سونا / چاندی اور نقدی ☆
- ۱۹۷ تجارتی سامان ☆
- ۱۹۷ تجارتی سامان کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ ☆
- ۱۹۸ حیوانات ☆
- ۱۹۹ زرعی پیداوار ☆
- ۱۹۹ زرعی پیداوار کا نصاب زکوٰۃ ☆
- ۱۹۹ زرعی پیداوار کا کتنا حصہ زکوٰۃ دیا جائے؟ ☆
- ۲۰۰ زکوٰۃ نہ دینے والے کا انجام ☆
- ۲۰۱ گھٹیا پیزیر کا صدقہ کرنا ☆
- ۲۰۲ صدقہ واپس کرنا ☆
- ۲۰۳ روزہ ۷
- ۲۰۴ رمضان کی فضیلت ☆
- ۲۰۵ روزے کے احکام ☆
- ۲۰۷ سحری کی فضیلت ☆
- ۲۰۹ افطاری کا بیان ☆
- ۲۰۹ فضائلی صوم ☆
- ۲۱۰ روزے کا اجر صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ☆
- ۲۱۱ روزہ ڈھال ہے ☆
- ۲۱۲ باب اڑیان ☆
- ۲۱۳ روزہ شفاعت کرے گا ☆
- ۲۱۴ روزہ دار کے منہ کی بواللہ کے نزدیک ☆

- ☆ روزے کی حالت میں خاتمه ۲۱۳
- ☆ حج بیت اللہ ۲۱۴
- ☆ سفر حج کے دوران موت ۲۲۰
- ☆ مناسک حج کی فضیلت میں ایک عظیم حدیث ۲۲۱
- ☆ سفر حج سے پہلے چند آداب ۲۲۲
- ☆ دوران سفر اور دوران ادا نیکی حج چند ضروری آداب ۲۲۳
- ☆ احرام باندھنے کا طریقہ ۲۲۵
- ☆ احرام کی قسمیں ۲۲۶
- ☆ احرام کے کپڑے ۲۲۷
- ☆ حرم شریف میں داخل ہونے کے آداب ۲۲۷
- ☆ مسجد حرام میں داخل ہونے کی دعا ۲۲۸
- ☆ طواف ۲۲۸
- ☆ فضائل طواف ۲۲۸
- ☆ طواف کی قسمیں ۲۲۹
- ☆ طواف قدوم کی ترکیب ۲۲۹
- ☆ رکن یمانی کی دعا ۲۳۰
- ☆ سنبھیہ ۲۳۱
- ☆ سعی کی ترکیب ۲۳۲
- ☆ مناسک حج (محصر احکام حج) ۲۳۲
- ☆ جہاد فی سبیل اللہ ۲۳۳
- ☆ لغوی معنی ۲۳۳
- ☆ شرعی اور اصطلاحی معنی ۲۳۳
- ☆ جہاد فی سبیل اللہ: قرآنی آیات کی روشنی میں ۲۳۳

- ۲۳۷ ☆ جہاد، احادیث کی روشنی میں
- ۲۳۸ ☆ کیا اسلام تواریخ سے پھیلا ہے؟
- ۲۳۹ ☆ اشاعت اسلام کے اصل اسباب
- ۲۴۰ ☆ جہاد اسلام، دہشت گردی؟
- ۲۴۱ ☆ انکار جہاد پر بنی اسرائیل کو سزا
- ۲۴۲ ☆ صلیبی جنگیں
- ۲۴۳ ☆ اسلام کو پھیلنے سے روکنے کے لئے رکاوٹیں کھڑی کرنا
- ۲۴۴ ☆ لا اکراه فی الدین
- ۲۴۵ ☆ ہندوستان میں اسلامی حکومت کی مثال
- ۲۴۶ ☆ غزوہ ہند
- ۲۴۷ ☆ دعوتِ توحید و رسالت
- ۲۴۸ ☆ سیرت محمد یہ ۱۰
- ۲۴۹ ☆ مسلمانوں کا وطن چھوڑنا ۱۱
- ۲۵۰ ☆ ہجرت ۱۲
- ۲۵۱ ☆ دعوت اسلام شاہی درباروں میں ۱۳
- ۲۵۲ ☆ قبائل کا مسلمان ہونا ۱۴
- ۲۵۳ ☆ غزوات ۱۵
- ۲۵۴ ☆ خطبہ ۱۶
- ۲۵۵ ☆ کنبہ کے حالات ۱۷
- ۲۵۶ ☆ بیویاں ۱۸
- ۲۵۷ ☆ خلقِ محمدی ۱۹
- ۲۵۸ ☆ صبر و حلم ۲۰
- ۲۵۹ ☆ ادب اور تواضع ۲۱

۲۷۳	جو دوستی و خاوت	☆
۲۷۴	شرم و حیا	☆
۲۷۵	بہر بانی اور محبت	☆
۲۷۶	صلدر جم	☆
۲۷۷	عدل و اعتدال	☆
۲۷۸	صدق و امانت	☆
۲۷۹	عفت و عصمت	☆
۲۸۰	زہد	☆
۲۸۱	عبادت	☆
۲۸۲	عام بر تاؤ	☆
۲۸۳	عفو و رحم	☆
۲۸۴	تعلیمات مصطفویہ	۲۰
۲۸۵	تہذیب نفس، اپنے آپ کی درستی	☆
۲۸۶	ماں باپ کی اطاعت	☆
۲۸۷	رشته داروں سے بر تاؤ	☆
۲۸۸	لڑکیوں کا پالنا	☆
۲۸۹	تینیوں کا پالنا	☆
۲۹۰	بادشاہ وقت کی اطاعت	☆
۲۹۱	رحم دلی	☆
۲۹۲	بھیک مانگنے کی برائی	☆
۲۹۳	باہمی بر تاؤ	☆
۲۹۴	علم کی بزرگی	☆
۲۹۵	لوئڈی، غلام اور خادم سے سلوک	☆

اسلامی تعلیمات

12

۲۸۳	منتخب آیات کا ترجمہ	۲۱.
۲۸۴	اخلاقیات	☆
۲۸۵	قتل	☆
۲۸۶	قصاص	☆
۲۸۷	حرابہ	☆
۲۸۸	سرقة	☆
۲۸۹	شراب نوشی	☆
۲۹۰	ارتداد	☆
۲۹۱	شهادت	☆
۲۹۲	خلوت	☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمة

الحمد لله والصلوة والسلام على سيد الرسل وخاتم الانبياء وعلى آله واصحابه اجمعين ، اما بعد: فقال الله تعالى الله نزَلَ احسن الحديث -

قال رسول الله ﷺ: ان الله يرفع بهذا الكتاب اقواماً ويوضع به اخرين - (مسلم)

کتاب اسلامی تعلیمات (برائے سال دوم) جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اگرچہ زیادہ تفسیری و تشریعی نکات اس میں بیان نہیں کئے گئے تاہم یہ کوشش ضرور کی گئی ہے کہ انجینئرنگ کے طلباء کو بطور خاص اور دوسرے اداروں کے طلباء کو باعموم قرآن فہمی اور علم حدیث کی بنیادی معلومات فراہم کروی جائیں -

ہماری اس جامعہ میں پروفیشنل تعلیم کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ اور مطالعہ پاکستان (سال اول اور سال دوم) میں بطور لازمی مضمون پڑھایا جا رہا ہے۔ تعلیم اسلامیات و مطالعہ پاکستان سے جذبہ اسلامی اور جذبہ حب الوطنی بیدار ہوتا ہے۔ اس کے ہمارے معاشرے پر ثابت اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ کیونکہ اس مضمون کا مقصد یہی ہے کہ ایک اچھے انجینئرنگ کے ساتھ ساتھ اچھے باکردار مسلمان کا ہونا بھی لازمی اور ضروری ہے۔

آخر میں ”من لم يشكر الناس لم يشكر الله“ کے تحت اپنے شعبہ کے ان اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جن کے حسن توجہ اور تعاون خاص سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ قارئین کرام اگر کہیں تفکی یا غلطی محسوس کریں تو رقم المخروف کو آگاہ کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمارے سینوں کو فہم قرآن و حدیث کے لئے کھول دے۔ آمين

البعد

پروفیسر: اکٹھ حافظ محمد اس رائیل فاروقی

اعجاز القرآن

مجزہ سے مراد: مجزہ وہ امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر ﷺ کے دعوے کی صداقت کے لئے اہل دنیا پر ظاہر کرتا ہے، تو گویا ”مجزہ“ کی عام تعریف یہ بھی چاہیے کہ ”مجزہ“ اس خارق عادت چیز کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے پیغمبر ﷺ کی تصدیق کے لئے صادر ہو۔ قرآن مجید کی زبان میں اسے آیۃ اللہ (اللہ کی نشانی) کہتے ہیں۔ انسانی دل و دماغ اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتے ہیں۔

مجزہ قرآن

حضرت محمد ﷺ کو بارگاہ الہی سے جو مجزہات عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا مجزہ قرآن مجید ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو چیخ کیا، فرمایا:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْأَنْسُ وَالْجُنُونُ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾

(۸۸: بنی اسرائیل)

”کہہ دو اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا کر لائیں تو اس جیسا نہ لائیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔“

علامہ جرجانی نے اعجاز کی شرح ان الفاظ میں کی ہے، قرآن پاک نے عربوں کو اس بات کا چیخ کیا کہ وہ اس جیسا کلام پیش کریں۔ انہوں نے اس چیخ کو قبول نہ کیا اور دگر دانی اور بہت دھرمی کر کے لڑنے مارنے پر اتر آئے۔ اگر قرآن کی مثل لانا ان کے بس میں ہوتا تو یہ ان عربوں کے لئے لڑائی جھنڈے کے مقابلے میں زیادہ آسان تھا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کونی خصوصیت تھی جس نے اہل عرب کو نظیر لانے سے عاجز کر دیا؟ کیا وہ قرآن کے مناسب عمدہ اور خوبصورت الفاظ تھے یا مضمایں؟ حالانکہ جب قدیم شعراء کا کلام پڑھتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ زبان دان اور اپنے مقابل کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے اور اپنی زبان پر انہیں بڑا ناز تھا۔ وہ ہر قسم کے مضمایں کو شعروں، خطبوں اور مقولوں میں

اس احسن طریق سے ادا کرتے تھے کہ ان کی نظیر آج بھی مشکل ہے۔ درحقیقت قرآن کے مخالفین نے قرآن کی ششگی الفاظ، اس کی ترتیب بیان کی، خصوصیات آیات کا غیر معمولی آغاز و اختتام اور ان کا آپس میں ربط، الفاظ کی روائی، واقعات کا بیان، اسلوب نصیحت اور یاد دہنیوں اور دلائل کو خوب دیکھا، پرکھا اور اس کی ایک ایک آیت پر غور کیا۔ مگر ایک لفظ بھی ایسا نہ پایا جو اپنی جگہ غیر موزوں اور نامناسب ہو، کہ اس پر اعتراض کیا جاسکے یا کسی قسم کی ترمیم کی جاسکتی ہو۔ انہیں خصوصیات کی وجہ سے کسی کو بھی مثال لانے کی ہمت نہ پڑی۔

علامہ عبدالقادر جرجانی اپنی کتاب ”دلائل الاعجاز“ میں اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب عربوں کو چیخ دیا گیا کہ وہ قرآن پاک کی مثل بنالا کیں، اس وقت ان کو قرآن کی وہ مخصوص خوبیاں جو اپنی عبارتوں میں وہ نہیں پیدا کر سکتے تھے ضرور معلوم ہوں گی کیونکہ یہ ایک مہمل ہی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی خاص پہلو کی طرف اشارہ کئے بغیر دوسرے آدمی سے یہ کہے کہ تم میری طرح اس کام کو نہیں کر سکتے۔ قرآن کی یہ خاص خوبی محض اس کے الفاظ حروف، اعراب اور صحیح اور تحقیق جملوں میں مخصوص ہی ہو سکتی۔ کیونکہ یہ تو عربوں کے نزد یہ کوئی مشکل بات نہ تھی، اس لئے وہ خوبی محض ترتیب الفاظ ہی ہو سکتی ہے جو ایسے مضامین کو ادا کرتی ہے جو زوال قرآن سے پہلے نامعلوم تھے۔

وجوه اعجاز

علامہ باقلانی کی رائے کے مطابق قرآن کے اعجاز کی تین خاص وجوہ ہیں انہوں نے آخری وجہ کو دس قسموں میں تقسیم کر کے کل تعداد بارہ تک کر دی ہے۔ ماوری نے ان کی تعداد بیس قرار دی ہے اور قاضی عیاض چار و چھیس بتاتے ہیں مگر آٹھ کا اضافہ کر کے انہوں نے بھی تعداد بارہ تک لکھی ہے اور اس طرح کل ملا کر چوالیس ہوتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ﴾

وَإِنَّمَا آتَا نَذِيرًا مُّبِينًا ۝ (٢٩) / العنكبوت: ٥٠)

”اور (کافر) کہتے ہیں کہ اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوتیں، کہہ دو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں تو کھلم کھلاہدایت کرنے والا ہوں۔“

اور آنحضرت ﷺ نے اپنی اسی وحی آسمانی کو سب سے بڑا مجذہ قرار دیا، چنانچہ اسی آیت پاک کی تفسیر میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ما من الانبياء نبى الا أُعْطِيَ من الآيات ما مثله او من او أَمَّنْ
عليه البشر وانما كان الذى اوتىتْ وحيًا او حاه الله إلَيْ فار جو
انى اکثرهم تابعًا يوم القيمة))

(صحیح بخاری، الاعتصام: ج: ۹، ص: ۱۱۳)

”پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر مجرمات عنایت کیے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے، لیکن جو مجذہ مجھے مرحت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتا را، اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہو گی۔“

پس ثابت ہوا کہ:

۱۔ ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی مجذہ عطا ہوا ہے۔

۲۔ دیگر انبياء ﷺ کے مجرمات وقتی اور عارضی تھے، لیکن آنحضرت ﷺ کا مجذہ قرآن مجید قیامت تک دنیا میں قائم اور باقی رہے گا۔

۳۔ قرآن مجید چونکہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے، اس لیے اس کا اثر بھی دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

۴۔ قرآن مجید ہی ایک مجذہ ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اعلان عام کیا ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش کرے، اور پھر خود ہی بتا دیا کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ (آمِ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاتُوا بِعَشْرِ سُورَ مِثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ وَادْعُوا مِنْ أَسْتَطْعَتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ۝) (۱۱ / ہود: ۱۳)

”کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنے جی سے بنایا ہے، تو کہہ دے کہ وہ ایسی بنائی ہوئی دس ہی سورتیں لے آئیں اور اپنی مدد کے لیے اللہ کے سوا جس کو چاہیں بلیں اگر وہ سچے ہیں۔“

۲۔ (وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَاتُوا بِسُورَةٍ مِمْنُ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الْيَقِيْنِ وَفُرُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أَعْذَّتُ لِلْكُفَّارِينَ ۝) (۲۴-۲۳ / البقرة: ۵۰)

”اور اگر تم کو اس (کتاب) میں کچھ بھی شک ہو، جو ہم نے اپنے بندے پر اٹاری ہے تو اس طرح کی ایک ہی سورہ لاوے، اور اللہ کے سوا اپنے تمام گواہوں کو بلا ادا اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر تم ایسی سورہ بنانے کرنے والا سکو اور یقیناً نہ لا سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر (جن کو تم پوچھتے ہو) ہوں گے، جو کافروں کے لیے تیار کھی گئی ہے۔“

۳۔ (آمِ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مِنْ أَسْتَطْعَتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ۝) (۱۰ / یونس: ۳۸)

”کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس (قرآن) کو اپنی طرف سے بنایا ہے، ان سے کہہ دو کہ اس جیسی ایک سورہ تم بنالا، اللہ کے سوا اور جس کو چاہو مدد کے لیے بالاوے، اگر تم سچے ہو۔“

۴۔ (آمِ يَقُولُونَ تَقُولَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فَلِيَأْتُوْا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَدِيقِينَ ۝) (۳۴ / طور: ۳۲)

”کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑلیا ہے، بات یہ ہے کہ ان کو

(اللہ پر) ایمان نہیں، اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی پیش کریں۔“

فصاحت و بلاغت

۱۔ ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يَعْلَمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ

إِلَيْهِ أَعْجَمَيْتُ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾ (۱۶/ نحل: ۱۰۳)

”اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کو ایک شخص سکھاتا ہے مگر جس کی طرف یہ کفار نسبت (تعلیم کی) کرتے ہیں اس کی زبان تو بھی ہے جبکہ یہ صاف اور واضح عربی زبان ہے۔“

﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾ (۲۶/ شعراء: ۱۹۵)

”یہ قرآن ایک ایسی قصیر زبان میں ہے جو اپنے مدعاۓ دلی کو خوبی ظاہر کرتی ہے۔“

﴿قُرْأَنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَقَوَّنُ﴾ (۲۸/ الزمر: ۳۹)

”یہ قرآن عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کمی نہیں، بتا کر وہ ڈرامائیں۔“

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ﴾ (۳۶/ یس: ۶۹)

”یہ (قرآن) تو محض نصیحت ہے اور اپنے مدعا کو خوبی سے ظاہر کرنے والا ہے۔“

پیشین گوئیاں

قرآن پاک میں بہت سی اطلاعات اور پیشین گوئیاں کی گئی ہیں جو سو فصد سچی ہوئیں، قرآن مجید کی پیشین گوئیوں کی مجرمانہ صداقت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ جگ بدر میں کفار کی شکست کی پیشین گوئی حرف بحر صحیح ثابت ہوئی۔

۲۔ ہجرت نبوی سے قبل روی اور ایرانی سلطنتوں کے درمیان جنگوں کا سلسلہ جاری تھا ایران والے معزز کہ پر معزز کر رہے تھے۔ انہی ایام میں قرآن حکیم نے اعلان کیا کہ:

﴿غُلَّبَتِ الرُّومُ۝ فِي أَذْتَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلِيْبِهِمْ

سَيْغَلِيْبُونَ۝ فِي بِضُعِيْسِنِيْنَ۝﴾

”رومی مغلوب ہوئے پاس کی سر زمین میں اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے، چند برس میں۔“

مشرکین کو اعتراض کا بہانہ مل گیا اور کہا کہ ایسا نیوں کے غلبہ پر مہر لگ جائی ہے۔

اب پانسہ کیسے پلٹ سکتا ہے، لیکن تھوڑی مدت گزری تھی کہ 622 میں رومیوں نے فیصلہ کن فتح حاصل کی۔

۳۔ قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ فرعون سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہوا اور اس کا بدن اللہ تعالیٰ نے محفوظ کر لیا تاکہ آئندہ ادوار میں عبرت دلانے کا کام دے۔ اس دعوئی کی صداقت حال ہی میں ثابت ہو گئی ہے۔ مصر میں بعض بادشاہوں کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں ان میں سے ایک کے بارے میں محققین کا فیصلہ ہے کہ یہاں فرعون کی لاش ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں غرق ہوا۔

۴۔ قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان آب کے اتنے کے بعد کوہ جودی پر اٹک گئی ہے۔ یہ پہاڑ پر برف میں مدفون ہے جو ترکی میں ہے۔

۵۔ مخالفین کو مثال لانے کا چیلنج جوزمانہ حال تک مثال پیش نہ کر سکے۔

۶۔ فتح نکہ کی پیشین گوئی: صلح حدیبیہ سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا کہ ہم کہ میں فاتحانہ داخل ہو رہے ہیں اور یہ حضور کی پیشین گوئی قرآن نے یوں بیان کی:

﴿قَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولُهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِيقَ﴾ (۴۸ / الفتح) (۲۷)

”اللہ نے اپنے نبی کا خواب تحقیق کر دکھایا۔“

۷۔ اسی طرح سورۃ القمر میں فتح کی پیشین گوئی کی گئی ہے حالانکہ سورۃ القمر کی ہے اور اس کے زمانہ نزول تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

عدم اختلاف

﴿أَقْلَالًا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ

اِخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (۴ / النساء: ۸۲)

”بھلا یہ کافر قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے، اگر یہ (کلام) اللہ کے سوا کسی

اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سے اختلافات پاتے۔“

قوت تاثیر

﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا يُفْسِدُ حُكْمَهُ أَبَالْغَةُ فَمَا تُعْنِي النُّذُرُ﴾ (۵۴/ قمر: ۳، ۴)

”ان کو (قرآن کے ذریعہ سے) اگلی امتون کے ایسے حالات سنائے جا چکے ہیں جو ان کی تنبیہ کے لئے کافی تھے، یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے، لیکن ان کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔“

قرآن مجید کی قوت تاثیر بنا پر کفار قرآن مجید کو حرج (یعنی جادو) کہتے تھے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا يَسْتَعْجِلُونَ قَالَ الظَّالِمُونَ كَفَرُوا بِاللَّهِ قَدْ لَمَّا جَاءَهُمْ هُنَّ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ (۴۶/ الاحقاف: ۷)

”اور جب ان کافروں پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو سچائی کے آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔“

عامۃ النساء کو ایمان لانے سے روکنے کے لئے کفار کہتے تھے کہ جب محمد ﷺ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنائے لگیں تو شور کروتا کروگ س کرتا شرہ ہوں:

﴿وَقَالَ الظَّالِمُونَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا إِلَهَهًا الْقُرْآنِ وَالْغُوا فِيهِ لَعْلَكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ (۴۱/ خم السجدہ: ۲۶)

”اور کافر کہنے لگے کہ اس قرآن کو سننا ہی نہ کرو اور اس کے پڑھتے وقت شور و غل کرو، شاید تم غالب رہو۔“

قرآن با عشر ہدایت

﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ﴾ (۲/ بقرۃ: ۲)

”یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے یہ پرہیز گاروں کے لیے

باعث ہدایت ہے۔

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلّٰتِي هُنَّ أَفْوَمُ﴾ (۱۷/ بُنی اسرائیل: ۹)

”یقیناً یہ قرآن وہ راستہ کھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔“

﴿فُلْ قَاتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدَى مِنْهُمَا أَتَبْعَهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (۲۸/ قصص: ۴۹)

”کہہ دو کہ اگرچہ ہوتا تم اللہ کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ جوان دونوں کتابوں (قرآن و تورات) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو تاکہ میں بھی اس کی پیروی کروں۔“

﴿فَدُجَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِينٌ﴾ (۵/ المائدہ: ۱۵)

”تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور مدعا کو ظاہر کرنے والی کتاب آچکی ہے۔“

﴿وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَتٍ مُّبِينٍتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ حَلَوْا مِنْ قَلْبِكُمْ وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (۳۴/ النور: ۲۴)

”اور ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں نازل کیں ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کی خبریں اور پرہیز گاروں کے لئے صحیح۔“

﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبِّرٌكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا الْعَلَمَكُمْ تَرْحِمُونَ﴾ آن تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابَ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِيْنَ﴾ او تَقُولُوا إِنَّا أَنْزَلْ عَلَيْنَا الْكِتَابَ لَكُنَّا أَهْدَى مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيْنَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ بِالْآيَتِ اللّٰهِ وَصَدَقَ عَنْهُكُنْجُزِيَ الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنِ الْيَشْتَأْ سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ﴾ (۶/ الاعnam: ۱۰۵، ۱۰۷)

”اور یہ مبارک کتاب ہم نے اتاری ہے تو تم اس کی پیروی کرو اور پرہیز گاری

اختیار کروتا کہ تم پر حکم کیا جائے اور یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے (یہود و نصاری) دو قوموں پر کتاب انتاری گئی، اور ہم ان کے پڑھنے سے بے خبر تھے، یا یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب انتاری جاتی تو ہم ان دونوں قوموں سے زیادہ راہ راست پر ہوتے تو کوئی تمہارے رب کی طرف سے دلیل وہدایت و رحمت آئی ہے۔ تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے (لوگوں کو) پھیر دے، جو لوگ ہماری آیتوں سے پھیرتے ہیں تو اس پھیرنے کے سبب ہم ان کو نہ عذاب کی سزا دیں گے۔“

تعلیم: فرائض چهار گانہ نبوت

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأَمَمِ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتَلَوَّ عَلَيْهِمُ اِلَيْهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ لَفْنِي ضَلَالٌ مُّبِينٌ﴾ (۶۲/ الجمعة)

”وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمد ﷺ کو) پھیر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اُس کی آیتوں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور اللہ کی کتاب اور دنائل سخھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔“

﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُوْمِنِينَ﴾

(۸۲/ بنی اسرائیل)

”اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز اتارتے ہیں، جو مونوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ كُرِّلَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لِكِتَابٍ عَزِيزٍ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرَّسُولِ مِنْ قِبْلِكَ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَكِيمٌ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ

اسلامی تعلیمات

24

إِلَيْهِ أَعُجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ فُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آتَوْا هُدًى وَشَفَاءً ۝

(٤١، ٤٤ حم السجدة)

”جن لوگوں نے نصیحت کونہ مانا جب وہ (نصیحت) ان کے پاس آئی اور یہ تو عزت والی کتاب ہے، جس کے آگے پچھے (آس پاس بھی) باطل نہیں آ سکتا، یہ حکمت اور تعریف والے، اللہ کی اثابتی ہوئی ہے، اے پیغمبر ﷺ

تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا، تیراپر و دگار بخشش والا ہے، اور عذاب والا بھی ہے، اگر ہم اس قرآن کی زبان بھی کرتے تو وہ لوگ یہ کہتے کہ اس کے احکام کیوں نہیں کھول کر بیان کیے گئے، ہم عرب ہیں اور کتاب بھی، کہہ دے کہ یہ کتاب مومنوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔“

إِنَّا يَأْمَنُ النَّاسُ قَدْ جَاءَتُكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشَفَاءٌ لِمَا فِي

الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (١٠ / یونس: ٥٧)

”لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی اور وہ لوں کی امراض کا علاج ہے، اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“

﴿يَسْ وَالْقُرْآنُ الْحَكِيمُ﴾ (٣٦ / یس: ١)

”یس۔ قسم ہے قرآن کی جو حکمت سے ہمراہ ہے۔“

﴿صٰ وَالْقُرْآنُ ذِي الْدِكْرٍ﴾ (٣٨ / ص: ١)

”ص۔ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت دینے والا ہے (کتم حق پر ہو)۔“

قرآن کا جواب لانے کی طاقت نہیں

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْأَنْسُ وَالْجُنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا

الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِيَعْضِلُهُمْ بِهِرَآ﴾

(٨٨: بنی اسرائیل)

”کہہ دو اگر انسان اور جن مجمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنالائیں تو اس جیسا نہ لائیں گے اگر چوہ ایک دوسرے کے مدگار ہوں۔“

﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَكُنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّقُوا النَّازَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتُ لِلْكُفَّارِينَ﴾ (۲۴/۲) (بقرۃ: ۲۴)

”لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔“

رسول امی مصلحتیم کی زبان سے ادا ہونا

”اور قرآن سے پہلے اے پیغمبر نہ تو تو کچھ پڑھ کر سنا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا، اگر ایسا ہوتا تو البتہ یہ باطل پرست شک کر سکتے، بلکہ یہ کھلی آئیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم بخشا گیا ہے، اور ہماری آئیوں سے صرف گنہگار (مشترک) ہی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیوں اس (پیغمبر) پر اس کے اللہ کی طرف سے نشانیاں نہیں اتریں۔ کہہ دے کہ نشانیاں اللہ کے قبضہ میں ہیں، میں تو کھلاڑ رائے والا ہوں، کیا ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجوہ پر کتاب اتاری، نہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ اس میں ایمان والوں کے لیے رحمت اور نصیحت ہے۔“

(۵۱، ۴۸) (العنکبوت: ۲۹)

حافظت کا وعدہ

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الْذِكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ﴾ (۱۵) (الحجر: ۹)

”بیشک یہ کتاب الصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

﴿لَا تُحَرِّكِ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجِلَ بِهِ﴾ (۱۶) (آل عمران: ۷۵)

”(اے پیغمبر) وہی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان کو جنبش نہ دیا کرو کہ اس کو

اسلامی تعلیمات

26

جلد یاد کرو۔ یقیناً ہم پر ہے اس قرآن کا جمع کرنا اور پڑھانا۔“

قرآن حکیم عرب کے ملک میں نازل ہوا جو اس وقت تہذیب و تمدن سے قطعاً بیگانہ تھا۔ تاہم آج چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور قرآن مجید روزاول کی طرح محفوظ چلا آ رہا ہے۔ رب تعالیٰ نے صرف اپنی کتاب کو محفوظ رکھا بلکہ اس کی زبان کو بھی زمانہ کی دست بردا سے مامون کر دیا۔ قرآن سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان کی زبانیں تک تاپید ہو گئیں جب کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے اٹھایا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جس کی نگہبانی کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھار کھا ہو دے۔ یقیناً ہر طرح دست بردا سے محفوظ رہے گا۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿لَا يَأْتِيهُ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ (۴۱/ حم السجدۃ)

(۴۲/ حم السجدۃ)

”باطل نہ سامنے سے اس پر آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔“

سامنے سے نہ آ سکنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پر براہ راست حملہ کر کے اگر کوئی شخص اس کی کسی بات کو غلط اور کسی تعلیم کو باطل و فاسد ثابت کرنا چاہے تو اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پیچھے سے نہ آ سکنے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کوئی حقیقت و صداقت ایسی منکف نہیں ہو سکتی جو قرآن کے پیش کردہ حفاظت کے خلاف ہوا کوئی علم ایسا نہیں آ سکتا جو نی الا واقع علم ہو اور قرآن کے بیان کردہ علم کی تردید کرنا ہو۔ کوئی تحریر اور مشاہدہ ایسا نہیں ہو سکتا جو یہ ثابت کر دے کہ قرآن کے عقائد اخلاق، قانون، تہذیب و تمدن، میششت و معاشرت اور سیاست مدن کے باب میں انسان کو جو رہنمائی دی ہے وہ غلط ہے اس کتاب نے جس چیز کو حق کہا دیا وہ کبھی باطل نہیں ہو سکتی اور جسے باطل کہا دیا ہے وہ کبھی حق ثابت نہیں ہو سکتی۔

(تفہیم القرآن، ۴/ ۴۶۳)

قوت دلائل

﴿فَقَدْ جَاءَكُمْ بِسِنَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةً﴾

(١٥٧/الانعام)

”یقیناً تمہارے پاس تمہارے اللہ کی دلیل اور ہدایت اور رحمت آگئی ہے۔“

﴿قُلْ فِيلِهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ (٦/الانعام)

”کہہ دے کہ اللہ ہی کے لیے وہ دلیل ہے جو دلوں تک اتر جاتی ہے۔“

﴿هَذَا بَصَائِرٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

(٢٠٣/الاعراف)

”یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے سمجھ بوجھ کی باتیں اور ہدایت و رحمت ہے۔“

خلاصہ

قرآن مجید نے نہ صرف عربوں کی کایاپٹ دی بلکہ ہر قسم کی بدیوں سے نجات دلا کر اخلاق فاضل کے زیور سے آراستہ کر دیا اور پوری انسانیت کو راہ ہدایت عطا کی۔

قرآن مجید کی روحانی برکات کا اثر صرف عہد نبوی ﷺ تک محدود نہ تھا بلکہ وہ روحانی برکات تمام انس و جن کے لئے اب بھی جاری ہیں جو بھی سچے دل سے اپنے آپ کو قرآن مجید کی تعلیم کے تابع بنالیتا ہے وہ انہی انعاموں کا وارث بن جاتا ہے جس کے صحابہ کرام وارث ہوتے تھے۔

اگر صرف فصاحت و بلاغت ہی کو معیار اعجاز قرار دیا جائے تو کیا یہ امر وقوع نہیں ہے کہ عین اس وقت جب ایک آنی کی طرف سے، جو ایک شعر تک موزوں نہیں پڑھ سکتا تھا یہ مدعا نہ اعلان عرب میں شائع ہوا، اس وقت عرب کے قبیلہ قبیلہ میں زبان آور شعراء اور آتش بیان خطباء موجود تھے، مگر اس ”صوت سرمدی“ کے سامنے سب کی زبانیں گلگ ہو گئیں۔ (علامہ شبلی، سیرۃ النبی: ۲۵۲/۳)

اصول تفسیر

علم تفسیر اپنی عظمت جلالت قدر، وسعت اور جامعیت کے اعتبار سے تمام علوم و فنون میں ممتاز ہے اور اس علم میں قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اس لئے تفسیر کا اطلاق قرآن کریم کی تشریح پر ہوتا ہے۔ فن تفسیر پر صحابہ کرام سے لے کر بے شمار اہل علم نے متعدد بانوں میں کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور بر صغیر میں علمائے کرام نے بھی بلاشبہ اس فن پر بہت اچھا کام کیا ہے۔ مگر قرآن کریم کی برکتیں اور رحمتیں صرف اسی صورت میں میسر آ سکتی ہیں جب ہم اسے اپنارہبر و رہنمای تسلیم کریں اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”امت مسلمہ کی اشد ترین ضرورت قرآن مجید کی معرفت ہے، اس لئے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسمی ہے، ذکر حکیم ہے، صراط مستقیم ہے، جس کے ذریعے نفسانی خواہشات غلط رخ اختیار نہیں کر سکتیں، اس سے زبانیں دروغ گوئی سے پاک رہتی ہیں، اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے، علماء اس سے سیر نہیں ہوتے، جس نے قرآن کی بات کی اس نے سچ کہا جس نے اس پر عمل کیا وہ ماجور ہوا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل کیا، جس نے اس کی دعوت دی وہ صراط مستقیم پر گامزن ہوا۔ جس نے اسے جبر و قهر کی وجہ سے ترک کیا اللہ نے اسے تکڑے تکڑے کر دیا۔ جس نے قرآن کے علاوہ کسی دوسرے ذریعے سے بدایت حاصل کرنے کی کوشش کی وہ گمراہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ کافر مان ہے:

﴿وَمَنْ أَغْرِضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّهُ مَعِيشَةً ضَلَّالًا وَنَعْشُرَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَلِي﴾
 قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَلِي وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا
 ﴿Qَالَّذِي كَذَلِكَ أَتَكَ أَيْتَنِي قَسِيرَتَهَا وَكَذَلِكَ الْيُومُ تُنسِي﴾

(۲۰/۱۲۶، ۱۲۷)

”اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی ننگ ہو جائے گی اور

قیامت کو ہم اسے انداھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ میرے پروردگار تو نے مجھے انداھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو دیکھتا بھالتا تھا! اللہ فرمائے گا کہ ایسا ہی (چاہیے تھا) تیرے پاس ہماری آئین آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج ہم تجھے بھلا دیں گے۔“

جب کسی علم کو فن کا مقام حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس کے اصول و قواعد بھی تیار ہوتے ہیں۔ علم تفسیر باقاعدہ ایک ”فن“ ہے۔ اس کے اصول جب وضع ہوتے ہیں تو انہیں ”اصول تفسیر“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(مقدمہ فی اصول التفسیر، ج ۵، ص ۴، دار الفرقان الکریم، بیروت)

تفسیر کا لفظی مفہوم

(۱) تفسیر ”فسر“ سے مخوذ ہے اس سے مراد کسی چیز کا کھولنا اور ظاہر کرنا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ تفسیر صرف ایک دفعہ استعمال ہوا ہے:

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِنْتَنَكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾

(الفرقان: ۳۳/۲۵)

”اور یہ لوگ آپ کے پاس جو اعتراض کی بات لاتے ہیں ہم اس کا سچا جواب اور عدہ توجیہ آپ کو بتائیں گے۔“

(۲) لفظ ”تفسیر“، ”فسر“، ”یفسر“ کا مصدر ہے، بمعنی تشریح و توضیح۔

(انسیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۶، ص ۳۸۸، ۱۹۵۷ء)

(۳) ”کسی چیز کی وضاحت کی، خوب وضاحت کی، قرآن کریم کی آیات کی (ترشیح) کی، اور انہی آیات کو کھول کر بیان کیا، (قرآنی آیات) میں جو اسرار و رموز اور احکام الہیہ ہیں ان کے معانی کو تفصیل سے بیان کیا۔“

(ابراهیم انیس: المعجم الوسيط، ج ۲، ص ۶۹۵، ط ۲، دار احیاء التراث العربي، بیروت)

(۴) آلفسرو: ”کسی چیز کو واضح کرنا، کسی مستور چیز کو ظاہر (عربیاں) کرنا، جس طرح تفسیر کا مفہوم ہے۔“

(۵) فَسْرَ کے معانی بیان، فَسَرَ الشَّنِيءَ سے مراد کسی کی تشریح، فَسَرَہ اس کی وضاحت اور تفسیر کا بھی بھی مفہوم ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فَسَرَ سے مراد کسی مستور چیز کا کھولنا، تفسیر سے مراد مشکل لفظ کے مفہوم کو بیان کرنا، کھول دینا۔

(لسان العرب، ج ۶، ص ۳۶۱ مؤسسة المصرية)

علامہ زرکشی نے علم تفسیر کی تعریف یوں کی ہے:
”یہ علم ہے جس سے قرآن کریم کا فہم حاصل ہوتا ہے اور اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام اور حکمتوں کا استنباط کیا جاتا ہے۔“

(بدرالدین الزركشی، البرهان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۱۳، دارالمعرفة، بیروت)

علامہ محمود آلوی (۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

”علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے، ان کے مفہوم، ان کے افرادی اور تکمیلی احکام اور ان کے معانی سے بحث کی جاتی ہے۔ جوان الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لئے جاتے ہیں۔“

(ابوالفضل شہاب الدین محمود الالوی: روح المعانی، ج ۱، ص ۴، ادارۃ الطباعة المنیریۃ، بیروت)

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم: ”تفسیر اصطلاحاً وہ علم ہے جس میں قرآن کریم کے معانی اللہ تعالیٰ کی نشانے کے مطابق بشری استھانعات کے مطابق بیان کیے جاتے ہیں۔“

(الزرقاوی، مناهل العرفان فی علوم القرآن، دمشق ۱۳۷۲ھجری)
اصطلاحاً تفسیر کا اطلاق مشکل الفاظ، چیزیہ فقرات اور مغلق، ہنگلک کتب کی تشریح اور توضیح پر ہوتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کے نزول کے بعد یعنی صرف قرآن حکیم کے ساتھ منسلک ہو کر رہ گیا ہے۔ علمی اور فلسفی کتابوں کی شرح کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور شرح کا مترادف ہے۔ دنیا کے اسلام میں تفسیر سے مراد تفسیر قرآن اور خود علم تفسیر ہے۔ ”تفسیر قرآن، علوم اسلامیہ کا ایک علم ہے۔ جس کا مقصد قرآن کے معنی کی تشریح و توضیح، آیات عقائد ان کے اسرار و موز اور ان کی حکمتوں اور احکام الہی کو بیان کرنا ہے۔“

(المعجم الوسيط، ج ۲، ص ۶۹۵)

تفسیر کے اصطلاحی مفہوم کو بیان کرنے کے لئے علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ سب سے بہترین قول ابو حیان کا ہے۔ فرماتے ہیں:

”تفسیر ایسا علم ہے جس میں قرآن کریم کے الفاظ کی ادائیگی یعنی علم القراءت اور ان الفاظ کے معنا و مقصود سے حسب استطاعت بحث کی جاتی ہے۔ اس کے احکام ضروری اور ترکیبی کو بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی تفسیر میں روایت کا معاملہ بھی آتا ہے، اس میں تاویل یعنی درایت کی بحث بھی ہوتی ہے، علم صرف ذخیر علم بیان اور علم بدیع کا بیان بھی ہوتا ہے۔ اس میں حقیقت اور مجاز کی بحث بھی آتی ہے۔ کیونکہ ترکیب اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ الفاظ کے ظاہری معانی کو بیان ملن و عن نہ لیا جائے بلکہ جو چیز اصل مقصود ہوتی ہے وہ مجاز ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ناسخ و منسوخ کا علم، شان نزول کا بیان اور قرآن مجید میں جو باتیں اجمالی طور پر بیان کی گئی ہیں انہیں واضح طور پر پیش کیا جائے۔“

(ابو حیان، البحر المحيط، ج ۱، ص ۱۳ دار الفکر العربی القاهرہ)

”اصطلاحی طور پر تفسیر ایسا علم ہے جس میں قرآنی آیت کے نزول، ان سے متعلق واقعات، شان نزول، مکی و مدنی سورتوں کی خصوصیات، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید، محمل و منفصل، حلال و حرام، وعدہ و وعید، امر و نہی، عبرت اور امثال وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔ (الانتقان، ج ۲، ص ۱۷۴)

”دنیاۓ اسلام میں لفظ تفسیر سے مراد بالخصوص قرآن کی تفسیر اور خود علم تفسیر ہے علم کی یہ شاخ جسے علِمُ القرآن و التفسیر کہتے ہیں علم حدیث کی ایک خاص اور اہم شاخ ہے۔ مدرسون اور جامعات میں اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تفسیر کی توضیح میں یہ کہنا کافی ہے کہ وہ کلام اللہ کے مطلب بیان کرنے کا نام ہے یا یہ کہ اس کا کام قرآن مجید کے الفاظ و معانی کی تشریح کرنا ہے۔“ (انسٹیکٹو پیڈیا آف اسلام، ج ۷، ص ۳۹۰، ۳۹۱)

تاویل

”لغوی معنی: تاویل کا مادہ، اول (اول) رجوع کرنا، لوٹنا، محرف کرنا وغیرہ۔ تاویل کلام سے مراد اس کی تشریح و توضیح، کسی چیز سے انحراف کرنا، اس کی تعریف کرنا اور اس سے مراد خوبیوں کی تعبیر بھی ہے۔“ (القاموس، ج ۳۲ ص ۲۳۱)

”اول“ کے معنی رجوع کرنا ہے۔ کسی چیز سے محرف ہونا، حدیث میں آتا ہے کہ ”جس نے ہمیشہ کاروزہ رکھا، نہ ہی اس کاروزہ ہوا اور نہ ہی اس نے نیکی کی طرف رجوع کیا۔“ تاویل کلام سے مراد اظہار اور تشریح و تعبیر ہے۔“

(لسان العرب، ج ۱۲، ص ۳۴، ۳۳)

تفسیر، تاویل اور تعبیر متراوٹ ہیں، تاویل اور تفسیر کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اس لئے بعض علماء نے تفسیر و تاویل کو ہم معنی و ہم مفہوم قرار دیا ہے اور کچھ علماء ان دونوں کو یکسر ایک دوسرے سے مختلف مانتے ہیں۔

ابن حبیب نیشاپوری رض لکھتے ہیں:

”ہمارے زمانے میں مفسرین کی ایک تعداد ایسی بھی ہے کہ اگر ان سے تفسیر اور تاویل کا فرق پوچھا جائے تو وہ واضح نہ کر سکیں گے۔“

(الاتفاق، ج ۲، ص ۱۷۳)

”تاویل: اپنے مشہور ترین معانی کے لحاظ سے تفسیر کا مترادف ہے۔ جن آیات میں تاویل کا لفظ آیا ہے تو وہ ان معنوں میں آیا ہے کہ بات کو واضح کرنا، پوشیدہ معنی و عیاں کرنا اور کھوں کربات کو بیان کرنا۔“ (مناهل العرفان، ص ۴۷۷ المطبوعات الاسلامی، دمشق)

ابوعبدیہ لکھتے ہیں:

”التَّقْسِيرُ وَالْتَّاوِيلُ بِمَعْنَىٰ وَاجِدٍ“ (الاتفاق: ۱۷۳)

”وَتَقْسِيرٌ وَتَاوِيلٌ بِهِمْ مَعْنَى الْفَاظِ ہیں (ان میں کوئی فرق و اختلاف نہیں)“

”الْتَّقْسِيرُ مَا يَتَلَقَّ بِالرَّوَايَةِ وَالْتَّاوِيلُ مَا يَتَعَلَّقُ بِالدَّرَائِيةِ“

”تفسیر کا تعلق علم روایت سے ہے اور تاویل کا تعلق علم درایت سے

ہے۔” (الاتقان، ج ۲، ص ۱۷۳)

بہر حال ان اقوال کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ”ترتیب عبارت سے جو مفہوم اخذ ہو سکے اس کے بیان کو تفسیر کہتے ہیں اور ایسی عبارت جس میں مفہوم اشارہ و کتابیہ سے معلوم ہواں کے کشف و بیان کا نام ”تاویل“ ہے۔ ”تاویل در اصل الفاظ کے مکمل مختلف معانی سے کسی ایک کو خاص دلیل کی بنیاد پر ترجیح دینا ہے۔ ترجیح میں اجتہاد پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ الفاظ کے معانی و معناہیم کو لاقت عرب کے تناظر میں تلاش کیا جاتا ہے۔

(التفسیر والمفسرون، ج ۲، ص ۲۲)

تفسیر القرآن بالقرآن:

قرآن کی تفسیر کا بنیادی اصول یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے اور ”القرآن يُفْسِرُ بَعْضَهُ بَعْضًا“ کے مسلم اصول کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا جائے۔ قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا حرام ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: جس نے اپنی رائے اور عقل یا قیاس سے وہ بات کہی جسے وہ نہیں جانتا اور قرآن مجید کی تفسیر کی وہ شخص دوڑخ میں اپنی جگہ بنالے: (عن ابن عباس)

مولانا شناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: پس قرآن میں صحیح تفسیر وہ ہوگی جس میں مفردات کو لغت کی شہادت سے حل کیا گیا ہو اور مضامین کی تفسیر میں قرآنی تفسیر کو مقدم سمجھا گیا ہو تو تفسیر القرآن بكلام الرحمن اس کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

(آیات تشاہجات، ص ۹۰-۸۹)

مثلاً سورۃ الفاتحہ میں آئی ہے: عَلَيْہمْ کہ کرجن لوگوں کا بیان کیا گیا ہے ان کی وضاحت سورۃ النساء کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں کی گئی ہے: اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور رسول کی فرماتبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جیسے نبی، صدیق، شہید، اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔ (آیت: ۴۹)

تفسیر القرآن بالحدیث:

اسلام میں حدیث رسول ﷺ کی شرعی حیثیت فہم قرآن میں مسلم ہے۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے:

(۱) «لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ» (الاحزاب)

”یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ کی حیات طیبہ میں عملہ منونہ ہے۔“

(۲) «وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْذِكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ» (سورہ النحل)

”اور ہم نے تم پر یہ ذکر (قرآن کریم) نازل کیا ہے تاکہ جوار شادات لوگوں

پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کروتا کہ وہ غور کریں۔“

رسول اکرم ﷺ کی ذات حامل قرآن اور مفسر قرآن ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطاع بنایا ہے۔ حدیث رسول اکرم ﷺ قرآن کی نبوی تفسیر ہے۔ مولا ناشاء اللہ امر تری نے اسے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) قرآن کی تفسیر قرآن سے کی گئی ہو اور وہی حکم حدیث میں ہو۔

(۲) قرآن کسی حکم کے بارے میں ساکرت ہے اور حدیث اس حکم کو بیان کرتی ہو۔ مثلاً کتنے ولی کی حرمت، نواقف و خصوصیات وغیرہ۔

(۳) قرآن کے حکم عام کو خاص کرنا مثلاً «حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ» (المائدۃ) کو خاص کرتے ہوئے بھچلی، بندی دل اور جگروتلی وغیرہ کا حلal کرنا۔

(۴) قرآن کے الفاظ و سیاق سے مدعای بھند آ رہا ہو تو اس کا تعین کر کے مدعایاں کیا گیا ہو۔ مثلاً ”اہل بیت“ سے مراد ازواج مطہرات ہیں مگر ترمذی اور حاکم کی صحیح روایات میں علی نقاش، فاطمہ نقاش، حسین نقاش کو اہل بیت قرار دیا گیا ہے تو یہ ”الحقوق منوی“ ہے۔ گویا آپ ﷺ نے انہیں شریک اہل بیت کرنے کی دعا فرمائی ہے۔ حالانکہ قرآن کا یہ خطاب ازواج مطہرات کو ہے اور دعا سے یہ حضرات بھی اہل بیت میں داخل ہوئے ہیں۔ اس طرح آپ ﷺ کے تمام گھروالوں کو اہل بیت قرار دے دیا گیا۔

(۵) تقطیق کا اصل مدار اصول حدیث پر ہے کیونکہ قرآن شریف کا وصول ہم کو بطریق تو اتر ہوا ہے اور حدیث کا بطریق احادیث جو اس درجے کا نہیں اس لئے ان دونوں کی تیزیں میں

فرق ہے۔ اس لئے محدثین کا اصول ہے کہ حسن حدیث کے مقابل ضعیف کو نہیں لیتے اور صحیح کے خلاف حسن کو قبول نہیں کرتے۔ طرق وصول کے لحاظ سے چونکہ حسن کے وصول کا طریق ضعیف سے، صحیح کا حسن سے اور صحیحین کا باقی کتب سے، بخاری کا مسلم سے اتوی اور اضبط ہے۔ اس لئے اس کو ترجیح ہے پس اس اصول سے قرآن شریف کو سب پر ترجیح ہے۔

(آیات تشاہجات، ص: ۱۸)

”خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر کے لئے کسی زمانہ کے علماء پر پابندی نہیں بلکہ ہر زمانے میں پابندی اصول دین یعنی قرآن و حدیث اور عربی زبان کے لحاظ سے ہر ایک عالم کا حق ہے کہ قرآن شریف کو اپنی علمی استعداد سے سمجھے، خواہ پہلے لوگوں میں اس کا کوئی موافق ہو یا نہ ہو مگر دل رکھتا ہو۔ زبان عربی کے قواعد اور کسی آیت یا حدیث کے خلاف اس کی توجیہ یا تفسیر نہ ہو۔ یہی معنی ہیں اس حدیث کے جس میں سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”میری امت بارش کی طرح ہے جس کے اوں یا آخری کی تیزی نہیں ہو سکتی کہ افضل کون سا حصہ ہے“، ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے افضل ہونے میں کیا شہادت ہے؟“

(آیات تشاہجات، ص: ۱۹)

خلاصہ

- ۱۔ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے کیونکہ اگر ایک جگہ ابھالی طور پر بیان ہے تو دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کی تفسیر موجود ہے۔
- ۲۔ قرآن کی تفسیر سنت رسول ﷺ سے کی جائے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کی سنت قرآن کی شرح اور تفسیر ہے۔
- ۳۔ اگر سنت رسول ﷺ میں قرآن کی تفسیر موجود نہیں تو پھر اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے قرآن کی تفسیر کی جائے کیونکہ صحابہ قرآن احوال سے واقف اور اس وقت کے حالات کے شاهد ہیں۔
- ۴۔ اگر اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم میں قرآن کی تفسیر میرمنہ آئے تو پھر تفسیر قرآن تابعین کے اقوال سے کی جائے۔ ان کے ہاں اختلاف کی صورت میں بعض کو بعض پر ترجیح نہ دی جائے

اگر وہ کسی بات پر جمع ہو جائیں تو پھر ان کے قول کو جو جت مانا جاسکتا ہے۔
جمهور کے نکتہ نگاہ سے بالاتفاق جو اصول تفسیر سامنے آئے ہیں ان کو درج ذیل
ترتیب سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

- ۱۔ تفسیر القرآن بالقرآن
- ۲۔ تفسیر القرآن بالحدیث
- ۳۔ تفسیر القرآن باقول الصحابة
- ۴۔ تفسیر القرآن باقول التابعین
- ۵۔ عربی زبان و قواعد میں مہارت
- ۶۔ تاریخ عرب سے واقفیت
- ۷۔ شان نزول
- ۸۔ کتب مقدسہ سے استفادہ
- ۹۔ ناسخ و منسوخ کا علم
- ۱۰۔ غریب الفاظ کی تشریع

امام ابن تیمیہ ”ابن بطة“ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

”الله تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل کیں ان کا سارا علم چار کتابوں میں جمع کر دیا۔ قرآن مجید میں ان چار کتابوں کا علم جمع کر دیا۔ قرآن کا سارا علم مفصل (لبی) سورتوں میں جمع کر دیا اور تمام طویل سورتوں کا علم امام القرآن میں جمع کر دیا۔ اور امام القرآن کا سارا علم دو کلمات ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ میں جمع کر دیا۔ اس طرح سب آسمانی کتابوں کا علم ان نذکورہ کلمات میں سمٹ آیا۔

(ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی ج ۱۴ ص: ۷۸ مکتبہ الرياض السعودية: ۱۳۸۲)

اسلامی حدود و تعمیرات، فلسفہ اور حکمت

حد کی جمع حدود ہے۔ یہ فقط قرآن مجید میں چودہ مقامات پر آیا ہے۔ فرمایا:

﴿تُلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا﴾ (۲/ البقرہ: ۱۸۷)

”یہ اللہ کی حدیں ہیں، ان کے پاس نہ جانا۔“

﴿الَّا أَن يَخَافَ الَّا يُقِيمُمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾ (۲/ البقرہ: ۲۲۹)

”ہاں اگر میاں بیوی کو خوف ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔“

﴿فَإِنْ حَفْتُمُ الَّا يُقِيمُمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾

(۲/ البقرہ: ۲۲۹)

”اگر تم ذرتے ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔“

﴿تُلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا﴾ (۲/ البقرہ: ۲۳۹)

”یہ اللہ تعالیٰ کی مقرری کی ہوئی حدود ہیں (احکامات) ان سے باہر نہ جانا۔“

﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (۲/ البقرہ: ۲۳۹)

”اور جی لوگ، اللہ کی حدود سے باہر نکل جائیں گے، وہ گناہگار ہوں گے۔“

﴿فَإِنْ طَلَقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجِعَا إِنْ طَنَّا أَنْ يُقِيمُمَا

حُدُودَ اللَّهِ﴾ (۲/ البقرہ: ۲۳۰)

”ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور عورت اور پہلا خاوند ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کر لیں کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔“

﴿وَتُلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يَسِّينُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ (۲/ البقرہ: ۲۳۰)

”اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اللہ ان لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے جو داش رکھتے ہیں۔“

﴿تُلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ (۴/ النساء: ۱۳)

”یہ تمام اللہ کے احکامات ہیں۔“

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلُهُ نَارًا خَالِدًا﴾

(فیہا) (۱۴ / النساء)

”اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور ان کی حدود سے نکل جائے گا تو اللہ سے دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔“

﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفُراً وَنَقَاءً وَاجْدَرُ الَّذِي يَعْلَمُوا حُدُودًا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ﴾ (۹ / التوبہ)

”بدلوگ سخت کار اور سخت منافق ہیں اور اسی قابل ہیں کہ جو احکام اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ان سے واقف ہی نہ ہوں۔“

﴿وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۹ / التوبہ)

”بری با توں سے معن کرنے والے اللہ کے احکامات کی حفاظت کرنے والے اور (اے پیغمبر) موسنوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔“

﴿ذَلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾

(۵۸ / المجادله)

”یہ حکم اس لئے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہو جاؤ اور یہ اللہ کی حدود (احکامات) ہیں۔“

﴿وَتَلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ (۶۰ / الطلاق: ۱)

”اور اللہ تعالیٰ کی حدیں (احکامات) ہیں۔“

﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ (۶۰ / الطلاق: ۱)

”اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔“

حد کا لغوی معنی ”خط کھینچنا ہے“، امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

”حد“ وہ خط مترکہ ہے جو دو چیزوں کے درمیان حد فاصل قائم کرتا ہے اور انہیں یک دوسرے سے ملنے سے روکتا ہے کہا جاتا ہے۔ میں نے یہ حد کا دی یعنی خط کھینچ دیا تاکہ

تمیز ہو سکے۔ اور گھر کی حد جو اسے دوسرے گھر سے عیینہ کرتی ہے وہ اس کا خط ہوتا ہے۔“
(المفردات ص: ۱۰۹)

احکامات الہی

جب ہم قرآن مجید کی آیات پر غور کرتے ہیں تو حد کی تعریف احکامات الہی ہتی ہے۔
جہاں بھی قرآن مجید میں خاص حکم دیا گیا، اس کے بعد فرمایا گیا۔

﴿تُلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْدُوْهَا﴾ (۲۲۹: البقرہ)

اسی طرح سورۃ بقرہ میں رمضان کے مفصل احکامات دینے کے بعد فرمایا۔
﴿تُلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا﴾ (۱۸۷: البقرہ)

سورۃ البقرہ کی آیات ۲۳۰، ۲۲۹ میں نکاح و طلاق کے قطعی احکامات کے بعد
فرمایا۔

﴿تُلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْدُوْهَا﴾

سورۃ النساء کی آیات ۱۳، ۱۲ سے پہلے و راشت کے مفصل تقسیم کے بعد فرمایا۔
﴿تُلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾

سورۃ توبہ کی آیت ۷۶ میں بدوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ کے احکام کو نہیں
مانتے۔ آیت ۱۱۲ میں ان مومنین کی تعریف کی جو اللہ، کے احکام کی حفاظت کرنے والے
ہیں۔ سورۃ الحجادہ کی آیت ۲ میں وہ یوں کو ما میں کہنے والوں کے جرم اور اس کے کفارے
کے احکامات دینے کے بعد فرمایا۔ ﴿وَتُلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾

سورہ طلاق میں بھی طلاق اور اس کی عدت کے احکامات کے بعد فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ
کی حدود ہیں اور جو اللہ کی حدود کو پھلانگنے کی کوشش کرے گا وہ خود ظالم ہو گا۔

حد کی اصطلاحی تعریف

متعدد احادیث میں بھی لفظ حد استعمال ہوا ہے جو اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوا
ہے۔

”ز میں والوں پر ایک حد کا جاری کرتا تھیں دن کی متواتر بارش (رحمت)

سے بہتر ہے (دوسری روایت میں) چالپس دن کی بارش سے بہتر ہے۔

(ابن ماجہ، سنن نسائی)

حد قائم کرنا گناہوں کا کفارہ ہے۔ (مسند احمد: ۲۱۲۵/۵)

قرآن و سنت کے عین مطابع سے حد کی اصطلاحی تعریف یوں ہوتی ہے
”کسی جرم کی وہ سزا جو قرآن و سنت میں معین کردی گئی ہو، اس میں کم و بیشی
کا اختیار پیغامبر ﷺ کو تھا نہ حاکم وقت یا قاضی وقت کو ہے۔“

یہ تعریف رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث سے ہی مانو ہے:

”سیدہ عائشہؓؑ نے روایت ہے، ایک مخزوں میہ عورت نے چوری کی وہ لوگوں سے
بچھے چیزیں ادھار لے لیا کرتی تھی، پھر واپس دینے سے انکار کر دیتی تھی، تو رسول اکرم ﷺ کے
نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا، اس عورت کے لگڑا لے سیدنا امامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے
س سفارش کے لئے آئے، آپ ﷺ نے رسول اکرم ﷺ کے پاس اس عورت کی
شارش کی تو رسول اکرم ﷺ کا چہرہ انور غصے سے تختا اٹھا آپ ﷺ اس عورت کے
اطب ہوئے فرمایا.....:

”اتشفع فی حد من حدود الله“

(اے امامہ!) میں کیا دیکھتا ہوں کہ تم اللہ کی مقرر کی ہوئی عدوں میں سے ایک حد
میں سفارش لے کر آئے ہو؟:

پھر رسول اکرم ﷺ نے مسجد بنوی میں فرمایا:

”بے شک تم سے پہلے لوگ (بیرون نصاری) اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب
ان میں کوئی سردار چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی غریب
کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتے، اس ذات کی قسم جس کے
قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر (مخزوں میہ کی جگہ) میری بیٹی فاطمہ بھی
ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔“ (بخاری: ۳۱۱، ۶)

حدیث میں جہاں بھی لفظ خدا استعمال ہوا، اکثر و پیشتر کسی جرم کی سزا کے لئے ہی

استعمال ہوا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم جرم کی سزا کو ختم کر دیا کرو اگر اس کے ختم کرنے کی کوئی صورت نظر آئے“ (ابن ماجہ)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول، اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں سے جرم کی سزا حتی المقدور ختم کر دیا کرو، اگر کوئی چھٹکارے کا پہلو نکلتا ہو تو مجرم کو آزاد کر دو (شک کا فائدہ دے کر) اگر کوئی امام سزا کو معاف کرنے میں غلطی کرے تو یہ کہیں بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے“ (ترمذی، بیہقی)

ثابت یہ ہوا کہ حد کا اصطلاحی مفہوم کسی جرم کی وہ سزا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے متعین کی ہے:

”حد شریعت میں اللہ کے حق کی بنیاد پر مقرر سزا کو کہتے ہیں، تعزیر اس سے الگ ہے کہ وہ حاکم وقت کی صوابید پر موقوف ہے اور قصاص اسی میں اس لئے نہیں آتا کہ وہ اللہ کا نہیں بندے کا حق ہے“ (فقہ السنۃ: ۳۰۲، ۲)

”شرعی اصطلاحی میں مجرم کے لئے وہ مقرر کردہ سزا جو اس کے لئے واجب ہے“
(المجموع الوسطی: ۱۰-۱۱، ۲)

”حد کا معنی اللہ کے حق کے لئے مقرر کردہ سزا ہے، جو جماعت کی اصلاح اور نظام عام کو حفظ، کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ کے دین کی غرض و غایت یہی ہے، جب یہ اللہ کا حق ہے تو اس میں معافی نہیں ہوتی، نہ افراد کی طرف سے اور نہ جماعت کی جانب سے“ (فقہ السنۃ: ۳۰۲، ۲)

”گناہوں کی سزاوں کو حدود کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اغلبًا یہ: اگناہ گار کو اس گناہ کی طرف رجوع کرنے سے روکتی ہے جس کی وجہ سے یہ سزا متعین کی گئی ہے“ (ایضاً)۔

”اور گناہ کو بھی نبی نفسم حدود کہا گیا جیسے اللہ نے فرمایا: تسلک حُدُودَ اللَّهِ“

(البقرہ: ۱۷۸) (فقہ السنۃ: ۳۰۲، ۲)

حدود کی تعداد

قرآن سنت میں جن جرائم کی سزا میں معین کی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

- (۱) زنا (۲) قذف (جھوٹی تہمت) (۳) چوری (۴) خر (ثراہ نوشی) (۵) (حرابہ) (۶) ارتداد (اسلام سے مردہ ہونا)

قتل نفس کو اس لئے حدود اللہ میں شامل نہیں کیا گیا کیونکہ وہ بندے کا بندے پر حق ہے اور اس کے لئے قرآن و سنت میں قصاص و دیت کا پورا قانون موجود ہے۔

(۱) زنا

«الزَّانِيْهُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَا حَلَّدَهُ وَلَا تَأْخُذُ كُمْ بِمَا رَأَفْهَ فِي دِيْنِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُشَهِّدُ عَدَابَهُمَا طَرِيقَةً مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ» (آل عمران: ۲۴)

”زانیہ عورت اور مردوں کو میں سے ہر ایک کو سوسوکوڑے لگاؤ اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین میں (دونوں کو سزا دینے میں) تمہیں کسی قسم کی نرمی و امن گیر نہ ہو اور ان دونوں کی سزا کا مشاہدہ موتیں کی ایک جماعت کرے۔“

یہ غیر شادی شدہ مرد و زن کے لئے ہے اور شادی شدہ مرد و زن کے لئے رجم (سگسار کرنا) کی سزا حدیث رسول ﷺ میں معین کردی گئی ہے: رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

”مجھ سے احکامات حاصل کرو..... مجھ سے احکامات حاصل کرو..... اللہ

تعالیٰ نے زانیہ عورتوں کے لئے راستہ مہیا کر دیا ہے غیر شادی شدہ زانیوں (مرد و زن) کے لئے سزا سوسوکوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور شادی

شدہ مرد و زن کے لئے سوسوکوڑے اور رجم ہے“ (مسلم، ابو داود، ترمذی)

سیدنا عبد اللہ بن عباس سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا وہ بلیغ خطبہ منقول ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا.....

”بے شک اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو حق کے ساتھ مبوعث کیا، ان پر قرآن نازل کیا اور اس قرآن میں آیتِ رجم بھی تھی، ہم نے آیت کو پڑھا اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کیا، رسول اکرم ﷺ نے رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کیا، مجھے خطرہ ہے کہ ایک دو را یا آئے گا کہ لوگ کہیں گے ہم رجم کتاب اللہ میں نہیں پاتے پس وہ اللہ کے اس فرض کو ترک کر کے گمراہ ہوں گے، پس شادی شدہ مردوزن پر اگر وہ زنا کے مرتكب ہوں رجم بحق ہے، جب اس پر شہادت ثابت ہو جائے، حمل ثابت ہو یا مجرم خود اعتراف کریں۔ میں اللہ کی قسم کہا کہ کہتا ہوں کہ مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے عمر ﷺ نے قرآن میں اضافہ کروادیا تو میں اسے ضرور (سورہ احزاب میں) لکھوادیتا۔ آیتِ رجم یہ ہے:

الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله

عزیز حکیم (بخاری و مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی)

حدیث ابی امامہ بن سہیل رضی اللہ عنہ میں الفاظ یہ ہیں:

الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموها البتة بما قضينا من اللذة
(مسند احمد، طبرانی)

ابن ابن کعب کے الفاظ یہ ہیں:

كانت سورة الأحزاب توازى سورة البقرة وكان فيها آية الشيخ

والشيخة (صحیح ابن حبان)

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رجم کا حکم حدیث رسول ﷺ میں برقرار ہے اور اس پر اجماع امت ہے:

فانه قد ثبت بالسنۃ المتواترة الجمع علیها و ايضاً ثابت
بنص القرآن لحدث عمر عند الجماعة

(نیل الاوطار: ۹۶/۷)

”جہاں تک رجم کی سزا کا تعلق ہے اس پر امت کا اجماع ہے۔“

ایک اعتراض کا جواب

عام طور پر ایک اعتراض آیتِ رجم پر یہ کیا جاتا ہے کہ اگر عذر جم کا حکم برقرار تھا تو

اسلامی تعلیمات

44

اے قرآن سے کیوں نکلوا گیا؟

اس کا سیدھا سادہ جواب تو یہ ہے کہ یہ اللہ کا اختیار ہے اور اس کا فرمان ہے:

﴿يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أَمْ الْكِتَابِ﴾

(۱۳/ الرعد: ۳۹)

”اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دینا ہے اور جسے چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے اور لوح
محفوظ اسی کے پاس ہے۔“

اگر اس حکمت کو تلاش کرنا ہی مقصود ہو کہ اس آیت کو قرآن سے کیوں نکلوا گیا تو یہ
بات بالکل صاف اور عیاں ہے کہ اللہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا میرے حکم کے علاوہ میرے
پیغمبر ﷺ کے فرمان کو بھی تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں؟ جہاں اللہ کا یہ فرمان (اطیعو اللہ) ہے
وہاں یہی حکم ہے «اطیعو الرسول» اور کتنی آیات قرآن مجید میں اسی ہیں جس میں
اطاعت رسول ﷺ پر زور دیا گیا ہے اور رسول اکرم ﷺ کے فیصلے کو جو تسلیم نہ کرے،
صریحًا انکار کرے اسے دائرہ اسلام سے خارج نہ کیا ہے۔

﴿فَلَا وَرَبَّكَ لَا يُوْمُنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكُ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَعِدُونَا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجٌ جَاءَ مِمَّا قَضَيْتُ وَيُسَأَلُونَا تَسْلِيمًا﴾

(۶۵/ النساء)

”آپ کے پروردگار کی قسم کوئی آدمی اس وقت تک سچا مسلم نہیں بن سکتا جب تک وہ
آپ کو اپنے درمیان پھونٹنے والے جھگڑوں میں فیصل اور تاضی نہ مان لیں اور پھر جو فیصلہ
آپ نہادیں اس کے خلاف اپنے دل میں کسی قسم کا غبار (تغلق) محسوس نہ کریں بلکہ آپ
کے فیصلے کو دل و جان سے تسلیم کریں“..... ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهُوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْدَهُ يُوْحَىٰ﴾

(۴۰/ النجم)

”اور رسول (وین کے معاملے میں) اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں
کہتے، وہ تو وحی ہے جو (ان کی طرف) کی جاتی ہے ہیں۔۔۔“

«وَمَا أَنْكُمُ الرَّسُولُ فَخُلِّدُوهُ وَمَا نَهَكُمْ عَنِهِ فَانْتَهُوا وَأَنْقُوا اللَّهُ عَلَيْهِ»

(٥٩/ الحشر)

”رسول جو کچھ تمہیں دیں اسے مغضوبی سے تھام لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔“

«فَإِنْ تَنَازَعْتُمُ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا»

(٤/ النساء)

”اگر تمہارا کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم واقعۃ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بات ہر لحاظ سے بہتر اور تاویل کے اعتبار سے بھی سب سے اچھی ہے۔“

ان تمام آیات سے ثابت ہوا کہ جہاں اللہ کے حکم کو مانا لازم ہے، وہاں رسول اکرم کے فرمان کے سامنے سرتسلیم ختم کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کے لئے قرآن میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بعض آیات کا حکم منسوخ ہے۔ مگر ان کی تلاوت منسوخ نہیں۔ ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کریں گے۔ شراب کے بارے میں قرآن مجید میں تین آیات میں دو آیات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شراب اب بھی حلال ہے:

«بَسْتَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثُمْ كَبِيرٌ وَمَنَافِعٌ لِلنَّاسِ وَإِثُمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا» (٢١٩/ البقرہ)

”یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہی آپ کہہ دیجئے یہ دونوں بہت بڑے گناہ ہیں، لیکن اس میں لوگوں کے لئے (وقتی) فائدے (بھی) ہیں، مگر ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔“

دوسری آیت:

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَلَا تُنْتَمْ سُكْرِيًّا»

(٤/ النساء)

”اے ایمان لانے والوں نہ کے عالم میں نماز کے قریب ہرگز نہ جاؤ۔“
 ﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْمَا الْحُجُورُ وَالْمُبَيْسِرُ وَالْأُنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ
 رِجْسٌ فِنْ عَمَلِ الشَّيْطَنِ فَاجْتَبَبُوهُ لَعْلَكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

(۹۰/۵ المائدہ)

”اے ایمان لانے والوں نہ کشراپ، جواء بست پرستی، فال نکالنے والے تیر،
 یہ سب گندگی اور شیطانی اعمال ہیں، تم ان سے دور ہو جاؤ تاکہ تم دین و
 دنیا میں سرخ رو ہو سکو۔“

یہ اللہ تعالیٰ کا کلی اختیار ہے کہ کسی حکم کو قرآن مجید سے نکلا کر حدیث میں اسے برقرار رکھے (جیسے رجم) اور یہ بھی اللہ کا اختیار ہے کہ کسی حکم کو تبدیل کر دے جیسی زانیہ ہوتیں کی سزا (پہلے گھروں میں قید رکھنے کا حکم تھا، پھر غیر شادی شدہ کو سوکوڑے لگانے کا حکم دیا) پس اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سے رجم کی آیت نکلا کہ اس کے حکم کو شریعت مظہرہ میں بحال رکھا تو اس کی حکمت یہی ہے کہ کیا ہم قرآن کے ساتھ ساتھ فرمان رسول کو مانتے ہیں یا نہیں۔ فرمان الہی ہے:

﴿مَا نَسْخَ مِنْ أَيْةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا إِنَّمَا تَعْلَمُ
 أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۱۰۶/ البقرہ)

”ہم جس آیت کو بھی منسوخ کرتے یا اسے فراموش کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی ہی دوسری آیت بھیج دیتے ہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

تعزیر کی تعریف

لغوی معنی: تعزیر، عزّر، پُعزّر تعزیر اسے ماخوذ ہے، جس کا معنی رکنا، منع کرنا اور تعظیم کے ساتھ مدد کرنا ہے کہا جاتا ہے: عزّرہ لامہ، ای اعانہ یعنی اس نے اپنی ماں کی مدد کی اور عزّرہ عن کذا ہو تو منع کیا، روکا (منعہ ورده) اُذبہ، ضربہ اشہد الضرب، فخمه، وعظمه، اعانہ و نصرہ یعنی ادب سکھایا، اور سخت ضرب ماری، اس کی تعظیم، کی، اس کو بڑا مانا اس کی اعانت و مدد کی (المنجد، ص: ۵۰۳)

تعزیر یہ ہے کہ کسی کی عظمت کے پیش نظر اس کی مدد کرنا۔ (المفردات ص: ۳۲۲)

قرآن مجید میں ہے.....

﴿وَقَالَ اللَّهُ أَنِّي مَعْلُومٌ لَّئِنْ أَقْمَتُ الصَّلَاةَ وَأَتَيْتُ الزَّكُورَةَ وَأَمْنَتُمْ بِرِسُلِي وَعَزَّرَتُمُوهُمْ﴾ (۵/ المائدہ: ۱۲)

”اور اللہ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ہوں اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاوے گے اور ان کی مدد کرو گے۔“

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوا هُوَ وَنَصَرُوا﴾ (۷/ الاعراف: ۱۵۷)

”جو لوگ ان پر ایمان لائے، ان کی تعظیم کی اور انہیں مدد دی۔“

اصطلاحی مفہوم

”تعزیر کا معنی وہ سزا ہے جو حد سے کم تر ہوتی ہے اور یہ دراصل تادیب ہوتی ہے اور تادیب درحقیقت کسی کی برائی سے روکنے پر مدد ہوتی ہے۔ (المفردات، ص: ۳۲۲)

”تعزیر میں تعظیم اور نصرت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے۔ کہ ”تم اللہ پر اس کے رسول پر ایمان لاوے اور اس کی مدد کرو“ یعنی تم پیغمبر کی تعظیم بجالاوے اور اس کی مدد بھی کرو۔ (فقہ السنۃ: ص ۴۹۱ ج ۲)

تعزیر کا ایک مفہوم ابانت (کسی کو ذلیل کرنا) بھی ہے.....

”کہا گیا ہے فلاں نے فلاں کی تذلیل کی یعنی اسے لعنت ملامت کرتے ہوئے اس کے کسی گناہ پر اسے سزا دی۔“

شریعت میں اس کا مقصد اور تعریف یوں ہے.....

”حاکم وقت کسی جرم یا گناہ پر ایسی سزا نافذ کرے جو شریعت نے مقرر نہیں کی۔“

(فقہ السنۃ: ۴۹۷ ج ۲)

”تعزیر کسی جرم کی وہ سزا ہے جو رسول اکرم ﷺ نے میمن نہیں کی بلکہ یہ معاملہ قاضی کی رائے و اجتہاد پر چھوڑ دیا گیا ہے“ (تلک حدود اللہ: ۱۸)

مذکورہ بالامام بحث سے تعزیر کی جو تعریف سامنے آتی ہے وہ اس طرح ہے جہاں

تقریبہ کامعنی کسی کو ملامت کرنا، زجر و توبیخ کرنا اور اصلاح کے لئے سزا دینا ہے وہاں تعزیر کامعنی کسی کی پشت پناہی اور اس کی مدد اور نصرت بھی ہے۔ یہ اصول ہمیشہ نے مسلسلہ ہے کہ تادیب اس سزا کو کہا جاتا ہے جو کسی کو اصلاح کے لئے دی جائے۔ ہمارے گھروں اور تعلیمی اداروں میں ہر جگہ رائج ہے۔ حتیٰ کہ دنیا کو کوئی بھی ملک ایسا نہیں جو تادیب کا انکاری ہو۔ انگریزی محاورہ ہے۔ "Spare the rod spoil the child" ("یعنی جہاں پیچے کو تادیب نہ کر کے جائے، وہاں اس کی اصلاح نہیں ہوگی)۔

یہ فرد اور معاشرے دونوں کی پشت پناہی ہے۔ فرد کی اس اعتبار سے کہ تادیب میں اصلاح کا پہلو ہے اور معاشرے کی اس اعتبار سے کہ وہ امن و امان کا گھوارہ بن جاتا ہے۔ پس تعزیر کسی جرم کی وہ سزا ہے جسے شریعت نے پیغمبر ﷺ حاکم وقت یا قاضی وقت کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہو۔ اس سزا میں کمی و میشی ہو سکتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کی سزادیں کوڑوں تک بھی دی ہے۔

ہماری ذائقۃ سے روایت ہے انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سننا:

”اللہ کی حدود کے علاوہ دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دو۔“

(بخاری، مسلم، ابو داؤد)

بہر بن حکیم اپنے والد اور اپنے وادا سے روایت کرتے ہیں.....

ن النبي ﷺ حبس في التهمة

(أبو داود، ترمذى، النسائى، بيهقى وصححه الحاكم)

”نبی مسیح نے تہمت کی بنا پر ایک آدمی کو قید کیا (احتیاط کے طور پر ایسا

کیا کہ حقیقت حال معلوم ہو سکے)۔“

عمر بن خطاب رضي الله عنه سے یہ بات ثابت ہے۔ فقرہ (۷۳۹، ۳۹۸، ج ۲) میں ہے:

”وہ تغیری اور تادیب کرتے تھے، کسی کا سر منڈا کر کر جلاوطن کر کے اور

کسی کو مار پیش کر، آپ نے شراب بختنے والوں کی وکانیں جلا دیں، وہ بستی جس

میں شراب نیجی حاتی تھی اسے آگ لگا دی اور سیدنا سعد بن وقاص بن عبید اللہ کا

کوفہ میں محل جلا دیا، جب انہوں نے محل کے دروازوں پر دربان بھاڑائیے اور رعیت کو ملنا چھوڑ دیا، وہ اکثر ہاتھ میں درہ پکڑے رہتے تھے، جو اس کا مستحق ہوتا تھا اسے لگادیتے تھے، آپ نے قید خانہ بھی بنایا تھا، آپ نے نوح کرنے والی عورت کو اتنا پیٹا کہ اس کے سر کے بالی ننگے ہو گئے۔

”تعزیر معمولی سے معمولی سزا اوس مثلاً صحبت، سخت نظروں سے دیکھنا، یا کسی سے توجہ ہٹالینا سے شروع ہو کر سخت ترین سزاوں جیسے قید، کوڑے لگانا، بلکہ انتہائی گھناؤ نے جرم میں قتل کی سزا ایک بھی جا پہنچی ہے جب کہ مصلحت عامہ کا تقاضا یہی ہو اور مجرم کے فساد کو سوائے قتل کے کوئی سزا کم نہ کر سکے (اس وقت یہ لازمی ہوتی ہے) جیسے سرکش مجرم، جاسوس، نت نئے جرائم ایجاد کرنے والے۔ اس سزا کا اختیار قاضی / حاکم کی رائے پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ مجرم کو اس کے اصلاح احوال کے مطابق سزا دے اور اسلامی حاکم کو ایسے قوانین (By laws) بنانے کی اجازت ہے جو جرائم کو ختم کرنے کے لئے تعزیری صورت میں نافذ ہو سکتے ہیں۔ (تлک حدود اللہ: ۱۸، ۱۹)

جیسے آخ کل سعودی عرب میں مشیات فروشوں کو قتل کی سزا دی جا رہی ہے۔

اس طرح سنن ابو داؤد میں روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک مختلط کو لایا گیا جس نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو مہنڈی لگائی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے پوچھا اس نے ہاتھوں اور پاؤں کو کیوں مہنڈی لگائی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، عورتوں سے مشاہد اخیار کرتا ہے، پس آپ ﷺ نے اسے بیچ کی جانب سے شہر سے نکال دیا۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: کیا ہم اس کو قتل کر دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا.....

”انی نهیت عن قتل المصلیین“

(محجّہ نمازیوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے)

سیدنا عمر بن خطاب رض نے شراب کے بارے میں چالپس کوڑوں کی حد کو اسی (۸۰) کوڑوں میں تبدیل کیا۔ اسی لئے امام ابو حنیفہ رض، امام مالک رض شراب کی حد اسی (۸۰) کوڑے مانتے ہیں۔ اس کی ولیل یہ ہے کہ سیدنا عمر رض نے صحابہ سے شراب کی

حد کے بارے میں مشورہ کیا تو سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اجعله کا خف الحدود ثمانین" سب سے ہلکی حد کی سزا کے مطابق اسی (۸۰) کوڑے دیجئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی (۸۰) کوڑے لگوائے اور شام میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرنے کا حکم دیا۔

سیدنا علی رضی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا: "ہمارا مشورہ ہے کہ اسے اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں کیونکہ جب وہ شراب پیتا ہے تو نشے میں ہوتا ہے، جب نشے میں ہوتا ہے تو بیہودہ بکواس کرتا ہے اور جب بیہودہ بکواس کرتا ہے تو تمہت لگاتا ہے اور تمہت (قذف) لگانے والے کو سزا (۸۰) کوڑے ہے" (ص: ۲۰۱)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مختلف ہے اور یہ رائے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ہے کہ شراب کی حد صرف چالیس کوڑے ہے اور اگر امام اسے اسی (۸۰) کوڑے لگائے تو اس کی اسے اجازت ہے کیونکہ حد چالیس (۴۰) ہے اور اس سے زائد تعزیر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل جنت ہے، کسی دوسرے کے عمل کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمل کا ترک جائز نہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا ابو مکر اور سیدنا علی رضی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے خلاف، کوئی اجماع نہیں ہو سکتا، سیدنا عمر رضی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چالیس کوڑے زیادہ کرنا دراصل تعزیر ہے اور یہ اس طرح جائز ہے کہ جب امام / خلیفہ اس بات کو مناسب سمجھے تو وہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ علیہ وآلہ وسلم موٹے تازے عادی شرابی کو (۸۰) کوڑے لگوائے اور ضعیف اور کمزور شرابی غیر عادی کو چالیس کوڑے لگوائے۔ (فقہ السنہ: ۳۳۶، ج ۲)

تعزیریز بان سے بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ کسی کو خفتست کرنا، لعنت ملامت کرنا، وعظ و نصیحت کرنا اور حالات کے تقاضوں کے مطابق اور عمل سے بھی ہو سکتی ہے، جیسے مارنا، پیٹنا، قید کرنا، جلاوطن کرنا اور ذمیل و رسوا کرنا۔ (فقہ السنہ: ۲/ ۴۹۸)

یہ بھی ثابت ہے کہ تعزیری میں درج ذمیل سزا میں دینا جائز نہیں: (۱) داڑھی کا مامنڈ وانا (۲) گھر کا برباد کرنا، (۳) باغوں کو تباہ کرنا اور کھیتوں کا اجڑانا، چھلوں اور درختوں کا کاشنا،

(۲) ناک، کان، ہونٹ اور انگلیوں کا کاشنا۔

تعزیری کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر کسی حد کے جرم میں قاضی وقت کے پاس ”حد“ کی اسلامی شہادت کی شرط مکمل نہ ہوں اور وہ موجودہ شہادتوں، تحقیق و تفتش کے نتیجے میں سمجھتا ہو کہ مجرم یہی ہے تو اس صورت میں وہ حد کے بجائے اس پر تعزیر نافذ کر سکتا ہے۔

حدود و تعزیرات کا فلسفہ / حکمت

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں، اسلام کی سزا میں بڑی وحشیانہ اور ظالمانہ ہیں، غیر فطری اور غیر انسانی ہیں۔ جب کہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی قانون سزاوں (Penal Code) سے مستثنی نہیں، وہ ممالک جو کسی مذہب کو نہیں مانتے، دہربیت والخادان کا ایمان ہے، وہ بھی اپنے قانون میں سزاوں کا ایک نظام رکھتے ہیں اور وہ معمولی جرائم پر اس قسم کی سزا میں بھی دیتے ہیں جن کا تصور بھی قرآن و سنت میں نہیں کیا جاسکتا۔ روس میں ہمیشہ سے یہ نظام رہا کہ جو آدمی کیوں نہ کرے تو اسے سائبریا کے جنگلات میں پھیک دیا جاتا تھا اور ایسے بہت سے لوگوں کو اُڑا دیا گیا، ان کا جرم یہ تھا کہ جس ڈیم کی تعمیر پران کی ڈیوٹی تھی وہ گر گیا۔ اس طرح دنیا کے ہر ملک کے قانون میں سزاوں کا ایک نظام ہے جو انسان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس نظام میں جرم کم ہوتا ہے سزا زیادہ ہوتی ہے یا سزا کم ہوتی ہے اور جرم بڑا ہوتا ہے لیکن اس نظام کا مقصود بھی اُن کے مطابق فرد اور معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام نے حد و تعزیرات کا جو نظام دیا ہے اس سے ہی جرائم کی روک تھام ممکن ہو سکتی ہے۔ اللہ ہی نے انسان کی تخلیق کی اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے، یہ بات معروف ہے کہ جو انچیزیر جس مشینری کا موجود ہوتا ہے وہ اس کی سب سے بہترین اصلاح کر سکتا ہے، امریکی معاشرے کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ وہاں لوگ زیور تعلیم سے آرستے ہیں، جو بڑے مہذب اور صاحب اخلاق مانے جاتے ہیں لیکن منفرد قفع کے لئے بجلی چلے جانے پر یہ تعلیم یافتہ اور مہذب لوگ جو گل کھلاتے ہیں ان کی تفصیلات اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔

مقام افسوس یہ ہے کہ ان مہذب لوگوں نے جرائم کی تعریف بدل دالی ہے۔ ان کے ہاں زنا صرف وہ ہوتا ہے جو کسی کے ساتھ زبردستی کیا جائے، اگر باہمی رضامندی سے بدکاری کی جائے تو یہ زنا کی تعریف میں نہیں آتی اور مستوجب سزا نہیں۔ بلکہ ایسے مادر پدر آزاد معاشروں میں اگر ماں بابا اپنے بچوں کو منع کرنے کی کوشش کریں تو وہ قابل گردان زدنی قرار پائیں۔

بہر حال یہ بات واضح ہے کہ دنیا کا کوئی قانون سزا کے نظام سے مستثنی نہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ سزا سے اصلاح نفس اور اصلاح معاشرہ جیسے اہم مقاصد حاصل ہوتے ہیں، اس لئے اسلام نے جو سزا میں مقرر کی ہیں، وہ نہ صرف اصلاح معاشرہ کے لئے کام آتی ہیں بلکہ یہ ایسا نظام ہے جو باعث برکت و رحمت ہے جو لوگوں کی جان، عزت و آبروز کا محافظہ بھی ہے اور دنیا میں باعث امن اور آخرت کے لئے فوز و فلاح کا ضامن بھی ہے۔

ابراہیم احمد لکھتے ہیں:

”اسلام نے حدود و تعزیرات کا ایسا نظام دیا جو لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا حافظ ہے۔“

اسلام نے حدود کو اس لئے قانونی صورت دی کہ یہ اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کے لئے باعث رحمت ہے، اگر وہ ان حدود کو قائم کئے رکھیں، ان نے آگے نہ بڑھیں، انہیں لازم جانیں اور انہیں پامال نہ کریں تو (اسلامی معاشرے میں) عدل کی حکمرانی ہو، امن و امان کا دور دورہ ہو، اہل اسلام امن و آشتی کے ساتھ رہیں اور یہ بلا شک دنیا میں ترقی اور کمال کا زینا اور آخرت کے لئے فوز و فلاح کا ضامن ہو گا۔“ (تلک حدود اللہ، ص ۵)

فرق صرف یہ ہے کہ باقی ممالک کی سزا میں خود ساختہ اور ان کے اپنے ذہنوں کی پیداوار ہیں جب کہ اسلامی سزاوں کا نظام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا تعمیل کردہ ہے۔

انسان برائی کا مرتكب کیوں ہوتا ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک آدمی برائی کا مرتكب کیوں ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوْهَا﴾ فَالْهُمَّ هَا فُجُورُهَا وَتَقْوَاهَا ﴿ۚ﴾

(الشمس: ٩١ / ٨٠٧)

”فِتْمَ بِهِ فَسَ کی اور ان کی جس نے اس کے اعضا کو برا بر کیا، پھر اس کے نفس میں نیکی اور برائی کے جذبات ڈال دیتے۔“

دوسری جگہ فرمایا:

﴿إِنَّ هَدِينَةَ السَّبِيلَ إِماً شَاكِرًا وَإِماً كُفُورًا﴾ (الدھر: ٧٦)

”ہم نے انسان کو صراط مستقیم کی ہدایت دی، اب اس کی مرضی ہے کہ وہ شکر گزار بن جائے یا ناشکرا۔“

رسول اکرم ﷺ کی حدیث ہے:

((کل بنی ادم خطاء و ن و خیر الخطاين التوابون))

(ترمذی، ابن ماجہ)

”تمام بني نوع انسان خططا کار ہیں اور سب سے بہتر خططا کار وہ ہیں جو اللہ کے دروازے پر لوٹ جاتے ہیں (تو بے کر لیتے ہیں)۔“

اگریزی کا مقولہ ہے: ”To error is human“ ”انسان خططا کا پتلا ہے۔“

ان آیات اور حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی فطرت میں برائی کا مادہ موجود ہے۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں یوں بیان ہوئی ہے:

﴿وَمَا أَبْرُئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَآمَارَهُ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي﴾

(یوسف: ١٢ / ٥٣)

”میں اپنے آپ کو برائی سے بری الذمۃ قرائیں دیتا کیونکہ نفس انسان کو برائی پر بہت زیادہ اکسانے والا ہے مگر ہاں جس پر میرا پروردگار حرم کرے۔“

شیطان نے ابتدائے آفرینش میں اللہ سے یہ کہا تھا:

﴿قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَا قُعْدَنَ لَهُمْ صِرَاطُكَ الْمُسْتَقِيمُ ثُمَّ لَا تَتَّبِعُهُمْ﴾

”مِنْمُ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِيلِهِمْ وَلَا

تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَكِيرِينَ﴾ (الاعراف: ١٦، ١٧ / ٧)

”(شیطان نے) کہا کیونکہ تو نے مجھے گراہ کر دیا ہے تو میں بھی تیرے سیدھے راستے پر (ان سب انسانوں کو) گراہ کرنے کے لئے جم کر بیٹھوں گا، پھر میں ان کے آگے سے ان کے پیچھے سے ان کے دائیں، ان کے باائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا اور انہیں گراہ کروں گا اور تو ان میں سے اکثر شکر گزار نہیں پائے گا۔“

﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَا زَيْنَنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا غُوَيْنَهُمْ أَجْمَعِينُ﴾ (۱۵ / الحجر: ۳۹)

”(شیطان نے) کہا میرے پروزدگار جیسا تو نے مجھے گراہ کیا ہے، میں لوگوں کے لئے زمین میں گناہ کوآ راستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو گراہ کروں گا۔“

﴿قَالَ فَبِعِزْتِكَ لَا غُوَيْنَهُمْ أَجْمَعِينُ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُحْلَصِينَ ۝﴾ (۲۸ / ص: ۸۲، ۸۳)

”(شیطان نے) کہا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب (انسانوں) کو گراہ کروں گا، سوائے ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔“

آدم اور حوا ﷺ کو بکانے والا شیطان تھا۔ ارشاد ہے:

﴿فَوَسُوسْ لَهُمَا الشَّيْطَنُ﴾ (۷ / الاعراف: ۲۰) (﴿وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّصِيحِينَ﴾ (۷ / الاعراف: ۲۱) (﴿فَذَلِلُهُمَا بِغُرُورٍ﴾

(۷ / الاعراف: ۲۲)) (﴿فَازَ لَهُمَا الشَّيْطَنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهَا﴾ (۲ / البقرة: ۳۶))

”شیطان نے آدم اور حوا کے جی میں وسوسہ لالا..... اور (شیطان نے) ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں غرض (اس نے) انہیں دھوکہ دے کر (معصیت کی طرف) کھیج ہی لیا..... پھر شیطان نے دونوں کو دہاں سے پھسلا دیا اور جس (جنت) میں تھے اس سے ان کو نکلا دیا۔“

ثابت ہوا انسان کو برائی پر اکسانے والے یہی دعوائیں ہیں، عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ انسان برائی کرنے کے بعد شیطان کو مستا ہے، لیکن اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا أَعْهَدَ إِلَيْكُمْ يَتِيمًا أَدْمَانَ لَا تَعْدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌ مُّبِينٌ﴾ (۶۰/ ۳۶) (بین: ۶۰)

”اے آدم کی اولاد ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجتا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌ فَاتَّبِعُوهُ عَدُوًا﴾ (۳۵/ فاطر: ۶)

”شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے اپنا دشمن جانو۔“

لیکن انسان کا نفس شیطان سے بھی بڑا دشمن ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو شیطان کی زبان سے یوں بیان کیا:

ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر

فعل بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ ابليس کو اس کے نفس نے گراہ کیا۔ قرآن مجید میں ہے جب اللہ نے اس سے پوچھا کہ تو نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے کہا:

﴿أَتَاكُمْ خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتِنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾

(۷/ الاعراف: ۱۲)

”میں انسان سے افضل ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور انسان

کومٹی سے پیدا کیا۔“

دوسری جگہ ہے:

﴿أَلَيْ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَفَرِيْنَ﴾ (۲/ البقرة: ۳۴)

”شیطان کے نفس کی سرکشی یقینی کہ (وہ تکبر میں آگیا اور اللہ کے حکم کا انکار

کیا۔“

جس پر اللہ نے فرمایا:

﴿قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَأَخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الظُّلْمَاءِ﴾ (۱۳/الاعراف)

”اللہ نے فرمایا: تو جنت سے اتر جا۔ تھے یہاں تکہ کرنے کی اجازت نہیں تو جنت سے نکل جا، بے شک تو زیل ورسا ہے۔“

پس ثابت ہوا کہ برائی کے دونوں اندے نفس امارہ اور شیطان انسان کو ہر وقت برائی پر اکامتے رہتے ہیں جب تک ایک بھی انسان دنیا میں رہے گا برائی اور گناہ کے امکانات معدود نہیں ہو سکتے۔

ذیل میں ہم نکتہ وار اسلامی نظام عقوبات کے پس پرده کا فرماتصورات اور نظریات پر بحث کرتے ہیں:

(۱) اصلاح نفس

انسان خطا کا پتلا ہے یہی مفہوم ہے رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث کا کہ ”تمام نبی نوع انسان خطا کا بڑی اور سب سے بہتر خطا کا روہ ہے جو اللہ کے دروازے پر لوٹ آئے“ لہذا انسانی سرشت اور فطرت سے برائی کا ماہد ختم نہیں کیا جا سکتا۔ صورت صرف ایک باقی رہ جاتی ہے کہ مجرم کو معاشرے کا باعزم شہری بنا کر زندہ رہنے کے قابل بنایا جائے۔

اسلامی سزاوں کا نظام مجرم کی اصلاح کرتا ہے لہذا اسلام نے جو سزا کیں دی ہیں ان کا پہلا بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ اس فرد کی اصلاح کی جائے، چور کا ہاتھ کاٹنا ظلم نہیں بلکہ اصلاح نفس کی ایک صورت ہے، ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيهِمَا جَزَاءٌۚ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ اور جو چوری کرے سردوہ بیا گی اور عورت اُن کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ اُن کے افعال کی سزا اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے اور اللہ زبردست اور صاحب حکمت ہے، (۵/المائدہ: ۲۸)۔ رسول اکرم ﷺ نے بنو مخزوم کی

عورت کا جب ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا تو آپ ﷺ کے پاس سفارش کی گئی تھی کہ آپ ﷺ کوئی جرمانہ، تاوان وغیرہ لگا دیں مگر ہمارے قبیلے کی عورت کا ہاتھ نہ کاٹیں۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ((اَيُّمُّ اللَّهُ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةً بَنْتَ مُحَمَّدٍ سَرْقَتْ لَفَطَعْتَ يَدَهَا)) (احمد، نسائی)

پس چور کا ہاتھ کاٹنا کوئی سخت اور انوکھی سزا نہیں اور روس میں چوروں کو قید کی سزا دی جاتی تھی لیکن آخوند کارروائیوں پر یہ بات عیاں ہوئی کہ قید کی سزا سے چوری ختم نہیں ہوئی بلکہ جرم دن بدن بڑھ رہا ہے تو انہوں نے چور کو گولی سے اڑانے کی سزا متعین کی:

”بے شک چور کا ہاتھ کاٹنا کوئی سنگدلائنا یا عجیب و غریب سزا نہیں ہے روس آخوند چوری کی سخت سزا نافذ کرنے پر بجور ہوا، جب اسے یہ علم ہوا کہ چوری کے لئے قید کی سزا چوری کے جرم کے ارتکاب میں کوئی کمی نہیں کر سکی بلکہ اس سے معاشرے میں انتشار و بے راہ برداری کا اضافہ ہوا ہے، لہذا روس کو چوری کے لئے گولی سے اڑانے کی سزا مقرر کرنا پڑی۔“

(صحیفہ الاهرام المصریہ: 14 اگست 1963ء)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدود کے اسی فلسفہ و حکمت کے بارے میں بڑی یقین بات کی: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے شرعی سزاوں کو اپنے بندوں کے لئے باعث رحمت بنایا ہے اور یہ اس کی مخلوق کے لئے اللہ کی طرف سے رحمت و احسان ہیں۔ پس ہر وہ آدمی جو انسانوں کو گناہوں پر سزا دینے کے لئے متعین ہوا ہے چاہیے کہ وہ ان مجرموں کے ساتھ رحمت اور احسان کا اسی طرح قصد کرے جس طرح ایک والد اپنے بیٹے کی سزا کے لئے کرتا ہے اور جس طرح ایک ذاکر اپنے مزیض کا علاج میں کرتا ہے“ (تلک حدود اللہ: ۶)

(۲) اصلاح معاشرہ

اسلامی حدود و تحریریات کا دوسرا نیادی فلسفہ یہ ہے کہ معاشرے کے اندر امن اور استحکام پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو ناقص قتل کرے گا یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدله لیا جائے، یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے تو اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام

لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا..... جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد برپا کرتے پھریں ان کی بھی سزا ہے کہ قتل کردیئے جائیں یا سولی پر چڑھادیئے جائیں یا ان کے آیک ایک طرف کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں، یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب (تیار) ہے (۵/المائدہ: ۳۱، ۳۲)۔ پس معلوم ہوا کہ اسلامی فلاجی مملکت کا تو بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ عوام کے لئے ریاست کو امن کا گھوارہ بنائے اگر مجرم کو سزا نہ دی جائے تو کوئی فلاجی مملکت معرض وجود میں نہیں آ سکتی، معاشرہ جنگل کا معاشرہ ہو گا جس کی لاٹھی اسی کی بھیں کا قانون چلے گا، یہ چرچاڑ کر کھا جانے والے درندوں کی بستی ہو گی، فرد کی سزا اور اصلاح کا مقصد معاشرے کی اصلاح و فلاح ہے، قرآن نے اس حقیقت کو یوں بھی بیان کیا:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ خَيْرٌ يَأْوِلُى الْأُلْبَابِ﴾ (۲/ البقرة: ۱۷۹)

”اے عقل مندو! اقصاص میں ہی تمہاری زندگانی ہے۔“

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: www.KitaboSunnat.com

”زمین پر اگر ایک حد نافذ کر دی جائے تو یہ اہل ارض کے لئے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ انہیں چالیس دن متواتر صح سویری بارش سے سیراب کیا جائے۔“

بارش بستیوں کے لئے خوشحالی کا پیغام لاتی ہے، چالیس دن اگر متواتر صحرائی زمینوں میں بارش ہو تو اس سے کھیتیاں لہلہاٹھیں گی، اجتناس میں برکت ہو گی بستی والوں کے لئے خوشحالی و فارغ البابی بڑھے گی، لیکن رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ”ایک حد کا نافذ کر دینا گویا اس بستی کے لئے اس سے بڑے امن و سکون، خوشحالی، فارغ البابی کا پیغام ہو گا جو کہ چالیس روز کی بارش بھی مہینہ نہیں کر سکتی۔“

اس کی عملی مثال ہم قرون اولی سے پیش نہیں کرتے بلکہ آج کی دنیا میں سعودی عرب کا معاشرہ اس کی بہترین مثال ہے، آج سعودی میں جرائم کا تناسب ساری دنیا سے کم کیوں ہے؟ اپنے آپ کو ترقی یا فتح ممکن کہلانے والے، سب سے زیادہ تعلیم یا فتح تسلیم کروانے

والے کیا یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کے ممالک میں جرائم کا نتالب سعدویہ سے کم ہے؟ سعدوی عرب کے رہنے والے آسمانوں سے نہیں اترے اور نہ وہ فرشتے ہیں اگر آج وہاں جرائم کی تعداد کم ہے، معاشرہ امن و سکون کا گھوارہ ہے، گاڑیاں بغیر لاک کے کھڑی رہتی ہیں، نماز کے اوقات میں دکاندار کھلی دکانیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، ڈاکے اور رہنمی کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہیں تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہاں قرآن و سنت کے مطابق حدود و تعزیرات کا نظام نافذ ہے اس کی برکتیں معاشرے میں دیکھنے والوں کو نظر آتی ہیں۔

پس یہ ہے وہ تجربہ جس سے ثابت ہوا کہ اسلامی شریعت کا نفاذ ہی معاشرے کی حفاظت کا ضامن ہے، آج الگلینڈ، امریکہ اور مصر جیسے ممالک بھی مجبور ہو گئے ہیں کہ توین (ذخیرہ اندوزی) اور تسعیر (قیتوں میں بے جا اضافہ) اور امن عامہ جیسے معاملات پر کوڑوں کی سزا نافذ کریں۔

”یہ بین الاقوامی اعتراض ہے کہ کوڑوں کی سزا ہر دوسری سزا سے زیادہ کارگر ہے اور یہی وہ تنہا سزا جو عموم کو قانون کی اطاعت اور نظام کی حفاظت پر کفایت کرتی ہے اور انسانی خود ساختہ سزا میں کوڑوں کی سزا کے مقابلے میں کوئی وقت نہیں رکھتیں۔ (ص: 227)۔

(۳) جرائم میں کی

اسلامی حدود و تعزیرات کے نفاذ سے جرائم میں ممکنہ حد تک کمی و قلع ہوتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حدود و تعزیرات کے نفاذ سے معاشرے سے جرم کا وجود ختم ہو جائے گا اس لئے کہ جب تک انسان اس زمین پر موجود ہے جرائم ختم نہیں ہو سکتے، رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: کل بنی ادم خطاء و ن” (تمام بنی نوع انسان خطا کار ہیں)۔“ کتنی مقدس فضا کیوں نہ ہو جہاں بھی انسان ہو گا خطا نہیں ہوں گی، جنت جیسی مقدس فضائیں بھی آدم غاییہ میں سے غلطی ہو گئی۔

صحابہ کرام ﷺ سے غلطیاں ہوئیں، انہیں سزا میں بھی ملیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان جہاں بھی ہو گا وہاں ایسے معاملات پیش آئیں گے، لیکن نگرانی کے اس نظام کو

اسلامی تعلیمات

60

سخت کر کے ہم اس کے امکانات کو کم سے کم تر کر سکتے ہیں، اگرچہ ختم نہیں کر سکتے، کسی ملک سے سملنگ ختم نہیں ہو سکتی البتہ سرحدوں پر پھرے بٹھا کر سملنگ کے امکانات کو کم کیا جاسکتا ہے۔

(۲) سزا میں، فطرت کے مطابق

ہم یہ بات لکھ چکے ہیں کہ اللہ نے انسان کی تخلیق کی اور وہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی اصلاح کیسے اور کتنی سزا سے ہو سکتی ہے، لہذا اسلامی حدود و تعزیرات کا نظام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، ایک شادی شدہ مرد و عورت کے لئے جب رجم کی سزا منع ہوئی تو یہ ان کے ساتھ زیادتی نہ تھی بلکہ تحریب اور مشاہدے میں یہی آتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھتا ہے تو غیرت کے مارے دونوں کو قتل کرنے کے درپے ہوتا ہے اور یہی سزا جب اسلام سناتا ہے تو یہ ظالما نہیں اور وہ صرف یہ کہ فطرت کے عین مطابق ہے بلکہ اپنے اندر بہت سے سماجی اور اخلاقی پہلوؤں کی اصلاح کی بھی ضامن ہے۔

یہ سزا میں کم و بیش زمانہ جاہلیت میں قبل میں نافذ کی جاتی تھیں، ان میں سے جو فطرت کے مطابق تھیں، انہیں من و عن نافذ کر دیا گیا اور جو فطرت کے خلاف تھیں، انہیں منسوخ کر دیا گیا۔

ہاتھ کاٹنے کی سزا اور دیت کا نظام زمانہ جاہلیت میں بھی بعض قبل میں رائج تھا۔ اسلام نے اسی کو اختیار کیا۔ ہاتھ کاٹنے کی یہ سزا ایک چور کے لئے نہ تو سخت تھی اور نہ شاذ، بلکہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ روں اور چین جیسے ممالک میں جہاں وجود باری تعالیٰ کا ہی انکار کیا جاتا ہے وہ بھی ان سزاوں کو نافذ کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ (نوابِ وقت، 3 نومبر 1996)

(۵) باعث رحمت و برکت

اسلامی حدود و تعزیرات کا ایک فلسفہ یہ ہے کہ اس نظام کو نافذ کرنے سے اللہ کی رحمت اور برکت اس سرزی میں پر برستی ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ذکر ہوا ہے امام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے حدود و تعزیرات کو اپنے بندوں کے لئے باعث رحمت بنایا ہے اور یہ کائنات کے لئے رحمت اور بندوں پر اس کا احسان ہے، پس جو

آدمی لوگوں کے جرائم پر سزا نافذ کرے اس کو چاہئے کہ وہ آن کے ساتھ رحمت اور ان پر احسان کا قصد کرے جس طرح ایک والد اپنے بیٹے کو سزا دیتا ہے یا جس طرح ایک ڈاکٹر اپنے مریض کا ہمدردی کے ساتھ علاج کرتا ہے۔ (تلک حدود اللہ: ۶)

اسلامی حدود و تعزیریات کا نظام جہاں اللہ کی طرف سے دنیا والوں کے لئے باعث برکت و رحمت ہے وہاں الہ دنیا کے لئے باہمی محبت و اخوت کا ضامن بھی ہے، جتنے جرائم کم ہوں گے اتنا ہی لوگوں کے درمیان شکوئے شکایات کم ہوں گی۔ جذبہ انتقام سرد پڑ جائے گا اور عوام الناس میں یگانگت اور محبت کے جذبات پرورش پائیں گے۔ تہذیب و ثقافت کا معیار بلند ہو گا اور ایک مثالی معاشرہ معرض وجود میں آئے گا۔

(۶) اقتصادی ترقی

معاشرے کا امن و امان دراصل اقتصادی ترقی کا ضامن ہوتا ہے، جن مالک میں قدم قدم پڑا کے پڑتے ہوں، بنک لوٹے جاتے ہوں اور راتوں کو چور لوگوں کی نیندیں حرام کر دیں، قتل و غارت گری کا بازار اگر مرنے ہے تو وہ ملک اقتصادی موت مر جاتے ہیں۔ لہذا اسلامی حدود و تعزیریات کے نفاذ سے ہر ملک کی اقتصادی ترقی بھی وابستہ ہے۔ جہاں اقتصادی ترقی ہو گی وہاں لازماً معاشرتی سکون آئے گا۔ مجرموں کی حوصلہ شکنی ہو گی، مظلوم کی دادرسی ہو گی اور عوام الناس میں قانون شکنی کی ہمت نہیں رہے گی، معاشرتی دشمنیاں، حسد اور کینہ اس قسم کی روحانی بیماریوں سے معاشرہ محفوظ رہے گا۔ غربت و افلات کے سائے ختم ہوں گے اور خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہو گا۔

(۷) النصف کے تقاضے

اسلامی حدود و تعزیریات کا ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ یہ حدود و تعزیریات انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا:

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقُتْلَى» الخ

(۲/ البقرہ: ۱۷۸)

”ایمان والو! (مقتولوں کے بارے میں) تم پر قصاص (خون کے بد لے خون) فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بد لے میں آزاد (قاتل کیا جائے) اور غلام کے بد لے میں غلام اور عورت کے بد لے میں عورت قتل کی جائے، اگر قاتل کو اس کے مقتول بھائی کے قصاص میں سے کچھ معاف کر دیا جائے (تو مقتول کے وارث کو) اچھے طریقے سے (قرارداد کی پیروی یعنی مطالبة خون بہا) کرنا چاہیے اور (قاتل کو خوبی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور ہمیزی ہے، جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لئے دردناک عذاب ہے، دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النُّفُسَ بِالنُّفُسِ وَالْعُيْنَ بِالْعُيْنِ﴾ الخ

(۴۵) / المائدہ

”اور ہم نے ان لوگوں کے لئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بد لے جان، آنکھ کے بد لے آنکھ اور کان کے بد لے کان اور دانت کے بد لے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بد لہ ہے، لیکن جو شخص بد لہ معاف کر دے وہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ ہی بے انصاف ہیں۔“

ان آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کا نظام دیا ہے جسے اگر معاشرے میں نافذ نہیں کیا جائے گا تو انصاف کے تقاضے کسی صورت پورے نہ ہوں گے۔ لہذا لازمی اور ضروری ہے کہ مظلوم اور مجبور طبقوں کی دادرسی، حوصلہ افزائی اور ان کو انتقامی جذبوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ان حدود و تعزیرات کا نفاذ کیا جائے۔

(۸) باعث عبرت

اسلامی حدود و تعزیرات کی ایک حکمت یہ ہی ہے کہ ہزاروں میں باعث عبرت ہوتی ہیں، اسی لئے قرآن و سنت میں انہیں سرعاں نافذ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورہ نور میں ہے:

﴿وَلَيُشَهَّدُ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۲۴/ النور)

”اور اس (جرم زنا) کی سزا کا مشاہدہ موئین کی ایک جماعت کرے۔“
 رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں جتنی بھی سزا میں وی گئیں وہ سب سر عالم مسجد نبوی کے سامنے دی گئیں۔ سیدنا ماعز بن مالک اسلامی ﷺ کو مسجد نبوی کے سامنے رجم کیا گیا۔ غامدیہ ﷺ کو مسجد نبوی کے سامنے رجم کیا گیا۔ مخدومیہ کا ہاتھ مسجد نبوی کے سامنے کاٹا گیا، اس پر کسی نے چوں ذپرا نہ کی لیکن حیرت و افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمارے نام نہاد انشور اور بعض جدید تعلیم یافتہ اور مغرب زدہ لوگ یہ کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے کہ ”سر عالم سزا دینا انسان کی توہین ہے“ تو کیا نعوذ باللہ من ذلک، صحابہ کرام ﷺ انسان نہ تھے؟ وہ تو شرف انسانی کے ایسے مقام مرتبہ پر فائز تھے کہ آج کا بڑے سے بڑا ولی اللہ ان کی خاک پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ دراصل اعتراض کرنے والے حضرات کو سر عالم سزا دینے میں جو مقام عبرت ہے اس کی حکمت بھجنیں آتی۔

ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر آج ہماری حکومت اسلامی حدود و تعریفات کو نافذ نہ بھی کرے مگر انگریز کے قانون کے مطابق جو پھانسی کی سزا میں جیلوں میں چھپ کر دی جاتی ہیں انہیں اگر آج سر عالم نافذ کرنا شروع کر دیں تو یقیناً معاشرے سے جرائم کی تعداد میں کمی ہوگی، ہم صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

جزل ضایاء الحق مرحوم کے دور میں لاہور کے پوکیس میں تین مجرموں کو جیل روڈ پر سر عالم پھانسی دی گئی تھی لوگوں کا ایک جم غیر مجمع تھا، پھانسی کا منظر دیکھنے کے بعد لوگ تو بہ تو بہ کرتے اور کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے گھروں کو رخصت ہو رہے تھے۔ اس دن کے بعد پاکستان کے چھینوں کے اخبارات اخفا کر دیکھیں ان میں آپ کو نہیاں کم دھانی دے گی لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب اسلام اپنی صحیح صورت میں نافذ ہونے والا ہے لیکن جب ان کو پتہ چلا کہ اسلام کا نافذ نہیں ہوا تو معاشرے میں جرائم پھر سے پہلے کی طرح شروع ہو گئے۔

سعودی عرب میں قرآن و سنت کے احکام کے میں مطابق آج بھی سزا میں بیت اللہ کے سامنے، مسجد نبوی کے سامنے اور ہر شہر میں جامع مسجد کے سامنے نافذ کی جاتی ہیں جس کی وجہ سے لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں مجرموں کے خلاف اپنی نفرت کا انکھیار

کرتے ہیں۔ انسانی نظرت میں بعض اوقات جرم پل اور بڑھ رہا ہوتا ہے لیکن انسان نے اس پر عمل نہیں کیا ہوتا۔ سزا کے مشاہدے سے ایسے مجرم ضمیر خود بخود اپنی اصلاح کرتے ہیں اور جرم سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے ہیں۔

(۹) آخرت کے عذاب سے چھٹکارا

اسلامی حدود و تحریرات کا سب سے بڑا عجائز یہ ہے کہ جس آدمی کو اس جہاں میں اسلامی شریعت کے مطابق سزا مل جائے تو آخرت میں اللہ کی طرف سے اسے کوئی سزا نہیں دی جاتی گویا وہ آدمی پاک و صاف ہو کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ جب سیدہ عائدہ یہ ﷺ کو رحم کیا گیا تو رسول اکرم ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھانے کی تیاری کی۔ سیدنا عمر بن الخطاب نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کی ”اتصل علی الزانیة“ (کیا آپ زانیہ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے؟) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”امے عمر بن الخطاب تم نہیں جانتے ”لقد تابت توبہ لو قسمت علی هذه القرية لكتتها“ (اس عورت نے اتنی سچی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ کو اس سمتی (مدینہ) کے سب گناہ گاروں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے)۔“

اس سے ثابت ہوا کہ عائدہ یہ ﷺ سزا ملنے کے بعد گناہوں سے پاک و صاف ہو گئی۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((النائب من الذنب كمن لا ذنب له))

”(گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔“

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ تھی کہ صحابہ کرام ﷺ کے خلاف ارتکاب گناہ کی کوئی ایک شہادت موجود نہ تھی پھر بھی یہ خود آتے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے جرم کا اقرار و اعتراف کرتے تھے؟ دراصل ان صحابہ کرام ﷺ کو یہ علم تھا کہ اگر انہیں دنیا میں سزا ملی تو آخرت کی سزا بہت سخت ہو گی۔ مخالفین نے جب غزوہ توبک پر اس بہانے نکلنے سے انکار کیا کہ گرمی بہت شدید ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وارنگ دی:

﴿فُلُّ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ﴾ (۹/ التوبۃ: ۸۱)

(اے رسول اکرم ﷺ) آپ کہہ دیجئے جہنم کی آگ (عرب کی چلچلاتی دھوپ سے) بہت زیادہ سخت ہے۔ اے کاش وہ اس حقیقت کو سمجھ لیتے۔“
یہ تھا وہ خوف جس کی بنابری صاحبہ کرام ﷺ خود اپنے جرم کا اقرار و اعتراض کرتے، اپنے گناہوں پر نادم ہوتے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: التوبۃ الندم۔“
کہ ”التوبۃ کی حقیقت اپنے گناہوں پر چچے دل سے نادم ہونا ہے۔“
تو ان صحابہ کرام ﷺ نے پچی توپ کی اور اپنے جرم کے اقرار و اعتراض سے دنیاوی سزا قبول کر لیا اور آختر کے عذاب سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔

ضمیر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی آدمی کا جرم قانون سے پوشیدہ رہتا ہے تو اس کی سزا کا معاملہ کیا ہو گا؟ اس سلسلے میں قرآن و سنت ہماری رہنمائی کرتے ہیں اگر ایسا آدمی بغیر توبہ کے دنیا سے چلا جائے تو اسے اپنے ہر جرم کی سزا آختر میں ملے گی لیکن اس نے پچی اور پچی توپ کی ہوتے شک اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر اللہ اس کو معاف کر دیں تو اس کو آختر میں کوئی سزا نہ ملے گی۔

ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی حدود و تعزیرات کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:
”کسی محبت کے مارے عاشق کو اگر اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ اپنے محبوب کو دیکھتا ہے اور گفتگو کرتا رہے تو اس سے اس کے مرض کو فاقد نہیں ہو گا بلکہ اس کا مرض بڑھے گا لہذا وہ فرماتے ہیں: اسلامی حدود و تعزیرات کڑوی دوائی کی مانند ہے جو ایسے اخلاقی مريضوں کا علاج کرتی ہیں۔“

”اور مريض جب وہ چیز مانگے جو اسے ضرر پہنچائے یا کڑوی دوا کھانے سے واویا کرے تو اگر ہم اس پر نرمی کرتے ہوئے اس کو دوائی نہ پلائیں تو ہم اس کی تکلیف کے بڑھانے اور اس کی ہلاکت کا سبب نہیں گے اور وہ ہلاک ہو جائے گا۔ یہی حالت ایک گناہ گار اور عاشق کی ہے کہ وہ مريض ہوتا ہے اس کے ساتھ نرمی اور رحمت نہیں ہے کہ ہم اس کو ہر وہ چیز مہیا کریں جس

کی وہ خواہش کرے اور اس طرح اس کی مدد کریں اور نہ یہ کہ اسے ان عبادات کے ترک کرنے کی طرف مائل کریں جو اسے فائدہ دے بے کراس کے مرض کو زائل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے غفرانیا: ”بے شک نماز بے حیاتی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔“

سورة النور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْأَنْزَلْنَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَتْ بَيْتَ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ^۱
 الْأَرَانِيَةُ وَالْأَرَانِيَ فَاجْلِدُوا كُلَّنَا وَاحِدٍ فَنَهُمَا مائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا
 تَأْخُذُكُمْ بِهِمَا رَأْفَةً فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْبَوْرِ
 الْأَخْرِيِّ وَلَا يَشَهَدُ عَذَابَهُمَا طَالِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ^۲ الْأَرَانِيَ لَا يَنْكِرُ الْأَرَانِيَةُ أَوْ مُشْرِكَةُ وَالْأَرَانِيَةُ لَا يَنْكِرُهَا إِلَّا زَانَ أَوْ مُشْرِكٌ وَحْرَمَ
 ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ^۳ وَالَّذِينَ يَرْمَوْنَ الْمُحْسَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا
 بِأَرْبَعَةَ شَهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَنِنَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبِلُوا لَهُمْ شَهَادَةً
 أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَسِقُونَ^۴ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ
 وَاصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^۵ وَالَّذِينَ يَرْمَوْنَ أَرْوَاحَهُمْ وَلَمْ
 يَكُنْ لَّهُمْ شَهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعَ شَهَادَتِ
 بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ^۶ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ
 مِنَ الظَّالِمِينَ^۷ وَيَدْرُوْ عَنْهَا العَذَابَ أَنْ تَشَهَّدَ أَرْبَعَ شَهَادَتِ بِاللَّهِ
 إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ^۸ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ
 الصَّادِقِينَ^۹ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَكَّلْ
 حَكِيمٌ^{۱۰} إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوْ بِالْأَفْوَى عُصَبَةٌ قِنْطَمْ لَا تَحْسُسُوهُ شَرًا
 لَكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ لِكُلِّ امْرٍ فَنَهُمْ مَا الْقَسَّ مِنَ الْأَنْوَارِ
 وَالَّذِي تَوَلِّ كَبِيرَةً وَنَهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ^{۱۱} لَوْلَا إِذْ سَعَمْتُمْ ظَنَّ
 الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ^{۱۲} لَوْلَا
 جَاءَوْ عَلَيْهِ يَأْرِبَعَةَ شَهَدَاءَ فَإِذَا لَمْ يَأْتُوا بِالْشَّهَدَاءِ فَأُولَئِكَ عِنْدَ
 اللَّهِ هُمُ الظَّالِمِينَ^{۱۳} وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا

وَالْآخِرَةَ لَمْ سُكُمْ فِيمَا أَفْضَلْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ
 يَا سَيِّدَنَا وَرَبِّنَا وَنَعْلَمُ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسُبُونَهُ
 هَيْسَأَنَّ وَهُوَ عَذَابُ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝ وَكُلُّا إِذْ سَعَمْتُمْ قُلْتُمْ مَا يَأْتُونَ لَنَا أَنَّ
 شَكَلْتُمْ بِهِذَا أَنْ سُبْحَنَكَ هَذَا يَهْتَانُ عَظِيمٌ ۝ يَعْظُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا
 لِغُلْمَهْ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَيَبْيَسُ اللَّهُ لَكُمُ الْأَيْتُ ۝ وَاللَّهُ عَلَيْهِ
 حَكِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُجْهُونَ أَنْ تَشْيِعَ الْفَاجِهَةُ فِي الَّذِينَ أَمْنَوْا لَهُمْ
 عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۝ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنَّهُ لَا تَعْلَمُونَ ۝
 وَكُلُّا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَكُلُّا اللَّهُ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا
 الَّذِينَ أَمْنَوْا لَا تَتَنَعَّوْا خُطُوبَ الشَّيْطَنِ ۝ وَمَنْ يَتَنَعَّمْ خُطُوبَ
 الشَّيْطَنِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۝ وَكُلُّا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
 وَرَحْمَتُهُ مَا رَأَيْتُمْ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا ۝ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُرِيدُ مِنْ
 يَشَاءُ مِنَ اللَّهِ سَيِّعَهُ عَلَيْهِمْ ۝ وَلَا يَأْتِي أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالشَّعَةُ أَنْ
 يَوْمَئِنُوا أُولَى الْقُرُولِ وَالسَّكِينَ وَالْمَهْجُورِينَ فِي سَيِّلِ اللَّهِ ۝ وَلَيَعْقُلُوا
 وَلَيَصْفُعوا ۝ أَكَلُ شَجَّابُونَ أَنْ يَعْقِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۝ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝
 إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْسَنَاتِ الْعَفْلَتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعْنَوْا فِي الدُّنْيَا
 وَالْآخِرَةِ ۝ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَشَهَّدُ عَلَيْهِمُ الْأَسْتَهْمُ
 وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ يَوْمَئِنُ يُوَقِّيْهُمُ اللَّهُ دِينُهُمْ
 الْحَقُّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْبَيِّنُ ۝ أَخْيَشُ لِلْخَيْشِينَ
 وَالْخَيْشُونَ لِلْخَيْشِتِ ۝ وَالظَّبِيبُ لِلظَّبِيبِنَ وَالظَّبِيبُونَ لِلظَّبِيبِتِ ۝
 أُولَئِكَ مُبَرِّعُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۝ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا
 الَّذِينَ أَمْنَوْا لَا تَدْخُلُوا يَوْمًا غَيْرَ يُعْتَكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتَسْلِمُوا
 عَلَىٰ أَهْلِهَا ۝ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَمْتُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَجْدُوا
 فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۝ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ أَرْجِعوا

فَارْجِعُوْهُ اَرْبَلِ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَعْمَلُوْنَ عَلَيْهِمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
 جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بَيْوَنَةً غَيْرَ مَسْكُونَةً فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
 مَا تَبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُبُوْنَ ۝ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغْصُوْنَا مِنْ اَبْصَارِهِمْ
 وَيَحْفَظُوْنَا فِرْوَاجَهُمْ ۝ ذَلِكَ اَرْبَلِ لَهُمْ اِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝
 وَقُلْ لِلْمُؤْمِنِتِ يَغْصُبُنَا مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظُنَا فِرْوَاجَهُنَّ وَلَا
 يُدْرِيْنَ زِيَّتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَيَضْرِبُنَّ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جِيَوْبِهِنَّ سَ
 وَلَا يُدْرِيْنَ زِيَّتَهُنَّ اِلَّا لِيَعْوَتِهِنَّ اَوْ اَبْرَاهِيْنَ اَوْ اَبَاءَ بَعْوَاتِهِنَّ اَوْ
 اَبْنَاءِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءَ بَعْوَاتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِي اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِي
 اَخْوَانِهِنَّ اَوْ نِسَاءِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكُتْ اِيمَانَهُنَّ اَوْ الْتِيْعَنَ غَيْرَ اُولِي
 الْأَرْيَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهِرُوْا عَلَى عَوْنَتِ
 التِّسَاعِ ۝ وَلَا يَضْرِبُنَّ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيَعْلَمَ مَا يُحْكِيْنَ مِنْ زِيَّتَهُنَّ سَ
 وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَيْعَانًا اَتَيْهُ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تَلْعَبُوْنَ ۝ وَأَنْجُوْا
 الْأَيَامِ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَامِكُمْ اِنْ يَكُوْنُوْا فَقَرَاءَ
 يُغْهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۝ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِمْ ۝ وَلَيَسْتَعْفِفَ الَّذِيْنَ لَا
 يَحْدُدوْنَ بِنَكَاحٍ حَتَّى يُغْهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۝ وَالَّذِيْنَ يَتَعَجَّبُوْنَ
 الْكِتَابَ مِنْ مَالَتْ اِيمَانَكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا
 وَأَنْتُوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي اَشْكَمْ ۝ وَلَا تُنْهِرُهُوْا فَتَبَيَّنُوْهُمْ عَلَى الْيَقَانِ
 اِنْ اَرَدْنَ عَصَمَا لِتَمْتَعُوْا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۝ وَمَنْ يُلْدِرُ هُنَّ فَإِنَّ
 اللَّهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَنُوْرٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ اِنْتِ
 مُبَشِّرٍ وَمَشَّالًا مِنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَمِيلَكُمْ وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَقَيِّنِ ۝
 اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوْةٍ فِيهَا مَضَائِطٍ
 الْيَصْبَارُ فِي رُجَاحَةٍ الْرُّجَاحَةُ كَأَنَّهَا تُوكَبُ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ
 مَهْرَكَةٌ زَيْتُونَةٌ لَا شَرْقِيَّةٌ وَلَا غَرْبِيَّةٌ يُكَادُ زَيْتُهَا يُبْخَىٰ ۝ وَلَوْ لَمْ

تَمِسْكَةٌ نَارٌ طُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ نُورُهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَضِيرُ اللَّهُ
الْأَمْمَالَ لِلنَّاسِ طَوَّلَ اللَّهُ يُكْلِّ شَيْءٍ عَلَيْهِمْ فِي بَيْوَتٍ أَذَنَ اللَّهُ أَن
تُرْفَعَ وَيَذْكُرُ فِيهَا اسْمَهُ لَا يُسْتَعِمُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْأَصَابِلِ رِجَالٌ
لَا تُلْهِيهُمْ تِجَارَةً وَلَا يَبْعَثُ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَاقْبَامُ الصَّلَاةِ وَإِيمَانُ الرِّكْوَةِ
يَحْكَمُونَ يَوْمًا تَقْلِبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ لِحِيَّهُمُ اللَّهُ
أَحْسَنَ مَا عَيْلُوا وَلَيَزِدَ هُمْ مِنْ فَضْلِهِ طَوَّلَ اللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَابٌ بِقِيَّةٍ يَحْسِبُهُ الظَّمَانُ
مَاءٌ طَحَقَ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ قَوْلُهُ
حِسَابٌ طَوَّلَ اللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ طَوَّلَ الْمُؤْمِنُونَ فَوْقَهُ
مَوْجَعٌ مِنْ فَوْقَهُ مَوْجَعٌ مِنْ فَوْقَهِ سَحَابٍ طَلَبَتْ بَعْضُهَا فَوْقَهُ
بَعْضٌ طَوَّلَ أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكُنْ يَرَهَا طَوَّلَ اللَّهُ لَهُ
نُورًا فِي الْأَكَلَةِ مِنْ نُورٍ

سورۃ النور کا ترجمہ

شروع اللہ کا نام لے کر جو براہم بریان نہایت حرم والا ہے۔

"یہ (ایک) سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا اور اس (کے) احکام کو فرض کر دیا اور اس میں واضح الطالب آئیں نازل کیں تاکہ تم یاد رکھو (۱)۔ بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سوڑتے مارو اور اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کی شریعت (کے حکم) میں تمہیں ان پر ہر گز ترس نہ آئے۔ اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو (۲)۔ بدکار مرد تو بدکار یا مشرک عورت کے سوانح نہیں کرتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا اور یہ (یعنی بدکار عورت سے نکاح کرنا) موسنوں پر حرام ہے (۳)۔ اور جو لوگ پر ہیز گار عورتوں کو بدکاری کا عیب

لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان (میں سے ہر ایک) کو اسی دُڑے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بد کردار ہیں (۳)۔ ہاں جو اس کے بعد تو بہ کر لیں اور (انپی حالت) سنوار لیں تو اللہ (بھی) بخشنے والا ہم بران ہے (۵)۔ اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بد کاری کی تہمت لگائیں، اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک وہ سچا ہے (۶)۔ اور پانچوں (بار) یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت (۷)۔ اور عورت سے سزا کو یہ بات مال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے (۸) اور پانچوں (دفعہ) یوں (کہے) کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب (نازل ہو) (۹) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی ہمراہی نہ ہوتی (تو بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتیں مگر وہ صاحب کرم عظیم ہے) اور یہ کہ اللہ تو بہ قبول کرنے والا اور حکیم ہے (۱۰)۔ جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک جماعت ہے۔ اس کو اپنے حق میں بُرانہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لئے اچھا ہے۔ ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اس کے لئے آتنا بمال ہے۔ اور جس نے ان میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہو گا (۱۱)۔ جب تم نے وہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور (کیوں نہ) کہا کہ یہ صریح طوفان ہے (۱۲)۔ یہ (افتر اپرداز) اپنی بات (کی تصدیق) کے (لئے) چار گواہ کیوں نہ لائے۔ توجب یہ گواہ نہیں لاسکے تو اللہ کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں (۱۳)۔ اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس شغل میں تم منہک تھے اس کی وجہ سے تم پر بڑا (اخت) عذاب نازل ہوتا (۱۴)۔ جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرا سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تم کو کچھ بھی علم نہ تھا اور تم اسے ایک ہلکی بات سمجھتے تھے۔ اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی (بھاری) بات تھی (۱۵)۔ اور جب تم نے اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں شایاں نہیں کیا یہی بات زبان پر لا گئیں۔ (پروردگار) تو پاک ہے یہ تو (بہت) بڑا بہتان ہے (۱۶)۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر مومِ بہت بھی کام نہ کرنا (۱۷)۔ اور اللہ تمہارے (سمجھانے کے)

لئے اپنی آئین کھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ جانتے والا اور حکمت والا ہے (۱۸)۔ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مونموں میں بے حیائی (یعنی تہمت بدکاری کی خبر) پہلی آن کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۱۹)۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو کیا کچھ نہ ہوتا مگر وہ کریم ہے) اور یہ کہ اللہ نہایت مہربان اور حیم ہے (۲۰)۔ مونموں! شیطان کے قدموں پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو شیطان تو بے حیائی (کی باقی) اور بُرے کام ہی بتائے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو ایک شخص بھی تم میں پاک نہ ہو سکتا مگر اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سنتے والا (اور) جانتے والا ہے (۲۱)۔ اور جو لوگ تم میں صاحبِ فضل (اور) صاحبِ وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ پات نہیں دیں گے۔ ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگز رکریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو بخش دے؟ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے (۲۲)۔ جو لوگ پر ہیز گار اور بُرے کاموں سے بے خبر اور ایماندار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت (دونوں) میں لعنت ہے اور ان کو سخت عذاب ہوگا (۲۳)۔ (یعنی قیامت کے روز) جس دن ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں سب ان کے کاموں کی گواہی دیں گے (۲۴)۔ اس دن اللہ ان کو (ان کے اعمال کا) پورا پورا اور نحیک بدلادے گا اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ برحق (اور حق کو) ظاہر کرنے والا ہے (۲۵)۔ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔ (پاک لوگ) ان (بدگویوں) کی باتوں سے بُری ہیں (اور) ان کے لئے بخشش اور نیک روزی ہے (۲۶)۔ مونموں! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے اور ان کو مسلمان کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور ہم یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ (شاید تم یاد رکھو) (۲۷)۔ اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تم کو اجازت نہ دے دی جائے اس میں مت داخل ہو۔ اور اگر (یہ) کہا

جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو۔ یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ سب جانتا ہے (۲۸)۔ (ہاں) اگر تم کسی ایسے مکان میں جاؤ جس میں کوئی نہ بستا ہو اور اس میں تمہارا اسباب (رکھا) ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے (۲۹)۔ مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں پنجی رکھا کریں اور اپنی شرماگا ہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے (۳۰)۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں پنجی رکھا کریں اور اپنی شرماگا ہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اور ہنپیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھانجیوں اور اپنی (یہ قسم کی) عورتوں اور لوٹدی غلاموں کے سوانیز اُن خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت اور سنگار کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ اور اپنے پاؤں (ایسے طور پر زمین پر) نہ ماریں کہ (جنکار کانوں میں پنجھے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنوں اسے اللہ کے آگے تو پہ کروتا کہ فلاح پاؤ (۳۱)۔ اور اپنی قوم کی یہو عورتوں کے نکاح کر دیا کرو۔ اور اپنے غلاموں اور لوٹدیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ (آن کو اپنے فضل سے خوشحال کرے گا۔ اور اللہ (بہت) وسعت والا اور (سب کچھ) جانے والا ہے (۳۲)۔ اور جن کو یہاں کامقدور نہ ہو وہ پاک نداہنی کو اختیار کئے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اور جو غلام تم سے مکاتبت کئے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اور جو غلام تم سے جو مال تم کو چاہیں اگر تم ان میں (صلاحتیت اور) نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت کرلو اور اللہ نے جو مال تم کو بخشتا ہے اُس میں سے ان کو بھی دو۔ اور اپنی لوٹدیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے بد کاری پر مجبور نہ کرنا اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بیچاریوں) کے مجبور کئے جانے کے بعد اللہ بخششے والا مہربان ہے

(۳۳) اور ہم نے تمہاری طرف روشن آئیں نازل کی ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گزر رچکے ہیں ان کی خبریں اور پرہیز گاروں کے لئے نصیحت (۳۴) خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے۔ اور چراغ ایک قندیل میں ہے۔ اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موٹی کا ساچکتا ہوا تارا ہے۔ اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلا جاتا ہے (یعنی) زیتون کرنہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اُسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے (بڑی) روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے) خدا اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اور خدا (جو) مثالیں بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کے (سمحانے کے) لئے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے (۳۵) (وہ قندیل) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور دہاں خدا کے نام کا ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح و شام اس کی شیع کرتے رہیں (۳۶) (یعنی) ایسے لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سو داگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں (۳۷) تاکہ خدا ان کو ان کے گملوں کا بہت اچھا بدلادے۔ اور اپنے نفل سے زیادہ بھی عطا کرے۔ اور خدا جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے (۳۸) اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا سے پانی سمجھے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔ اور خدا ہی کو اپنے پاس دیکھتے تو وہ اُسے اُس کا حساب پورا پورا چکا دے اور خدا جلد حساب کرنے والا ہے (۳۹) یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عین میں اندر ہیرے جس پر لہر چڑھی چلی آتی ہو اور اُس کے اوپر اوز لہر (آرہی ہو اور) اُس کے اوپر بادل ہو غرض اندر ہیرے ہی اندر ہیرے ہوں۔ ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے۔ اور جس کو خداروشنی نہ دے اُس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی) (۴۰)۔“

مضامین کا تعارف

وہجہ تسمیہ: سورہ نور میں فرمایا: ﴿اللَّهُ نُورٌ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

ترجمہ: "اللَّهُ آسَانُوں اور زمین کا نور ہے۔"

یہ سورۃ غزوہ بنی مصطلق کے بعد (6ھ) میں نازل ہوئی۔

مضامین کا خلاصہ: سورۃ کی ایتماء میں فرمایا: سورۃ انزلنہا وفرضنہا، یہ ایک سورۃ جس کو ہم نے نازل کیا اور اس کے احکامات کو فرض کیا ہے، لہذا ان احکامات کو مانتا اور عمل کرنا ہر مومن کے لئے لازم ہے کہ زنا اور تہمت زنا سے معاشرے کو پاک کرنے کے لئے احکام: الرَّزَانِيَّةُ وَالزَّانِيَّةُ فَاجْلِدُوا زَانِي اور زانیہ کی سزا، سوسوڑتے مارو اور اگر شادی شدہ ہے تو رحم کرو۔ رحم کا حکم آپ ﷺ سے تو اتر کے ساتھ ثابت ہے۔ الْزَانِي لَا يَنْكِحُ إلَّا زَانِيَّةً أَوْ مُشْرِكَةً اور بد کار مردوں اور عورتوں کی اخلاقی پستی کا ذکر ایسے لوگوں کے ساتھ رشتہ منا کھٹ سے اہل ایمان کو روک دیا گیا۔ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے والوں کی سزا (80 کوڑے)۔ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ اپنی بیویوں پر تہمت لگانے والوں کا حکم، جن کے پاس اپنے علاوہ کوئی گواہ نہ ہو۔ "لعان"۔ اس سوت میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہؓؑ کی اس جھوٹی تہمت سے براءت و طہارت کا اعلان فرمایا ہے جو منافقین نے آپ ﷺ کی عزت کو داندار کرنے کے لئے اپنے پاس سے گھڑ کر اڑا دی تھی۔

"إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْأَفْكَرِ" سے لے کر "وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ" تک تہمت لگانے والوں، تہمت میں معمولی حصہ لینے والوں اور تہمت کی بات سن کر اس پر خاموش رہنے اور اس کی تردید نہ کرنے والوں کے لئے وعدہ ہے۔ یہ کہ ان منافقین کے لئے تنبیہ ہے جنہوں نے یہ تہمت لگائی تھی۔ عبد اللہ بن أبي نے یہ شوشه چھوڑ کر بیک وقت کی شکار کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف اس نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عزت پر ہملہ کیا۔ دوسری طرف اس نے اسلامی تحریک کے بلند ترین اخلاقی وقار کو گرانے کی کوشش کی۔ تیسرا طرف اس نے یہ ایک ایسی چنگاری چھینکی تھی کہ اگر اسلام اپنے پیروؤں

کی کایا نہ پلٹ چکا ہوتا تو مہاجرین اور انصار، اور خود انصار کے بھی دونوں قبیلے آپس میں لڑ مرتے۔ (تفہیم ج ۳ ص ۲۱۶)

انَّ اللَّهَ الَّذِينَ يُحِبُّونَ انْ تُشَيَّعَ الْفَاحِشَةُ يَهُوَ هُنَّ الَّذِينَ لَنَّهُمْ دُرْدَنَكَ عَذَابَ كَيْ خَبَرَهُ۔ پھر جب واقعہ افک سے مدینے کے معاشرے میں ایک بالچل برپا ہوئی تو یہ سورۃ نور اخلاق، معاشرت اور قانون کے ایسے احکام وہدیات کے ساتھ نازل فرمائی گئی جن کا مقصد یہ تھا کہ اول تو مسلم معاشرے کو راستوں کی پیداوار اور ان کے پھیلاؤ سے محفوظ رکھا جائے اور اگر وہ پیدا ہوئی جائیں تو پھر ان کا پورا پورا مدارک کیا جائے۔ «وَلَا يَأْتِي اولُوا الْفَضْلِ» جو سادہ لوح مسلمان تہمت میں ملوث ہو گئے توبہ کے بعد ان سے حسن سلوک چاری رکھنے کی ترغیب "ان الذین یرمون - تا - هو الحق المبين" پہلے گروہ کے لئے تنویف اخروی کے بعد الخبیث للخبیثین میں برے اور اچھے لوگوں کا کردار اور ان کی عادات کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد معاشرے کی اصلاح و تطہیر کے لئے کچھ اور ضابطے بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَذَلَّلُوا" جب کسی دوسرے آدمی کے گھر میں داخل ہونا چاہو تو پہلے اجازت لے لو، بلا اجازت کسی کے گھر میں مت داخل ہونا۔ "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" البتہ جو گھر رہائشی نہ ہوں بلکہ عوای کاروبار کے لئے ہوں مثلاً سرا میں، دکانیں اور طعام خانے وغیرہ ممکنی ہیں۔

۲۔ "وَقُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغْضُضُوا مِنْ آبَصَارِهِمْ" ایمان والے اپنی نظریں پیچی کر کے چلا کریں تا کہ غیر محروم عورتوں کے چہروں اور ان کی زینت کو دیکھنے سے ان کی نظریں محفوظ رہیں۔

۳۔ "وَقُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغْضُضُ مِنْ مِنْ آبَصَارِهِنَّ" اس میں ایمان والی عورتوں کو بڑایات دی گئی ہیں، اپنی نگاہیں پیچی رکھیں اور اپنی شرمگا ہوں کی حفاظت کریں۔

۴۔ چوتھا قانون "وَانْكَحُوا الْأَيَامِيَّ مِنْكُمْ" بیوہ عورتوں، علاموں اور باندیوں کو نکاح سے مت روکو۔

۵۔ ”وَالَّذِينَ يَتَّسِعُونَ الْكِتَاب“ تمارے جو غلام اور باندیاں آزادی کا معاہدہ کرنا چاہیں اگر تم اس میں بہتر سمجھو تو ان سے مکاتب کرو۔

۶۔ وَلَا تُكْرِهُوْا فِي الدِّيَنِ۔ اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔ زنا: (آیت ۲) زنا کی سزا سے متعلق پہلا حکم سورۃ نساء کی آیت نمبر ۱۵ اور ۱۶ میں نازل ہوا تھا۔ جن کا ترجمہ یہ ہے ”تم میں سے جو عورتیں بدکاری کی مرتبک ہوں، ان پر چار مردوں کی گواہی لاوے، پھر اگر وہ چاروں گواہی دے دیں تو تم ایسی عورتوں کو گھروں میں بندر کھوتا آنکہ وہ مرجا میں یا پھر اللہ تعالیٰ ان کے لئے دوسرا رہ مقمر رکر دے اور پھر جو دو مردم میں سے اسی جرم کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو ایذا دو (۱۵، ۱۶)

ان آیات سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے ابتدائی سزا ان کو ایذا پہنچانا تھا جس میں لعنت ملامت اور مار پیٹ سب کچھ شامل ہے۔ البته عورتوں کے لئے یہ اضافی سزا تھی کہ تازیست انہیں گھر میں نظر بند رکھا جائے۔

۲۔ ایسی سزا کا حکم عارضی اور تاتھکم ثانی ہے۔

۳۔ یہ سزا حکومت سے نہیں بلکہ معاشرہ سے تعلق رکھتی تھی۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۳۲ میں فرمایا:

”اوْرَزْنَاكَ بِهِيْ بِهِيْ پَاسْ نَهْ جَانَا كَوَهْ بَهْ حِيَانَى اوْرَرْ اَرَاسْتَهْ بَهْ“

یعنی حکم کے مخاطب افراد اور معاشرہ بحیثیت مجموعی شامل ہیں۔ افراد زنا سے بچنے کے علاوہ محركاتی زنا سے بھی دور رہیں اور معاشرہ اس کا سد باب کرے۔

۶۔ ہجری میں واقعہ افک پیش آیا جس کے نتیجہ میں ۲۵ کے آخر میں سورۃ نور میں یہ سزا مقرر کی گئی اور اس کو فوجداری جرم قرار دیا گیا۔ اس آیت میں زنا کی جو سزا مقرر کی گئی ہے صرف کنوارے زانی کے لئے ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور اس کی دلیل اس سے اگلی آیت ہے جو یوں ہے: ”زانی نکاح نہ کرے مگر زانی یا یا مشرکہ عورت کے ساتھ اور زانیہ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک مرد کے ساتھ اور مومنوں پر یہ چیز حرام کر دی گئی ہے“ (۳:۲۲)

آیت رجم اور سیدنا عمر بن الخطبؓ کا خطبہ: سیدنا عمر بن الخطبؓ نے اپنی خلافت کے آخری آیام میں مسجد نبوی میں جمعہ کے دن مسلمانوں کے ایک کثیر مجمع کے سامنے خطبہ کے دوران فرمایا: ”اس کتاب اللہ میں رجم کی بھی آیت موجود تھی جسے ہم نے پڑھا، یاد کیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی رجم ہوا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ مجھہ ذر ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد کوئی یہ کہنے لگا کہ ہم رجم کے حکم کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کے اس فریضہ کو جسے اللہ نے اپنی کتاب میں اتنا جھوڑ کر مر جائیں۔ کتاب اللہ میں رجم کا حکم بحق ہے اس پر جوزنا کرے اور شادی شدہ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ جبکہ اس کے زنا پر کوئی شرعی ثبوت یا حمل موجود ہو۔“

(بخاری، کتاب المحاربين، باب رجم العجلی من الزنا اذا احصنت)

سیدنا عباد بن صامت ؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے (شرع کی باتیں) سیکھ لو۔ اللہ نے (زانی) عورتوں کے لئے ایک راہ نکالی۔ جب کتوار امرد، کتواری عورت سے زنا کرے تو سوکوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اگر شوہزادیہ عورت، زن دیدہ مرد سے زنا کرے تو سوکوڑے اور رجم ہے۔

(مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنا)

ماعز بن مالک اسلامی کے رجم کا واقعہ بخاری میں کئی ابواب کے تحت مذکور ہے: سیدنا ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص (ماعز بن مالک اسلامی ؓ) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس وقت آپ ﷺ مسجد میں تھے۔ اس نے آپ کو آواز دی اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ یہاں تک کہ اس نے چار مرتبہ بھی الفاظ کہے۔ جب آپ نے چار مرتبہ اپنے خلاف گواہی دی۔ تو آپ ﷺ نے اسے اپنے پاس بلا کر پوچھا: کیا تو مجنون تو نہیں؟ وہ کہنے لگا۔ ”نہیں“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تیری شادی ہو چکی ہے؟ اس نے کہا: ”جی ہاں“ پھر آپ ﷺ نے صحابہؓ میںؓ

سے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور رجم کرو۔ پھر ہم لوگوں نے اس کو عید گاہ میں لے جا کر رجم کیا۔ جب اسے پھر پڑے تو بھاگ کھڑا ہوا۔ ہم نے اسے مدینہ کے پتھریلے میدان میں جا پکڑا اور اسے رجم کر دا۔ بعد میں اس واقعہ کی اطلاع آپ کو دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب وہ بھاگ کھڑا ہوا تھا تو تم نے اسے چھوڑ دیا ہوتا۔

(بخاری، کتاب المحاربين، باب رجم المحسن)

عسیف یا مزدور لڑکے کے مقدمہ کی پیشی کے وقت ابو ہریزہ رض خود وہاں موجود تھا اور فرماتے ہیں کہ کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری، کتاب المحاربين، باب اعتراض الزنا) اور اس واقعہ میں اس مزدور کی مالکہ کو رجم کیا گیا۔ یہودی اور یہودن کے رجم کے وقت سیدنا عبداللہ بن ابی الحارث وہاں موجود تھے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ان دونوں کو رجم کیا جب کہ آپ اپنے دادا کے ساتھ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

(فتح الباری، باب احکام اهل الذمہ ج ۱۲ ص ۱۴۴)

سیدنا بریڈہ رض فرماتے ہیں کہ قبیلہ غامدیہ کی ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے زنا کی ہے۔ مجھے پاک کیجئے۔ آپ ﷺ نے اس کا بچہ ایک مسلمان کے حوالے کیا۔ پھر اس کے متعلق حکم دیا کہ اس کے سینے نک گڑھا کھو دا جائے اور لوگوں کو اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔

(مسلم، کتاب الحدود، تيسیر القرآن ج ۳)

قذف: (آیات ۵، ۶) کسی پر تہمت لگانا بہت برا گناہ ہے۔ یہاں محسن کا لفظ صرف پاکباز یا پے قصور کے معنوں میں آیا ہے۔ خواہ وہ عورت کنواری ہو یا شادی شدہ ہو۔ حتیٰ کہ بعض علماء کے نزدیک پاکباز لونڈی پر تہمت زنا لگانا بھی اس میں شامل ہے اور یہ حکم صرف مردوں کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی ہے کہ وہ پاکباز مردوں پر ایسی تہمت نہ لگا میں اور رسول اللہ ﷺ نے اس گناہ کو ان سات بڑے بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے جو انسان کو بلاک کر دینے والے ہیں۔

(بخاری، کتاب الوصایا، باب قول الله تعالى عزوجل إن "الذين يأكلون أموال اليتامي

(الاية) (ج: ٤ ص: ١٢)

”وَالَّذِينَ يَرْمُونَ“ یہ تیرا حکم ہے جب یہ بات واضح ہو گئی کہ مومنوں کی شان سے بعید ہے کہ وہ زنا ایسے ہوئے فعل کا ارتکاب کریں تو اب اگر کوئی شخص کسی پاک دامن عورت یا پارس امرد پر زنا کی تہمت لگادے تو اس سے چار گواہوں کا مطالبہ کیا جائے اگر وہ چار قابل اعتماد گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں حد قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا کے طور پر آتی (۸۰) ڈڑتے مارے جائیں ”وَلَا تَقْبِلُوا الْهَمَ“ اور آئندہ کے لئے کسی معاملہ میں بھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کی جائے ”اوْلَيْكُ هُمُ الْقَسِيقُونَ“ یہ تہمت لگانے والوں کے حال کا بیان ہے، اگر تہمت لگانے والوں نے توہہ کی اور اپنے کے پر نادم ہو گئے اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال کی اصلاح کر لی تو ان سے فتنہ کا نام اٹھ جائے گا۔ نیز اس سے اسلامی نظام زندگی کے ایک وسیع باب کی بنیاد بنی۔ مثلاً پردے کے احکامات جاری کیئے۔ فاحش کی اشاعت کوختی کے ساتھ روک دیا گیا، شراب، موسيقی، رقص و سرود اور تصاویر پر بندشیں لگائی گکیں جن سے زنا کے معاشرتی اسباب کی جڑ کٹ گئی۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان چار اشخاص (عبداللہ بن ابی رکیس المذاقین، حضرت حسان بن ثابت، مسٹھ بن اناشہ اور حمزة بنت جخش رضی اللہ عنہم، پر حد قذف قائم فرمائی جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قذف میں حصہ لیا تھا۔

بعض مفسرین کا قول ہے کہ آپ نے کسی پر بھی حد قذف نہیں فرمائی (روح المعانی ج ۱۱۶) وَالَّذِينَ يَرْمُونَ ازواجاهم یہ چوڑھا حکم ہے۔ پہلے اجنبی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کا حکم بیان کیا گیا۔

لunan: (آیات ۲۶ تا ۱۰۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہلال بن امیر رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی (خولہ بنت عاصم) شریک بن سحماء سے مہتمم کیا۔ آپ ﷺ نے ہلال سے فرمایا: (چار) گواہ لا و رونہ تمہاری پشت پر حد قذف پڑے گی، ہلال رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی سے بدکاری کرتے دیکھے تو کیا وہ

گواہ ڈھونڈتا پھرے؟“ (یہ تو بہت مشکل ہے) لیکن آپ ﷺ بھی فرماتے رہے کہ گواہ لا اور نہ حد پڑے گی، ”ہلال ﷺ کہنے لگے: اس پروردگاری قسم جس نے آپ کو سچائی کے ساتھ بھیجا ہے، میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور میرے متعلق کوئی ایسا حکم نازل کریں گے جس سے میری پشت کو زراسے بچالیں گے، اس کے بعد جرایل علیہ السلام اترے اور (والذین یرمون سے لے کر من الصادقین) تک آیت نازل ہوئیں۔ بعد ازاں آپ نے بلال کی بیوی کو بلا بھیجا۔ (پہلے) ہلال نے لعan کی گواہیاں دیں۔ جب کہ آپ ﷺ ساتھ ساتھ فرمادیں: ”دیکھو تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے اور جو جھوٹا ہے وہ تو بہ کرتا ہے یا نہیں؟“ ہلال کے بعد اس کی بیوی کھڑی ہوئی اس نے چار گواہیاں دے دیں جب پانچویں کا وقت آیا تو لوگوں نے اسے ظہرایا (اور سمجھایا) کہ ”یہ پانچویں گواہی تمہیں عذاب میں بنتا کر دے گی۔ ابن عباس ﷺ کہتے ہیں کہ ”یہ سن کرو وہ عورت ذرا حُجْجَی اور رُکْی اور ہم سمجھے کہ وہ اقرار کر لے گی مگر وہ کہنے لگی کہ میں اپنی قوم کو تمام عمر کے لئے رسول نہیں کر سکتی، پھر پانچویں گواہی بھی دے دی“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دیکھتے رہو، اگر اس عورت کا بچہ کامی آنکھوں، موٹے سر اور موٹی پنڈلیوں والا پیدا ہو تو وہ شریک بن سماع کا بچہ ہوگا۔ چنانچہ اس عورت کے ہاں اسی صورت کا بچہ پیدا ہوا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ کا حکم (العan) نازل نہ ہوا ہوتا تو میں اس عورت کو ٹھیک سزادیتا۔

(بخاری، کتاب التفسیر، ج ۶، ص ۲۶، ۱۲۴)

اب اس کی مناسبت سے اپنی بیویوں پر تہمت زناگانے کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر تہمت زناگانے اور گواہ پیش نہ کر سکے تو اس پر حد تذلف نہیں بلکہ ان دونوں میاں بیوی کے درمیان لعan ہو گا یعنی دونوں میاں بیوی چار چار بار قسم کھا کر اپنی سچائی کی گواہی دیں اور پانچویں بار اپنے اوپر بدعا کریں کہ وہ اگر جھوٹے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرنے ”قشہادہ احدهم“ یہ تہمت لگانے والے کے لئے چار شہادتوں کا طریقہ ہے کہ وہ چار بار قسم کھا کر شہادت دے کہ وہ تہمت میں سچا ہے۔ والخاکستہ اور پانچویں باریوں کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت۔ اگر خاوند اس طرح لعan کرے

تو اس پر حدِ قدْف نہیں ہوگی۔ ”وَيَدْرأُ عَنْهَا“ اور ”الْعَذَاب“ سے حدِ زنا مراد ہے یعنی اگر عورت بھی طریق ذیل لعان کرے تو اس سے حدِ زنا ساقط ہو جائے گی پہلے چار بار خدا کی قسم کھا کر کے کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے اور پانچویں بار یوں کہے کہ اگر اس کا خاوند اپنے دعویٰ میں سچا ہو تو اس (یعنی یہوی) پر خدا کا غصب نازل ہو جب خاوند یہوی دونوں بطریق بالاعان کر لیں تو ان دونوں کے درمیان زوجیت کے حقوق ختم ہو جائیں گے اور قاضی کی تفریق سے ان کو طلاق بائن ہو جائے گی۔

تہمت کے ثبوت کے لئے چار شہادتیں

زنا کی شہادت سے مراد تو ایسی شہادت ہے جس میں وضاحت کے ساتھ فعل زنا کی شہادت ہو اور تہمت زنا کی شہادت سے مراد ایسے قرائن کی شہادت ہے جیسے کوئی یہ گواہی دے کہ میں نے فلاں اجنبی مرد اور عورت کو خلوت میں دیکھا ہے۔ یا فخش حرکات کرتے دیکھا ہے یا کوئی کسی کو ولد الزنا یا ولد الحرام کہے۔ ایسے مدعی کے لئے چار شہادتوں کا پیش کرنا ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی چار شہادتیں میسر آنہا ہیں، ہی مشکل ہے۔ لہذا شہادتوں کے اس سخت نصاب اور سخت سزا سے اصل مقصود یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی برائی دیکھ بھی لے تو اس کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو وہ پرده پوشی کرے اور مطلقاً اس کی تشہیر نہ کرے۔ یا پھر چار شہادتیں مہیا کر کے حاکم / قاضی کو مطلع کرے تاکہ عدالت ملزمون کا جرم ثابت ہو جانے پر انہیں سزا دے کر اس گندگی کا سد باب کرے۔

احادیث سے ماخوذ لعان سے متعلق احکام

۱۔ اگر کوئی شخص کسی غیر عورت پر تہمت لگائے تو اس کا فیصلہ شہادتوں کی بناء پر ہوگا۔ اور اگر اپنی یہوی پرالزام لگائے تو اس کا فیصلہ لعان کی صورت میں ہو گا جیسے ان آیات میں مذکور ہے:

۲۔ قسم کھانے کے دوران قاضی فریقین کو اللہ سے ذرا کر صحیح بات کہنے کی تلقین کرتا رہے اور اگر فریق اپنے دعویٰ سے رک جائے تو اس پر حدِ قدْف لگے گی اور مرد کے قسمیں کھانے کے بعد عورت رک جائے پھر مزید قسم نہ کھائے تو ظاہر ہے کہ اس نے اپنے زنا کے جرم کا

اعتراف کر لیا، اس صورت میں اسے رجم کیا جائے گا اور آیت نمبر ۸ میں لفظ عذاب سے یہی سزا مراد ہے۔

۳۔ لعان، تفریق زوجین کی سب سے سخت قسم ہے۔ جس کے بعد فریقین میں بھی دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔

۴۔ لعان کے بعد مرد طلاق دے یا نہ دے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمیشہ کے لئے جدائی از خود واقع ہو جاتی ہے۔

۵۔ لعان کے بعد مرد عورت سے حق مہر یاد گیر اخراجات کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

۶۔ لعان کے بعد عدت کے دوران عورت کا نان و نفتہ یا اسکنی (رہائش) مرد کے ذمہ نہ ہو گا۔

۷۔ پیدا ہونے والا پچہ ماں کی طرف منسوب ہو گا۔ اسے متهم زانی کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔

۸۔ پچہ ماں کا وارث ہو گا اور ماں پچے کی وارث ہو گی۔ اور وضع حمل کے بعد اگر عورت مجرم ثابت ہو جائے تو بھی اسے سنگار نہیں کیا جائے گا۔

لعان بہت سے پیچیدہ مسائل کا حل ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ لعان کا حکم نازل نہ فرماتے تو تم پر کئی قسم کی مشکلات پر مسکتی تھیں۔

مشکلاً اگر کوئی شخص خود اپنی بیوی کو بدکاری میں بیٹلا دیکھ لے تو کیا کرے؟ گواہ ڈھونڈنے جائے تو گواہوں کے آنے تک معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور اگر گواہوں کے بغیر بات کرے تو اس پر حدِ قذف پڑتی ہے۔ اگر خاموش ہو رہے تو خاموشی دوسروں کے حق میں تو اختیار کی جا سکتی ہے مگر اپنی بیوی کے حق میں یہ کڑوا گھونٹ کیسے پی سکتا ہے؟ اگر بیوی کو غصہ میں آ کر قتل کر دے تو خود قصاص میں مارا جاتا ہے اور اگر طلاق دے تو اس میں اس کا اپنا نقشان بھی ہے اور بیوی کو یا اس کے آشنا کو کوئی بدفنی یا اخلاقی سزا بھی نہیں ملتی۔ بلکہ یہ طلاق شاید ان دونوں زانی اور زانیہ کے حق میں خوشی کا باعث ثابت ہو۔ اور اگر بالفرض حال کڑوا گھونٹ پی کر صبر کر ہی جاتا ہے تو ایک ناجائز پچ کی پروردش کا بار اس کے گلے میں آ پڑتا ہے۔

جو بعد میں اس کا دارث بھی ہو گا۔ یہ اور ایسی ہی اور کئی مشکلات تھیں جن کا تمہارے پاس کوئی حل نہ تھا۔ اللہ نے لعان کا حکم نازل فرمایا کہ ان تمام پیچیدگیوں کو حل کر دیا۔ پھر لعان کے اس قانون میں فریقین کو یکساں سطح پر رکھا گیا ہے۔ اس لئے یہ حقیقت ہے کہ تمیں کھانے کے باوجود ان دونوں میں سے ایک نہ ایک ضرور سچا اور دوسرا جھوٹا ہے۔ اور یہی باتیں اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کی ذریعہ دلیل ہیں۔ (تيسیر القرآن، ج ۳)

واقعہ افک (آیات ۲۶۱-۲۶۲)

آیت «إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْأُفْكِ» سے لے کر دس آیتیں امام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی شان میں نازل ہوئیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس تہمت سے براءت ظاہر فرمائی ہے جو منافقوں نے ان کی نسبت تراشی تھی۔ اور جس کو زیادہ تر عبد اللہ بن ابن سلوول رئیس المناقیفین نے مشہور کیا تھا اور جس کا تذکرہ مسلمانوں میں بھی ہوا۔ اس کی تفصیل جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے اور خود حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں یہ ہے کہ جناب رسالت ماتب کی عادت یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کی سفر کو تشریف لے جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں میں قرعہ ذاتے۔ جس بیوی کے نام کا قرعہ لکھتا، اُس کو آپ ﷺ اپنے ہمراہ لے جاتے ایک غزوے میں میرے نام کا قرعہ لکھا اور میں آپ ﷺ کے ساتھ گئی۔ اور یہ سفر پر دے کے حکم کے نازل ہونے کے بعد تھا۔ میں اونٹ پر سواری کرتی اور ہودج یعنی کجاؤے میں پیٹھتی تھی۔ جب آپ ﷺ غزوے سے فارغ ہو چکے اور لوٹتے ہوئے مدینے کے قریب پہنچتے تو ایک رات کوچ کا اعلان کیا گیا میں اس وقت قضاۓ حاجت چل گئی۔ یہاں تک کہ لشکر کے آگے بڑھ گئی۔ جب میں واپس آئی تو دیکھا کہ میرا ہار کہیں رستے میں ٹوٹ کر گر گیا ہے۔ میں ہار کی تلاش کے لئے ٹوٹ گئی اور اس کو تلاش کرتے کرتے مجھے دیر ہو گئی اتنے میں میرے ہودج کو اٹھایا گیا اور اُس کو میرے اونٹ پر کس دیا۔ اور یہ نہ سمجھا کہ میں اس میں نہیں ہوں۔ غرض وہ اونٹ کو لے کر چل دیئے۔ مجھے اپنا ہار اس وقت دستیاب ہوا جب لشکر گزر گیا میں لشکر کے پڑاؤ کی جگہ میں آئی، وہاں کوئی نہ تھا۔ پھر اپنی منزل کو جہاں اُتری ہوئی تھی چل گئی۔ اس خیال سے کہ جب لوگ مجھے گم پائیں گے تو

اک کر لے جائیں گے۔ اسی اثنامیں مجھے نیندا آگئی۔ ادھر صفوان بن محظل رضی اللہ عنہ جو آخر شب کو شکر کے پیچھے آرام لینے کے لئے اترے تھے آگئے۔ جب وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے دیکھ کر پہچان لیا۔ کیونکہ پردے کے حکم سے پہلے وہ مجھے کو دیکھے تھے۔ میں نے چادر سے گھونگٹ نکال لیا اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ نہ تو اُس نے مجھے کوئی بات کی نہ میں نے اس سے کوئی بات سنی۔ بجز اَنَا إِلَهٌ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَجُوعُكَ، جو اُس نے سواری کے ٹھھاتے وقت کہا تھا۔ پھر اُس نے سواری کا اگلا پاؤں دبایا تو میں اس پر سوار ہو گئی اور وہ میری سواری کی بآگ ہاتھ میں لے کر چلا یہاں تک کہ ہم شکر میں جا پہنچے۔ اور اُس وقت ٹھیک دوپہر تھی پھر میرے بارے میں جو من گھڑت باتیں اور افواہیں کی گئی سوکی گئی اور جو ہلاک ہوا سو ہوا۔ اس طوفان اٹھانے میں جس نے سب سے بڑا حصہ لیا وہ عبد اللہ بن ابی بن سلوول تھا۔ اس کے بعد ہم مدینے آئے اور وہاں آ کر میں مہینہ بھر بیمار رہی۔ لوگ میرے بارے میں تذکرے کرتے تھے لیکن مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ البتہ مجھے ایک بات سے شک ہوتا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ مجھ پر وہ التفات نہیں فرماتے تھے جو پیشتر میرے ایام علاالت میں فرمایا کرتے تھے اب جو تشریف لائے تو سلام کرنے کے بعد صرف اتنا پوچھتے کہ تمہارا حال کیا ہے اس سے مجھے ایک طرح کا شہر تو ہوتا لیکن افتر اپردازوں کے بہتان و شرات کی مطلق خبر نہ تھی۔ اس حالت میں میں بہت کمزور ہو گئی۔ ایک رات جو قضاۓ حاجت کے لئے باہر نکلی تو مسطح کی مال میں میرے ساتھ تھی۔ اتفاق سے اُس کا پاؤں لڑکھڑایا تو اُس نے کہا کہ تعس مسطح یعنی مسطح ہلاک ہو۔ میں نے کہا کہ تم ایسے شخص کو بدعا دیتی ہو جو بدر میں شریک ہو اس نے کہا کیا تم نے سنا نہیں کہ اس نے کیا افتر اپردازی کی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ تم بتاؤ کہ اس نے کیا کہا ہے تو اس نے تمام ماجرا بیان کیا اس کوں کر مجھے بہت رنج ہوا۔ ایک تو میں پہلے ہی بیمار تھی۔ یہ کیفیت سن کر رنج پر رنج ہوا۔ جب میں لوٹ کر اپنے گھر آئی تو جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور میرا حال پوچھا میں نے کہا اگر آپ اجازت بخشیں تو میں اپنے میکے چلی جاؤں میرا مطلب یہ تھا کہ وہاں جا کر اس خبر کی نسبت یقین حاصل کروں آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے ہاں

چلی گئی۔ وہاں میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ لوگ کیا تذکرہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے تم کچھ خیال نہ کرو۔ اس جواب سے میرا دل مطمئن نہ ہوا اور میں رات بھر روتی رہی۔ ادھر جناب رسول اللہ ﷺ پر وحی کے آنے میں بہت دری ہو گئی تو آپ نے مشورہ لینے کے لئے حضرت علی ابن ابی طالب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا۔ اسامہ نے تو یہ کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ آپ کی بیوی ہیں۔ اور تم کو ان کے بارے میں بھلانی کے سوا کچھ معلوم نہیں اور علی ہرثیغہ ابن ابی طالب نے کہا یا رسول اللہ ﷺ نے آپ ﷺ پر تنگی نہیں کی۔ عورتیں اور بہت ہیں۔ اگر آپ لوڈی یعنی بریہ سے دریافت فرمائیں گے تو وہ صحیح بیان کر دے گی۔ آپ نے بریہ کو بلا کر دریافت کیا تو اس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی کہ اس کا اس پر عیب لگا دیا وہ تو ایک سیدھی سادی اور بھولی بھائی نو عمر لڑکی ہے یہ سن کر آپ اسی روز خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اس شخص کے مقابلے میں جس کے سبب مجھے میرے اہل کے معااملے میں اس قدر ایذا پہنچی ہے کون میری مدد کرتا ہے تو سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ النصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی مدد کرتا ہوں اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن ماریں گے اور اگر ہمارے بھائیوں یعنی قبیلہ خزرج سے ہے تو آپ ﷺ جوار شاد فرمائیں گے ہم اس کی قیل کریں گے۔ پھر سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے یہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے تو نیک آدمی لیکن حمیت نے جوش مارا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ تم نے غلط کہا۔ اللہ کی قسم نہ تم اس کو قتل کرو گے اور نہ اس کے قتل پر قادر ہو سکو گے۔ اگر وہ شخص تمہاری جماعت سے ہے تو میں بھی پسند نہیں کرتا کہ قتل کیا جائے تو اسید رضی اللہ عنہ بن حفیظ جو سعد بن معاذ کے پچاڑا بھائی ہیں کھڑے ہوئے اور سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے کہنے لگے کہ تم نے جھوٹ کہا۔ اللہ کی قسم ہم اس کو ضرر و قتل کر دیں گے۔ تم منافق ہو کہ منافقوں کی طرف سے جھگڑتے ہو پھر دونوں قبیلے اوس اور خزرج مارے غصے کے کھڑے ہو گئے اور قریب تھا کہ ان میں لڑائی اور ہاتھا پائی ہو جائے مگر جناب رسالت مآب ﷺ نے ان کے جوش کو فرود دیا اور لڑائی ہونے سے رہ گئی ہاں تو میرے

روئے کا یہ حال تھا کہ میرے والدین خیال کرتے تھے کہ رونا میرے کلیج کو چھاڑ کر رہے گا، اسی اثنائیں کہ ایک دن دونوں میرے پاس بیٹھے تھے اور میں روہی تھی کہ انصار کی ایک عورت میرے پاس آئی اور وہ بھی بیٹھ کر میرے ساتھ رونے لگی۔ ابھی ہم روہی رہے تھے کہ رسول خدا ﷺ تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ جب سے لوگوں نے میرے بارے میں وہ کہا جو کہا آپ میرے پاس نہیں بیٹھتے تھے اور آپ پر میری شان میں کچھ وہی نہیں ہوئی تھی جب آپ بیٹھ گئے تو خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ اے عائشہ خاتون تمہارے بارے میں ایسی بات مجھ تک پہنچی ہے۔ اگر تم بُری نہیں ہو تو عنقریب خدا تمہاری براءت ظاہر کر دے گا اور اگر تم سے گناہ ہوا ہے تو اللہ سے بخشش مانگو۔ اور اس کی طرف رجوع کرو کیونکہ بندہ جس وقت اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے تو اللہ بھی اس پر رجوع فرماتا اور اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے جب آپ بات ختم کر چکے تو میرے آنسو حکم گئے یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی آنکھ سے نہیں نکلتا تھا پھر میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے۔ انہوں نے کہا میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ سے کیا کہوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ جواب دیجئے۔ انہوں نے بھی یہی کہا۔ کہ اللہ کی قسم میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ ﷺ سے کیا کہوں۔ پھر میں نے خود ہی کہا حالانکہ میں ایک نو عمر لڑکی تھی اور قرآن بھی بہت سانہیں پڑھتا تھا۔ کہ جو قضہ آپ ﷺ نے سنائے وہ مجھے معلوم ہو گیا ہے اور یہ بھی کہ آپ ﷺ اس کو باور کر چکے ہیں لیکن اگر میں کہوں کہ میں بربی ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بربی ہوں۔ تو آپ اس کو سچ نہیں سمجھیں گے۔ اور الگا اس کا اقرار کرلوں۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بربی ہوں تو آپ اس کو مان لیں گے۔ سو اللہ کی قسم میں وہی بات کہتی ہوں جو یوسف عليه السلام کے باپ نے کہی تھی۔ کہ “فَصَبَرَ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصْفُونَ” پھر میں وہاں سے انٹھ کر اپنے بستر پر آ لیٹیں اور میں یقین کرتی تھی کہ چونکہ میں بے گناہ ہوں اس لئے اللہ ضرور میری براءت ظاہر فرمائے گا لیکن میں یہ خیال نہیں کرتی تھی کہ میری شان میں قرآن کی آیتیں نازل ہوں گی۔ کیونکہ میں اپنی شان کو اس سے کمتر سمجھتی تھی کہ اللہ میرے بارے میں اپنا کلام نازل

فرمائے گا جو بھی شہ پڑھا جائے گا۔ البتہ یہ امید ظاہر کرتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھ لیں گے جس میں اللہ میری براءت ظاہر فرمائے گا سوال اللہ کی قسم ابھی رسول اللہ ﷺ کوئی خواب اس مجلس سے تشریف بھی نہیں لے جانے پائے تھے کہ اللہ نے آپ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا۔ اور نزول وحی کے وقت جس طرح آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے اسی طرح اس وقت آپ ﷺ کے بدن اطہر سے موتیوں کی طرح پسینے کے قدرے پکنے لگے۔ جب وہ حالت رفع ہو گئی تو آپ ﷺ کا چہرہ بشاش بشاش ہو گیا اور پہلا لفڑہ جو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکالا یہ تھا۔ کہ اے عائشہؓ تھا خوش ہو جاؤ۔ اللہ نے تمہاری براءت نازل فرمائی ہے۔ جب اللہ نے حضرت عائشہؓ کی براءت میں ”إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْأَفْكَرِ عَصَبَةً مِنْكُمْ“ دس آیتیں نازل کیں تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ واللہ میں آئندہ مسٹحؓ کو کچھ خرچ نہیں دوں گا۔ مسٹحؓ حضرت ابو بکرؓ کے عزیزوں میں سے تھے اور غریب تھے۔ حضرت ابو بکرؓ جیب سے ان کی مدد کیا کرتے تھے۔ لیکن اتفاق سے اس بہتان میں وہ بھی شریک ہو گئے تھے جب حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھائی کروہ مسٹحؓ کو خرچ نہیں دیں گے تو اللہ نے آیت ”وَلَا يَأْتِيَ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ“ نازل فرمائی، اس پر حضرت ابو بکرؓ نے بدستور خرچ دینا جاری کر دیا اور کہنے لگے کہ واللہ میں اس کو خرچ دینے سے کبھی دست کشی نہ کروں گا۔

(بخاری، ج ۵، ص ۱۵۳، ۱۴۸، باب حدیث الافک)

”ولو لا فضل الله عليكم“ تمہید کے بعد حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کو منتبہ کیا کہ مومنوں کی شان سے بعید ہے کہ وہ پاک دامن مومن عورتوں پر تہمت لگائیں مگر اس کے باوجود تم نے صدیقہؓ پر تہمت کے سلسلے میں سچائی کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی شامل حال نہ ہوتی تو تمہیں فوراً عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا۔

”إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا مِنَ الْفَقِيرِ“ کے لئے وعید ہے حضرت عائشہؓ پر تہمت کے بارے میں لوگ تین جماعتوں میں مقسم ہو گئے۔ اول وہ منافقین جنہوں نے یہ تہمت

گھری اور اس کی تشریکی۔ جو سرغنا عبد اللہ بن ابی ریکیں المذاقین کی باتوں سے متاثر ہو گئے اور ان کی زبانوں سے بھی نامناسب باتیں نکل گئیں۔ دوم حضرت حسان بن ثابت اور مسٹح بن القیضا بن اثاثہ ایسے ہی سادہ تھے۔ سوم عام مخلص مومنین جنہوں نے یہ باتیں سن کر خاموشی اختیار کی تھیں کہ ان کی تائید کی نہ تردید۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں جماعتوں کو تنبیہ کی۔ پہلے گروہ پرسب سے زیادہ سزادی نے کی وعید سنائی گئی۔ عصبية سے وہ مراد ہیں جنہوں نے اس تہمت میں حصہ لیا۔ منافقین اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بظاہر مسلمانوں میں شمار کر کے ”لا تحسبوه“ یعنی اس افک اور تہمت کو تم براند سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے خیر و برکت کا پیش خیر ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓؓ کو اللہ تعالیٰ نے تہمت سے پاک ثابت کر دیا اور اس کے ساتھ چار احکام بھی نازل فرمادیے جو معاشرے کے لئے امن و سلامتی اور طہارت و پاکیزگی کا پیغام لے آئے ہیں ”بل هؤ خير لکم منهم“ اور جنہوں نے اس تہمت میں حصہ لیا ہے انہوں نے اپنے جرم کی نوعیت کے مطابق گناہ کا بوجھا اٹھایا ہے۔ ”والذى تولى“ اس سے عبد اللہ بن ابی ریکیں المذاقین مراد ہے اس واقعہ میں شروعہ اور لیڈر یہی تھا اس لئے جنہوں نے اس میں حصہ لیا ہے وہ محض غلط فہمی کا شکار ہوا۔ (معالم و خازن ج ۵ ص ۷۲) جمہور اور محقق مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ یہاں عبد اللہ بن ابی ابین سلوی ہی مراد ہے۔

حضرت عائشہؓ پر منافقین کے جھوٹے الام کی تردید کرتے ہوئے یہ بدایت کی گئی کہ آنکھیں بند کر کے ہر شریف آدمی کے خلاف ہر قسم کی تھیں قبول نہ کر لیا کرو، اور نہ ان کو پھیلاتے پھرو۔ اس طرح کی افواہیں اگر اڑ رہی ہوں تو انہیں دبانا اور ان کا سد باب کرنا چاہیے، یہ کہ ایک منہ سے لے کر دوسرا منہ اسے آگے پھونکنا شروع کر دے۔ اسی سلسلے میں یہ بات ایک اصولی حقیقت کے طور پر سمجھائی گئی کہ طیب آدمی کا جوڑ طیب عورت ہی سے لگ سکتا ہے، خبیث عورت کے اطوار سے اس کا مزاج چند روز بھی موافقت نہیں کر سکتا۔ اور ایسا ہی حال طیب عورت کا بھی ہوتا ہے کہ اس کی روح طیب مرد ہی سے موافقت کر سکتی ہے زکہ خیث سے۔ اب اگر رسول اکرم ﷺ کو تم جانتے ہو کہ وہ ایک طیب، بلکہ اطیب

انسان ہیں تو کس طرح یہ بات تمہاری عقل میں سما گئی کہ ایک خبیث عورت ان کی محبوب ترین رفیقہ حیات بن سکتی تھی۔ جو عورت عملًا زنا تک کر گزرے اس کے عام اطوار کب ایسے ہو سکتے ہیں کہ رسول ﷺ جیسا، پاکیزہ انسان اس کے ساتھ یوں نباہ کرے۔ پس صرف یہ بات کہ ایک کمینہ آدمی نے ایک بیہودہ الزام کی طرح لگادیا ہے، اسے قابل قبول کیا جنی قابل توجہ اور ممکن الوقوع سمجھ لینے کے لیے بھی کافی نہیں ہے۔ آنکھیں کھول کر دیکھو کہ الزام لگانے والا ہے کون اور الزام کس پر لگا رہا ہے۔

☆ جو لوگ بیہودہ خبریں اور بری افواہیں پھیلائیں اور مسلم معاشرے میں فحش اور فواحش کو رواج دینے کی کوشش کریں، ان کے متعلق بتایا گیا کہ وہ ہمت افزائی کے نہیں بلکہ مزا کے مستحق ہیں۔

☆ یہ قاعدة کلیہ مقرر کیا گیا کہ مسلم معاشرے میں اجتماعی تعلقات کی بنیاد باہمی حسن ملن پر ہوئی چاہیے۔ ہر شخص بے گناہ سمجھا جائے جب تک کہ اس کے گنہ گار ہونے کا ثبوت نہ ملے۔ نہ یہ کہ ہر شخص گنہ گار سمجھا جائے جب تک کہ اس کا بے گناہ ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

(تفہیم القرآن، ج ۳ ص ۲۱۶)۔

ولا ياتل اولوا الفضل يأيت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ مسطح بن ایاش، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار تھے یہ مہاجرین اولین میں سے تھے، ان کی مالی حالت کمزور تھی۔ حضرت صدیق، حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کے دینی شرف اور صدر حجی کی بنا پر ان کی مالی امداد کیا کرتے تھے واقعہ اُنک میں مسطح رضی اللہ عنہ سے بھی غلطی ہو گئی اور وہ دوسرے گروہ میں شامل تھے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ آئندہ کے لئے وہ مسطح رضی اللہ عنہ پر خرچ نہیں کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ بخشش و عطا تو اسباب مغفرت میں سے ہے تم اس کو بند کیوں کرتے ہو، کیا تم مغفرت نہیں چاہتے ہو؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حجاب (آیات: النور: ۳۰-۳۱)

ایمان والوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ نظریں جھکا کر چلا کریں تاکہ اجنبی عورتوں سے

ان کی نگاہیں محفوظ رہیں۔ یہ ان کے لئے طہارت و عفاف کا باعث ہے۔ غیر محروم عورت کی طرف دیکھنا اس لئے منع فرمایا کیونکہ جب آدمی اس کے اسباب و حرکات سے دور ہے گا تو پھر اس سے بھی محفوظ رہے گا۔ ”وَقُلْ لِلّهِمَّ مَنْ أَنْتَ^۱“ عورتیں اپنی زینت و آرائش کویا ان اعضاء کو جو مل زینت و آرائش ہیں اجنبی مردوں کے سامنے ظاہرنہ کریں البتہ جن اعضاء کے ذھان پنے میں حرج اور ان کے ظاہر کرنے میں مجبوری ہوان کو ظاہر کر سکتی ہیں کیونکہ اپنے کام کا ج کے لئے انہیں گھر سے نکلا پڑتا ہے لہذا انہیں ہاتھ ظاہر کرنے کی بھی اجازت ہے بشرطیک خوف فتنہ ہو۔ یاد رہے کہ حجاب اسلامی اقدار کا حصہ اور مسلم خاتون کے لئے بہجان ہے۔

ولیضررین بخمرہن، کہ اوڑھنی کو سر پر سے لا کر سینے پر ڈال دین تاکہ سینے کا ستر بخوبی ہو جائے۔ یہ گھر میں ستر کا حکم ہے اگر گھر سے باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بر قع یا چادر اور ٹھہر کر نکلیں جس سے سارا بدن مستور ہو جائے اور اپنی زینت و آرائش کو کسی اجنبی کے سامنے ظاہرنہ کریں البتہ اپنے خاوند کے علاوہ مندرجہ ذیل مردوں کے سامنے آرائش کا اظہار جائز ہے کیونکہ یہ ان کے محروم ہیں: باپ، بھر، بیٹا، خاوند کا دوسرا بیوی سے بیٹا، بھائی، بھیجا اور بھانجा اونسائے ہیں ان رشتہ دار مردوں کے علاوہ عورتوں کے سامنے بھی اپنی آرائش کو ظاہر کر سکتی ہیں۔ او ما ملکت اس سے مراد لوٹی اور غلام ہے، وہ نوکر چاکر یا وہ مرد جو گھروں کے ساتھ رہتے ہوں اور بچا کھچا کھا کر گزارہ کرتے ہوں اگر وہ عمر رسیدہ ہوں اور عورتوں سے انہیں رغبت نہ ہو بلکہ اپنے کام سے کام رکھیں اور ان کی طبیعت میں شوخی وغیرہ نہ ہو یا اس سے وہ فاتر الحقل مراد ہیں جن کے خواص بجا نہ ہوں تو ان کے سامنے بھی آرائش ظاہر کر سکتی ہیں۔

اسی طرح وہ چھوٹے بچے جو ابھی سن بلوغ کوئی پہنچ ان کے سامنے بھی آرائش ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔ ”وَلَا يَضْرِبُنَّ بَارِجَلَهْنَ“ چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر آہستہ آہستہ رکھیں اور زور سے زمین پر نہ ماریں تاکہ پاؤں میں پہنچے ہوئے زیوروں کی جھنکار غیر محروم نہ سن لیں۔

”وانکحوا الا يامى“ غیر شادی شدہ مردوں عورت کو کہتے ہیں یا وہ مردوں زن جن کا رفیق زندگی فوت جو چکا ہو، الایم یعنی جس عورت و مرد کا ابھی تک نکاح نہیں ہوا یا ہو کر بیویا رہنا ہو گیا ہے تو موقع مناسب دیکھ کر ان کا نکاح کر دو۔ اسی طرح غلاموں اور لوٹیوں میں سے جو نیک ہیں ان کا نکاح بھی کر دو کیونکہ نکاح ہو جانے سے ان میں نیکی بڑھے گی اور نکاح نہ کرنے میں بہت سی خرابیاں ہیں۔

پرده کا مزید حکم سورۃ الاحزاب (آیت نمبر ۵۳) میں بائیں الفاظ مرقوم ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَتْهُنَّ مَتَاعًا فَسُتْلُوْهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ

اَطْهَرُ لِقْلُوبُكُمْ وَقُلُوبُهُنَّ﴾

”اور جب نبی ﷺ کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے باہر سے مانگو۔ یہ تہارے اور ان کے دلوں کے لئے بہت پاکیزگی کی بات ہے۔“

یہی آیت ”آیت حجاب“ کے نام سے موسوم ہے۔ اس حکم کے نزول کے بعد اذواف مطہرات کے گھروں کے سامنے پردے لٹکا دیے گئے، نبی ﷺ کا گھر چونکہ مسلمانوں کے لئے نمونہ تھا اس بناء پر مسلمانوں نے بھی اپنے گھروں پر پردے لٹکا دیے۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب آیۃ الحجاب، ۶۲۳۸)۔ اسی آیت کے آخری حصہ میں پرده کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ یہ دلوں کی پاکیزگی کا بہترین ذریعہ ہے۔ شرم و حیا اور خودداری اور عفت و عصمت کی بقا کا ضامن ہے۔ اس حصار کی حفاظت کی خاطر مردوں زن سے سورۃ نور میں نگاہ پتھی رکھنے کا تقاضا کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی عصمت کا بہترین بچاؤ کر سکیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَا زُوْجٌ لَكَ وَبَنِيَّكَ وَنِسَاءُ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِيْنَ

عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفَنَ فَلَا يُوْذِنُ وَكَانَ اللَّهُ

غَفُورًا وَحَيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۹)

”اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے اوپر اپنی چارروں کے پلوٹکالیا کریں یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے کہ پہچان کی جائیں تو کوئی ان کو ایذا اندے گا اور اللہ بنجتنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ عورتیں اپنی چاروں اچھی طرح اور ہ کران کا ایک حصہ یا ان کا پلوٹکالیا کریں جسے عرف عام میں گھونگھٹ ڈالنا کہتے ہیں۔
حدیث میں ہے: ”الْمُحْرِمَةُ لَا تَنْقِبُ وَلَا تَلْبِسُ الْفَقَارَيْنَ“
(ابو داؤد، مؤطا)

”محمد عورت احرام کی حالت میں نہ چہرے پر نقاب ڈالے اور نہ ہاتھوں میں دستانے پہنے۔“

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نقاب اور ہاتھ اور دستانے پہننا غیر حرم عورتوں میں معروف تھا،“
”وَذَلِكَ يَقْتَضِي سَرَّ وَجْهِهِنَّ وَأَيْدِيهِنَّ۔“

(حجاب المرأة المسلمة ولباسها في الصلاة: ص ۱۷)

”دلیعیں اس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے چہروں اور ہاتھوں کو پردے میں رکھتی تھیں۔“

علامہ ابو بکر بھاص کا کہنا ہے کہ آیت ہذا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورت کو غیروں سے اپنے چہرہ چھپانے کا حکم ہے اور اسے گھر سے نکلنے وقت ستر اور عفت مانی کا اظہار کرنا چاہیے تاکہ مشتبہ سیرت و کردار کے لوگ اسے دیکھ کر کسی طمع میں بہتانہ ہوں۔ (احکام القرآن: ۴۵۸/۳)

پھر شریعت میں غیر حرم مردوں اور حرم رشتہ داروں کے درمیان فرق قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

»لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي ابْنَائِهِنَّ وَلَا ابْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءٌ«

إِنَّهُمْ لَا يَرَوْهُنَّ وَلَا هُنَّ يَرَوْهُنَّ وَلَا مَا مَلَكُتُ أَيْمَانُهُنَّ
وَاتَّقِنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا

(۵۵) / الاحزاب

”عورتوں پر اپنے بیویوں سے (پرده نہ کرنے میں) کچھ گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹیوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے اور نہ اپنے بھنوں سے اور نہ اپنے بھانجیوں سے اور نہ اپنی (قسم کی) عورتوں سے اور نہ لوگوں سے اور (اے عورتو!) اللہ سے ڈرتی رہو بے شک اللہ ہر شے سے واقف ہے۔“

علام آلوی زیر آیت ہذا فرماتے ہیں: بھائیوں بھانجیوں اور بھیجوں کے حکم میں وہ سب رشتہ دار آ جاتے ہیں جو ایک عورت کے لئے حرام ہوں خواہ وہ نسبی رشتہ دار ہوں یا رضائی۔ اس فہرست میں پیچا اور ماموں کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ وہ عورت کے لئے منزلہ وال دین ہیں یا پھر ان کے ذکر کو اس لئے ساقط کر دیا گیا کہ بھانجیوں اور بھیجوں کا ذکر آ جانے کے بعد ان کے ذکر کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ بھانجے اور بھیجے سے پرده نہ ہونے کی وجہ ہے وہی پیچا اور ماموں سے پرده نہ ہونے کی وجہ ہے۔

(روح المعانی، تفہیم القرآن، ج ۴ ص ۱۲۲)

نیز فرمایا:

﴿فَلِلّٰهِمُّوْمِنِينَ يَغْضُبُوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ ... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾
(۲۴) / التور

”مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں پیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں ان سے خبردار ہیں اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں پیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو، اور اپنے سینوں پر اوڑھیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاؤند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاؤند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھیجوں

اور بھانجوں اور اپنی (قشم کی) عورتوں اور لوگوں کے غلاموں کے سوانیزان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کے پر دے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگار کے مقامات) ظاہرنہ ہونے دیں، اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں (کہ جھنکار کی آواز کا نوں میں پہنچ اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنا سب اللہ کے آگے توبہ کروتا کہ تم فلاح پاؤ۔“

الغرض جن افراد کو شریعت مطہرہ نے مستحب قرار دیا گیا ہے ان کے مساواۃ سب حضرات سے عورت کو پرداہ کرنا شامل ہے ان میں بہنوئی بھی شامل ہے۔

سورة لقمان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْمَرْءُ تِلْكَ أَيْتُ الْكِتَبُ الْعَكِيرُ^١ هُدًى وَرَحْمَةً لِلْمُحْسِنِينَ^٢
 الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّلَاةَ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ
 يُوْقَوْنَ^٣ أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ^٤
 وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهُوَ الْحَدِيثُ لِيُضْلِلَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
 بِغَيْرِ عِلْمٍ^٥ وَيَتَوَذَّهَا هُزُوا^٦ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِمِّينَ^٧ وَإِذَا ثُنِيَ
 عَلَيْهِ أَيْتَنَا وَلِيَ مُسْتَكِنِرًا كَانَ لَمْ يَسْمَعْهَا كَانَ فِي أَذْنِيهِ وَقَرَاءَ
 فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ^٨ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّتُ
 التَّعْيِيمُ^٩ خَلِدِينَ فِيهَا طَوَّافَةً وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا طَوَّافَهُمُ الْحَكِيمُ^{١٠} خَلَقَ
 السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْهَا وَالْأَقْرَبَ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَنْدِيدَ يَكُنْ
 وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ^{١١} وَأَنْزَلَنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَكَبَتْنَا فِيهَا
 مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَيْنُومٍ^{١٢} هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرَوْنِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ
 دُونِهِ طَبِيلُ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ^{١٣} وَلَقَدْ أَتَيْنَا لِقَمَانَ الْحِكْمَةَ
 أَنْ اشْكُرْلِهِ طَ وَمَنْ يَشْكُرْ فَأَنَّمَا يَشْكُرْ لِنَفْسِهِ طَ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ
 غَنِيٌّ حَمِيدٌ^{١٤} وَإِذَا قَالَ لَقَمَانُ لِأَبِيهِ وَهُوَ يَعْظُهُ لَيْسَ لَا تُشْرِكُ بِاللَّهِ
 إِنَّ الشَّرِكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ^{١٥} وَوَصَّيْنَا إِلَيْنَا بِوَالدِيَهُ حَمَّاتَةُ أُمَّهَ
 وَهُنَّا عَلَى وَهْنٍ وَفَصْلُهُ فِي عَامِينِ أَنْ اشْكُرْلِي طَ وَلِوَالدِيَكَ طَ إِنَّ
 الْمُصِيدُ^{١٦} وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَى أَنْ شُرِكَ بِنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ^{١٧}
 فَلَا تُطْعِهِمَا وَصَاحِبِهِمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا طَ وَالْيَعْ سَبِيلَ مِنْ أَنَابَ
 إِنَّهُ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَكُمْ فَإِنَّهُمْ يَمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ^{١٨} لَيْسَ إِنَّهَا إِنَّ
 تَكُ مِنْقَالَ حَبَّةٍ قَنْ خَرْدَلَ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي

الارض يأتی بها الله این الله لطیف خیر ۝ یعنی اقوم الصلوة
وامروی المعروف وانه عن المذکور واصبر على ما اصابك این ذلك
من عزوم الامور ۝ ولا تصغر خدک للثایس ولا تنسى في الارض
مرحما این الله لا يحب کل محتال فنور ۝ واقتصر في مشیك
واغضض من صوتک این اندر الاصوات لصوت العجیب ۝ الهم
تردوا این الله سخرا لكم ما في السموات وما في الارض واسبغ عليهم
نعمۃ ظاهرۃ وباطنة ۝ ومن الثایس من يجادل في الله بغير علم
ولا هدی ولا کتب شنید ۝ وإذا قيل لهم اتیعوا ما انزل الله
قالوا بل نیتع ما وجدنا عليه اباءنا او توکان الشیطان يدعوه
إلى عذاب السعیر ۝ ومن يسلِّم وجهة إلى الله وهو محسن فقد
استمسك بالعروبة الوثقى ۝ وإلى الله عاقبة الأمور ۝ ومن كفر فلأ
يحزنك كفرة إلينا مرجحهم فنستهم بما عملوا این الله عليهم
يدای الصدور ۝ لم يعهم قليلا ثم نظرتهم إلى عذاب غلیظ
وكین سالمهم من خلق السموات والارض ليقولن الله قل الحمد
يلوط بل انکرهم لا يعلمون ۝ يلو ما في السموات والارض این
الله هو الغنی العجیب ۝ ولو این ما في الارض من شجرة أفلام
والبحر يدہ من بعدہ سبعة آخری ما نقدت كلیت الله این الله
عزیز حکیم ۝ ما خلقتم ولا بعثتم إلا کنفس واحدۃ این
الله سیعی بصیر ۝ الهم تر این الله يولیه الیل في النهار ويولیه النهار
في الیل وسخرا الشموس والقمر کلیت پیغیری إلى أحیل مسگی وان
الله بما تعملون خیر ۝ ذلك يأن الله هو الحق وان ما يدعون
من دونه الباطل لا وان الله هو الغنی العجیب ۝ الهم تر این الفلك
پیغیری في البحر بنعمۃ الله لیرسکم من آیته ۝ این في ذلك لایت لکل

صَبَّارٌ شُكُورٌ وَإِذَا غَشِيْهُمْ مَوْجِعٌ كَالْظَّلَلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ
الَّذِينَ هُنَّ فَلَمَّا تَبَّعْجَمُهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَيَنْهُمْ مُفْقِدُونَ وَمَا يَجْعَدُ يَا لَيْتَنَا إِلَّا
كُلُّ خَتَارٍ كُفُورٌ يَا لَيْهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبِّكُمْ وَاخْشُوا يَوْمًا لَا يَجْزِي
وَاللَّدُّ عَنْ وَلَدَهُ وَلَا مَوْلَوْهُ هُوَ جَازِعٌ وَاللِّدَّةُ شَيْءٌ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ
حَقٌّ فَلَا تَقْرَئُمُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَلَا يَعْرِتُكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ إِنَّ اللَّهَ
عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيَنْزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْضَ وَمَا
تَدْرِي نَفْسٌ مَّا ذَا أَنْسَبَ اللَّهُ لَهُ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ يَأْتِي أَرْضِنَمْوَتِ
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَمِيرٌ

سورۃ لقمان کا ترجمہ

شرع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

”الم“ (۱) یہ حکمت کی (بھری ہوئی) کتاب کی آیتیں ہیں (۲) نیکوکاروں کے لئے
ہدایت اور رحمت (۳) جنمماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں
(۴) یہی اپنے پروردگار (کی طرف) سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں
(۵) اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں) کو بے سمجھے اللہ
کے رستے سے گراہ کرے اور اس سے استہزا کرنے یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا
عذاب ہوگا (۶) اور جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو اکثر کرمہ پھیر لیتا ہے گویا
آن کو سنائی نہیں جیسے آن کے کافوں میں ثقل ہے تو اس کو درد دینے والے عذاب کی خوشخبری
سنادو (۷) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے آن کے لئے نعمت کے باعث ہیں
(۸) ہمیشہ آن میں بڑیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے (۹) اسی نے
آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو اور زمین پر پہاڑ (بناؤ کر) رکھ دیئے تا
کہ تم کو ہلاہلا شدے اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے۔ اور ہم ہی نے آسمان سے
پانی نازل کیا پھر (اُس سے) اُس میں ہر قسم کی نیس چیزیں اُگا کیں (۱۰)۔ یہ تو اللہ کی

پیدائش ہے تو مجھے دکھاو کہ اللہ کے سوا جو لوگ ہیں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ ظالم صرخ گمراہی میں ہیں (۱)۔ اور ہم نے لقمان کو دانائی بخشی کہ اللہ کا شکر کرو اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بھی بے پروا اور سزا اوارحمد (وشا) ہے (۲)۔ اور اس وقت کو بیاد کرو، جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، شرک تو بدا (بخاری) ظلم ہے (۳)۔ اور ہم نے انسان کو جسے اُس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے، پھر اس کو دودھ پلاتی ہے اور آخر کار دو برس میں دودھ چھڑانا ہوتا ہے (اپنے نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (تاکہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے (۴)۔ اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہانہ ماننا۔ ہاں دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع لائے اس کے رستے پر چلنا پھر تم کو میری طرف لوٹ کا آتا ہے۔ تو جو کام تم کرتے رہے میں سب سے تم کو آگاہ کروں گا (۵)۔ (لقمان نے یہ بھی کہا کہ) بیٹا اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پھر کے اندر یا آسمانوں میں (مخفی ہو) یا زمین میں اللہ اس کو قیامت کے دن لا موجود کرے گا، کچھ شک نہیں کہ اللہ باریک ہیں اور خبردار ہے (۶)۔ بیٹا نماز کی پابندی اور لوگوں کو اچھے کاموں کے کرنے کا امر اور بُری باتوں سے منع کرنے رہنا اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں (۷) اور (ازراء غرور) لوگوں سے گال نہ پھیلانا اور زمین میں اکڑ کرنہ چنانا کہ اللہ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا (۸)۔ اور اپنی چال میں اعتدال کئے رہنا اور (بولتے وقت) آواز پنچی رکھنا کیونکہ (آونچی آواز گدھوں کی سی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب سے بُری آواز گدھوں کی ہے (۹)۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پُوری کر دی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن (۱۰)۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا جھلا اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی) (۲۱)۔ اور جو شخص اپنے تین اللہ کا فرمان بردار کر دے اور نیکو کار بھی ہو تو اس نے مضبوط دست آویز ہاتھ میں لے لی۔ اور (سب) کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے (۲۲) اور جو کفر کرے تو اس کا کفر تمہیں غناہک نہ کر دے ان کو ہماری طرف لوٹ کر آتا ہے پھر جو کام وہ کیا کرتے تھے ہم ان کو جتا دیں گے۔ بے شک اللہ دلوں کی باتوں سے واقف ہے (۲۳)۔ ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے پھر عذاب شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے (۲۴)۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کر آسمانوں اور زمین کوں نے پیدا کیا تو بول انھیں گے کہ اللہ نے۔ کہہ دو کہ اللہ کا شکر ہے لیکن ان میں اکثر سمجھ نہیں رکھتے (۲۵)۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کا ہے۔ بے شک اللہ بے پروا اور سزا اور حمد (وشا) ہے (۲۶) اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ کی باتیں (یعنی) اس کی صفتیں ختم نہ ہوں۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے (۲۷)۔ (اللہ) کو تمہارا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے۔ بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے (۲۸) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند کو (تمہارے) زیر فرمان کر رکھا ہے۔ ہر ایک ایک وقت مقرر تک پہل رہا ہے اور یہ کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے (۲۹) یہ اس لئے کہ اللہ کی ذات برق ہے اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پا کارتے ہیں وہ لغو ہیں اور یہ کہ اللہ ہی عالی رتبہ (اور) گرامی قدر ہے (۳۰) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کی مہربانی سے کشتیاں دریا میں چلتی ہیں۔ تاکہ وہ تم کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائے۔ بیشک اس میں ہر صبر کرنے والے (اور) شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں (۳۱)۔ اور جب ان پر (دریا کی) لمبیں سامانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو اللہ کو پکارنے (اور) خالص اس کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جب وہ ان کو

نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو بعض ہی انصاف پر قائم رہتے ہیں اور ہماری نشانیوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو عہد شکن اور ناشکرے ہیں (۳۲)۔ لوگوں پے پروردگار سے ڈرد اور اس دن کا خوف کرو کر نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے۔ اور نہ بیٹا باپ کے کچھ کام آئے کے بیٹک اللہ کا وعدہ چاہے پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا (شیطان) تمیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کافریب دے (۳۳) اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی میند بر ساتا ہے۔ اور وہی (حالمہ کے) پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا۔ اور کوئی تنفس نہیں جانتا کہ کس سر زمین میں اُسے موت آئے گی۔ بے شک اللہ ہی جانے والا (اد) خبردار ہے (۳۴)۔

تفسیر سوره لقمان

کلمات: ۵۵۳، آمات: ۳۲، کی: ۷۵، رکوع: ۲

اس سورت کا نام مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے لیا گیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ أَتَيْنَا لِقُومَنَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرُ اللَّهَ﴾ (٣١) / نَفْرَانَ: ١٢)

اس سورہ کے دوسرے روئے میں لقمان حکیم کی فصیحتیں نقل کی گئی ہیں۔ حکمتوں بھری قرآن کی آیات سب لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی اہتماء میں فرمایا: کہ قرآن کی ہدایت سے صرف وہی لوگ مستفید ہوں گے جو خود طالب ہدایت ہوں۔

هُدَىٰ لِلْمُتَقْبِلِينَ

اس سوت میں توحید کے دلائل بیان کیے گئے ہیں اور کچھ روی اختیار کرنے والوں کا ردِ جو قرآن نہیں سنت بلکہ مشرکانہ قصے اور لہو و لعب نیز آلات موسیقی سے دلچسپی رکھتے ہیں اور سنتے ہیں۔ حق بات کو چھوڑ کر باطل بات کو اختیار کرتے ہیں۔ ”لہو الحدیث“ سے مراد ہر وہ بات یا کھیل وغیرہ جو انسان (مسلمان) کو اللہ کی یاد سے غافل کر دے۔ قرآن کے الفاظ ”لہو الحدیث“ کا مفہوم یہی ہے۔

خولة السموات: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اپنی قدرت کاملہ

سے اس ساری کائنات کو چلا رہا ہے۔ اور آسمان بغیر ستونوں کے قائم ہیں یا ایسے ستونوں پر قائم ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے۔

وَلَقَدْ أَتَيْنَا لِقْمَنَ الْحِكْمَةَ: حضرت لقمان محسین میں سے تھے لہذا انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے وقت شرک سے منع کیا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حقوق والدین کی نصیحت کی۔ مگر یہ یاد رکھو کہ اگر وہ تمہیں میرے ساتھ شرک کرنے پر مجبور کریں تو ان کی بات ہرگز ہرگز نہ مانتا کیونکہ شرک کی تعلیم میں نے کسی کو نہیں دی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”لَا طَاعَةُ لِأَحَدٍ فِي مُعْصِيَةِ اللَّهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ“ (بخاری و مسلم) ”اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت تو صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔“ لقمان نے اللہ تعالیٰ کے علم غیب کی وسعت بیان فرمائی۔ نماز باجماعت کی ادائیگی، اچھے کاموں کا حکم دینا، بے کاموں سے روکنا، مصائب برداشت کرنا، متنکر انہی حرکات و مزانج سے پرہیز کرنا، ضرورت سے زیادہ آواز بلند نہ کرنا کیونکہ سب سے ناپسندیدہ اور نکروہ آواز گدھے کی ہے۔

آلُّمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ اس بات کی دعوت دی گئی ہے کہ اپنے آباء و اجداد کی اندھی پیروی ترک کر دیں اور عقل سلیم کے استعمال سے تم لوگ آپ ﷺ کی تعلیم پر غور کرو اور دیکھو کہ ہر طرف کائنات اور خود ان کے نفس میں واضح آثار آپ ﷺ کی اس تعلیم کی سچائی کی گواہی دے رہے ہیں۔ درحقیقت وَلَيْشَنْ سَالَتُهُمْ مشرکین کا اعتراض کر زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، یہ کہ ساری کائنات کا اختیار اُسی کے قدر قدرت میں ہے اور وہی کارساز ہے۔

وَإِذَا غَشِيَّهِمْ مَوْجٌ: جب ان کی کشتیاں پانی کی موجودوں میں گھر جاتی ہیں تو یہ مشرکین خالص اللہ کو پکارنے لگتے ہیں اور کیونکہ پانی کی موجودوں کی طاقت اتنی ہو لانا کہ انسان صرف اپنی تدابیر کے بل بوتے پر بخیرو عافیت سفر نہیں کر سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی کشتیوں کو کنارے لگا دیتا ہے تو بہت کم لوگ اپنے کیے ہوئے وعدے پر قائم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا احسان یاد رکھتے ہیں۔

اَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمٌ السَّاعَةٌ: غَيْبٍ كَمَا مَرْسَى جَنٌ كَمَا اَنْسَانٌ كَمَا لَمْ يُعْلَمْ بِهِمْ ہو سکتا:

قیامت کا علم، نفع رسالے بارش کب ہوگی، رحم ما در میں کیا کچھ ہو سکتا ہے، وہ کل کیا کرے گا، وہ کہاں فوٹ ہوگا۔ غیب جملہ مخلوقات سے پوشیدہ اور اللہ تعالیٰ پر پروشن ہے۔

حروف مقطوعہ

تفسیر آیت: ۱۷

اَتَمْ: جیسے حروف مقطوعہ، جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں ان کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ ان کے معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں کسی اور کو معلوم نہیں، اس لئے ان حروف کی کوئی تفسیر نہیں۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہمیں نقل کیا ہے۔

بعض لوگ ان حروف کی تفسیر بھی کرتے ہیں۔ لیکن ان کی تفسیر میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ عبدالرحمن ابن زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ سورتوں کے نام ہیں۔ بعض عربی و ان کہتے ہیں کہ یہ حروف الگ الگ جواہر کیس ہیں ان میں سے چند ذکر کے باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسے کوئی کہے کہ میرا بیتاب بت لکھتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام اٹھا کیس حروف لکھتا ہے، لیکن ابتداء کے چند حروف ذکر کر دیے باقی کو چھوڑ دیا۔ سورتوں کے شروع میں اس طرح کے کل چودہ حرف آئے ہیں۔ (۱) ا (۲) ل (۳) م (۴) ص (۵) ر (۶) ک (۷) ه (۸) ی (۹) ع (۱۰) ط (۱۱) س (۱۲) ح (۱۳) ق (۱۴) ن۔ ان سب کو اگر ملا لیا جائے تو یہ عبارت بنتی ہے نص حکیم فاطح لہ سیر۔

تعداد کے لحاظ سے یہ حرف چودہ (۱۴) ہیں اور جملہ حروف چونکہ اٹھا کیس ہیں۔ جو حروف بیان کئے گئے یہ ان حروف سے جو نہیں لائے گئے زیادہ فضیلت والے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ اس کے کچھ نہ کچھ معنی یقیناً ہیں۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے معنے کچھ ثابت ہوں تو ہم وہ معنی کریں گے اور سمجھیں گے ورنہ جہاں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ معنی بیان نہیں کئے ہم بھی نہیں کریں گے اور ایمان لا کیں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حروف کے معانی وغیرہ کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں ملا۔ (تفسیر ابن کثیر)۔

یہ حروف مقطعات قرآن مجید کی بعض سورتوں کے آغاز میں پائے جاتے ہیں۔ جس زمانے میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اُس دور کے اسالیب بیان میں اس طرح کے حروف مقطعات کا استعمال عام طور پر معروف تھا۔ خطیب اور شعراء دونوں اس اسلوب سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ اب بھی کلام جاہلیت کے جو نمونے محفوظ ہیں ان میں اس کی مشابی ہمیں ملتی ہیں۔ اس استعمال عام کی وجہ سے یہ مقطعات کوئی چیستاں نہ تھے جس کو بولنے والے کے سوا کوئی نہ سمجھتا ہو، بلکہ سامعین بالعموم جانتے تھے کہ ان سے مراد کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خلاف نبی ﷺ کے ہم عصر مخالفین میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض کبھی نہیں کیا کہ یہ بے معنی حروف کیسے ہیں جو تم بعض سورتوں کی ابتداء میں بولتے ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام سے بھی ایسی کوئی روایت منقول نہیں ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے ان کے معنی پوچھتے ہوں۔ بعد میں یہ اسلوب عربی زبان میں متروک ہوتا چلا گیا اور اس پر مفسرین کے لیے ان کے معانی متعین کرنا مشکل ہو گیا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ نہ قرآن حروف کا مفہوم سمجھنے پر قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا انحصار ہے اور نہ بھی بات ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے معنی نہ جانے گا تو اس کے راہ راست پانے میں کوئی نقص رہ جائے گا۔ لہذا ایک عام ناظر کے لیے کچھ ضروری نہیں ہے کہ وہ ان کی تحقیق میں سرگردال ہو۔ (تفہیم القرآن ج: اول)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: جس طرح قرآن کریم میں اکثر قصے کئی کئی مرتبہ لائے گئے ہیں اور بار بار کھلے الفاظ میں بھی قرآن کے مثل لانے میں ان کی عاجزی کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض جگہ تو صرف ایک ایک حرف آیا ہے جیسے ص، ق، کہیں دو حرف آئے ہیں جیسے خم، کہیں تین حروف آئے ہیں جیسے اللّم، کہیں چار آئے ہیں جیسی الْمَرْ اور المض اور کہیں پانچ آئے ہیں جیسے تھیعنص اور خمopus اس لئے کلمات عرب کل کے کل اسی طرح پر ہیں یا تو ان میں ایک حرفاً لفظ ہیں یا دو حرفاً لفظ یا سه حرفاً یا چار حرفاً یا پانچ حرفاً کے، پانچ حرفاً سے زیادہ کے کلمات نہیں۔ جب یہ بات ہے کہ یہ حروف قرآن شریف میں بطور مجرم کے آئے ہیں تو ضروری تھا کہ جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں وہاں ذکر بھی قرآن کریم کا ہوا اور قرآن کی بزرگی و بڑائی کا بیان ہو۔

آیات مکہمات و متشابہات

”غمکمات“ وہ کیا ہے جن کے معنی ایک ہیں، صاف اور واضح ہیں اور احادیث مبارکہ سے ثابت شدہ ہیں۔ مشاہدات وہ آیتیں ہیں جن میں کئی معنوں کا احتمال ہوتا ہے، حقیقت میں مراد تو ایک ہی معنی ہوتے ہیں جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ ایسی آیتوں کے معنی اپنی رائے سے کرنا حرام ہے اور نیز اپنی رائے سے معنی کرنے میں لوگ مگر ادا ہوتے

ہیں۔ بعض نے کہا کہ ”تشابہات“ وہ آیات ہی جن کے معنی معلوم نہیں ہو سکتے جیسے ”حروف مقطعات“ جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ”حکمات پر عمل کرو اور تشابہات پر ایمان رکھو۔“

(از مولانا فتح محمد جالندھری، آل عمرن: ۳، ۷)

آیات: ۵-۶

سورۃ لقمان کی ابتدائی آیات میں بھی قیام صلواۃ، ایتائے زکوۃ اور ایمان بالآخرت متقین کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ درحقیقت کی دو ریاضیات میں عقیدہ توحید، رسالت اور آخرت پر زیادہ FOCUS کیا گیا تھا۔

ایک مسلمان میں کم از کم یہ تین صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور یہ مسلمان کے لئے نمائندہ صفات بھی ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایسی آیات موجود ہیں جن میں متقین کی ایسی ہی صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قرآن مجید ایسے ہی لوگوں کے لئے کامل شفاء اور آخرتی فلاح کا خامنہ ہے۔

محسین کون لوگ ہیں؟ جو ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں، جو صدر حجی کرتے ہیں، حسن سلوک کرتے ہیں، نیز احسان اور سخاوت کرتے ہیں۔ تو یوں وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن مجید وحی کے ذریعہ آپ پر نازل ہوا یہ پوری انسانیت کے لئے ہدایت اور فلاح کا خامنہ ہے۔

سورۃ القرۃ کی ابتدائی آیات میں فرمایا：“یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلام اللہ ہے، اللہ اللہ سے) ڈرنے والوں کی رہنمائی ہے۔ جو لوگ، غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور آداب کے ساتھ نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب (اے محمد ﷺ) آپ پر نازل کی گئی اور جو کتاب میں آپ ﷺ سے قبل (پیغمبروں) پر نازل ہوئیں، سب پر ایمان لاستے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔“

اس کا ایک سیدھا سادا مطلب تو یہ ہے کہ ”بیشک یا اللہ کی کتاب ہے“ مگر ایک

مطلوب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک کی کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا میں جتنی کتابیں امور ما بعد الطیبیت اور حقائق مادراہ اور اک سے بحث کرتی ہیں وہ سب قیاس و گمان پر مبنی ہیں، اس لیے خود ان کے مصنف بھی اپنے بیانات کے بارے میں شک سے پاک نہیں ہو سکتے خواہ وہ کتنے ہی یقین کا اظہار کریں۔ لیکن یہ ایسی کتاب ہے جو سراسر علم حقیقت پر مبنی ہے، اس کا مصنف وہ ہے ہوتا ہم حقیقوں کا علم رکھتا ہے، اس لیے فی الواقع اس میں شک کے لیے کوئی جگہ نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ انسان اپنی نادانی کی بنا پر اس کے بیانات میں شک کریں۔

یعنی یہ کتاب ہے تو سراسر ہدایت و رہنمائی، مگر اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی میں چند صفات پائی جاتی ہوں، ان میں سے اولین صفت یہ ہے کہ آدمی پر ہیزگار ہو، بھلائی اور برائی میں تمیز کرتا ہو۔ برائی سے بچنا چاہتا ہو۔ بھلائی کا طالب ہو اور اس پر عمل کرنے کا خواہش مند ہو۔ رہنے والے لوگ جو دنیا میں جانوروں کی طرح جیتے ہوں جنہیں بھی یہ فکر لاحق نہ ہوتی ہو کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں، بس جدھر دنیا چل رہی ہو، یا جدھر خواہش نفس دھکیل دے، یا جدھر قدم اٹھ جائیں، اسی طرف چل پڑتے ہوں، تو ایسے لوگوں کے لیے قرآن میں کوئی رہنمائی نہیں ہے۔ یہ قرآن سے فائدہ اٹھانے کے لیے دوسری شرط ہے۔

”غیب“ سے مراد وہ حقیقتیں ہیں جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہیں اور کبھی براہ راست عام انسانوں کے تجربہ و مشاہدہ میں نہیں آئیں۔ مثلاً خدا کی ذات و صفات، ملائکہ، دحی، جنت، دوزخ وغیرہ، ان حقیقوں کو بغیر دیکھنے کا مانا اور اس اعتقاد پر ماننا کہ نبی ﷺ کی خبر دے رہا ہے، ایمان بالغیب ہے۔ آیت کامطلب یہ ہے کہ جو شخص ان غیر محضوں حقیقوں کو ماننے کے لیے تیار ہو صرف وہی قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ رہادہ شخص جو ماننے کے لیے دیکھنے اور پچھنچنے کی شرط لگائے، اور جو کہے کہ میں کسی ایسی چیز کو نہیں مان سکتا جو ناپی اور تو لی نہ جاسکتی ہو تو وہ اس کتاب سے ہدایت نہیں پا سکتا۔ یہ تیری شرط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صرف مان کر بیٹھ جانے والے ہوں وہ

قرآن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ایمان لانے کے بعد فوراً ہی عملی اطاعت کے لیے آمادہ ہو جائے اور عملی اطاعت کی اوپرین علامت اور داگی علامت نماز ہے۔ ایمان لانے پر چند گھنٹے بھی نہیں گزرتے کہ موزون نماز کے لیے پکارتا ہے اور اسی وقت فیصلہ ہو جاتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والا اطاعت کے لیے بھی تیار ہے یا نہیں۔ پھر موزون ہر روز پانچ وقت پکارتا رہتا ہے اور جب بھی انسان اس کی پکار پر لبیک نہ کہے اسی وقت ظاہر ہو جاتا ہے کہ مدعاً ایمان اطاعت سے خارج ہو گیا ہے۔ پس ترک نماز دراصل ترک اطاعت ہے، اور ظاہر بات ہے کہ جو شخص کسی کی ہدایت پر کار بند ہونے کے لیے ہی تیار نہ ہوا س کے لیے ہدایت دینا اور نہ دینا یکساں ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اقامۃ صلوٰۃ ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس کے معنی صرف ہی نہیں ہیں کہ آدمی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی طور پر نماز کا نظام باقاعدہ قائم کیا جائے۔ اگر کسی بستی میں ایک ایک شخص انفرادی طور پر نماز کا پابند ہو، لیکن جماعت کے ساتھ اس فرض کے ادا کرنے کا ظلم نہ ہو تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں نماز قائم کی جا رہی ہے۔

یہ قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کے لیے چوتھی شرط ہے کہ آدمی تنگ دل نہ ہو، زر پرست نہ ہو، اس کے مال میں خدا اور بندوں کے جو حقوق مقرر کیے جائیں انہیں ادا کرنے کے لیے تیار ہو، جس چیز پر ایمان لا یا ہے اس کی خاطر مالی قربانی کرنے میں بھی درلنگ نہ کرے۔

یہ پانچویں شرط ہے کہ آدمی اُن تمام کتابوں کو برق تسلیم کرے جو وحی کے ذریعے سے خدا نے محمد ﷺ اور ان سے پہلے کے انبیاء پر مختلف زمانوں اور ملکوں میں نازل کیں۔ اس شرط کی بناء پر قرآن کی ہدایت کا دروازہ اُن سب لوگوں پر بند ہے جو سرے سے اس ضرورت ہی کے قائل نہ ہوں کہ انسان کو خدا کی طرف سے ہدایت ملتی چاہیے، یا اس ضرورت کے تو قائل ہوں مگر اس کے لیے وہی ورسالت کی طرف رجوع کرنا غیر ضروری سمجھتے ہوں اور خود کچھ نظریات قائم کر کے انہی کو خدائی ہدایت قرار دے بیٹھیں، یا آسمانی

کتابوں کے بھی قائل ہوں، مگر صرف اُس کتاب یا اُن کتابوں پر ایمان لا میں جنمیں ان کے باپ دادا مانتے چلے آئے ہیں، رہیں اُسی سرچشے سے نکلی ہوئی دوسرا ہدایات تو وہ اُن کو قبول کرنے سے انکار کر دیں۔ ایسے سب لوگوں کو الگ کر کے قرآن اپنا چشمہ، فیض صرف اُن لوگوں کے لیے کھوتا ہے جو اپنے آپ کو خدا کی ہدایات کا محتاج بھی مانتے ہوں، اور یہ بھی تسلیم کرتے ہوں کہ خدا کی یہ ہدایت ہر انسان کے پاس الگ الگ نہیں آتی بلکہ انہیاء اور تک پ آسمانی کے ذریعے سے ہی خلق تک پہنچتی ہے اور پھر وہ کسی نسلی و قومی تعصّب میں بھی مبتلا نہ ہوں بلکہ خالص حق کے پرستار ہوں، اس لیے حق جہاں جہاں جس شکل میں بھی آیا ہے اس کے آگے سر جھکا دیں۔ یہ چھٹی اور آخری شرط ہے۔

”آخرت“ ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے۔ اس میں حسب ذیل عقائد شامل ہیں۔

۱۔ یہ کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لیے خدا کے سامنے جواب دہے۔

۲۔ یہ کہ دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں ہے بلکہ ایک وقت پر، جسے صرف خدا ہی جانتا ہے، اس کا خاتمه ہو جائے گا۔

۳۔ یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتدائے افرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی، یہک وقت دوبارہ پیدا کرے گا اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا، اور ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا پورا بدل دے گا۔

۴۔ یہ کہ خدا کے اس فیصلے کی رو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بدثہریں گے وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

۵۔ یہ کہ کامیاب و ناکامی کا اصلی معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی و بدحالی نہیں ہے، بلکہ در حقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ثہرے اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو۔

عقلاء کے اس مجموعے پر جن لوگوں کو یقین نہ ہو، وہ قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، کیونکہ ان باتوں کا انکار تو درکنار، اگر کسی کے دل میں ان کی طرف سے شک اور تذبذب کی کیفیت بھی ہو، تو وہ اس راستے پر نہیں چل سکتا جو انسانی زندگی کے لیے قرآن نے تجویز کیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج: اول)

آیات: ۶۔۔۔۔۔ لہو والحدیث

شان نزول: کفار کمہ نے آپ ﷺ کی دعوت کو روکنے کے لئے کئی گھاؤنے طریقے استعمال کیے۔ ان میں سے ایک ”لہو الحدیث“ بھی ہے۔ اس میں نظر بن حارث کا کرواز ابوالہب سے بالکل جدا گانہ تھا۔ وہ خود مصر گیا وہاں سے بادشاہوں کے حالات اور رسم و اسناد یار کے قصے سیکھے اور آلات موسيقی اور چند لوٹیاں خریدیں۔ جس شخص کے بارے میں اُسے معلوم ہوتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف مائل ہونے لگا ہے وہ اُسے قصے کہانیاں سناتا اور اس پر ایک لوٹڑی بھی مسلط کر دیتا کہ وہ لوٹڑی اُسے کھلانے پلائے اور اس کی فکر کارخ موزدے۔ یہ تقریباً وہی چالیس تھیں جن سے سابقہ اقوام کے بڑے بڑے رؤسا (مجرمین) ہر زمانے میں کام لیتے رہے۔

کفار کمہ کے بڑے بڑے سرداروں (ابوالہب، ابو جبل، عتبہ، نظر بن حارث وغیرہ) نے ماحول ہی ایسا بنا دیا تھا کہ آپ ﷺ کے لئے قرآن شانا بہت ہی مشکل ہو گیا تھا۔ قرآن مجید نے اس ماحول کی کیفیت بیان کی ہے۔

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءَ وَتَصْدِيَةً فَذُوقُوا﴾

العذاب بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٨﴾ (الانفال: ٣٥)

”اُن لوگوں (کافروں) کی نماز خانہ کعبہ کے پاس شخص سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی، سو جو تم کفر کرتے تھے اب اس کے عذاب (کامہ) چکھو۔“

ایک اور آیت میں فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغُوا فِيهِ لَعْلَكُمْ﴾

تَغْلِيْبُوْنَ ﴿٤١﴾ / خم السجدة: ۲۶)

”اور کافر کہنے لگے کہ اس قرآن کو سنائی نہ کرو اور (جب وہ پڑھنے لگیں تو) شور مچا دیا کروتا کہ تم غالب رہو۔“

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا:

﴿وَإِذَا قِرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا الْعَلَّامُ تُرْحَمُونَ﴾

(الاعراف: ۲۰۴) / ۷

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنائی کرو اور خاموش رہا کروتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

”لہو الحدیث“ سے مراد ہر وہ کلام، کھیل یا تماشا، لی وی، سینما گھروں اور کلب وغیرہ کی تقریبات نیز موسیقی و آلات موسیقی اور نرم موسم مشاغل وغیرہ ہیں جن کا اطلاق بُری اور فضول اور بیہودہ باقتوں پر ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ احادیث مبارکہ سے متrouch ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خوشی یعنی شادی کے موقع پر ”وف“ بجائے اور معروف (بہادری وغیرہ) اشعار سنانے کی اجازت دی ہے تاکہ غنی و خوشی کا فرق واضح ہو جائے۔

دیگر آیات کی تفسیر

یہی لوگ کلام اللہ کوں کرنے کا فرع حاصل کرنے سے باز رہتے ہیں اور گانے بجائے ڈھول اور آلات موسیقی وغیرہ سنتے ہیں چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قسم اللہ تعالیٰ کی اس سے مراد گانا اور اور راگ ہے۔ یہی قول حضرت ابن عباس، جابر، سعید بن جبیر، مجابد، عمر و بن شعیب رضی اللہ عنہم کا ہے۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ باطل کی بات کو حق پر پسند کر لے اور نقصان کی چیز کو فرع کی بات لئے یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ باطل کی بات کو حق پر پسند کر لے اور نقصان کی چیز کو فرع کی بات پر مقدم کر لے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ گانے والیوں کی خرید و فروخت حلال نہیں اور ان کی قیمت کا کھانا حرام ہے۔ انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ (ابن ابی حاتم) ایسا شخص لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکاتا ہے اس لئے کہ اس کے دل میں بغرض و عناد کوٹ کوٹ

کر بھرا ہوا ہے اور اس نکے پاس کوئی علمی دلیل نہیں ہے۔ نیز یہ کہ وہ اس قدر جاہل ہے کہ راہ ہدایت کے عوض تباہ کن عذاب خرید رہا ہے۔

امام ابن جریر رض رضی اللہ عنہ کھتہ ہیں کہ ہر وہ کلام جو کلام اللہ سے اور اتباع شریعت سے رو کے وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ یہ لوگ آیات کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ اور ہر باطل اور بیہودہ بات کی بیروی کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر راہ راست سے بہکاتے ہیں۔ جس طرح انہوں نے اللہ کی کتاب کی اہانت کی قیامت کے دن ان کی اہانت ہو گی اور خطرناک عذاب میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔ یہ کہ ایسا شخص جو قرآن کی آیتوں سے بھاگتا ہے، بلکہ آیات کا سمنا اسے ناگوار گزرتا ہے اور وہ اسے فضول کلام قرار دیتا ہے اس لئے وہ ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو بدکاری، ریشم، شراب، آلاتِ موسیقی اور گانے بجائے کوحل کر لیں گے۔

(بخاری، حدیث نمبر: 1934)

حضرت انس رض سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص گانے والی کی محفل میں بیٹھے گا اور اس کا گانا وغیرہ سنے گا قیامت کے روز اس کے کان میں پکھلا ہوا سیسے ڈالا جائے گا۔ (احکام القرآن لابن العربی)

آیات: ۹۸-۹۹

نیک لوگوں کا انعام بیان ہو رہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے بھیجے ہوئے انبیاء کرام کو مانتے رہے، شریعت کی ماتحتی میں نیک کام کرتے رہے انہیں لوگوں کے لئے جنتیں ہیں جن میں طرح طرح کی نعمتیں، لذیذ عذائیں، بہترین پوشائیں، عمر و عمدہ سواریاں، پاکیزہ بیویاں ہیں۔ وہاں انہیں اور ان کی نعمتوں کو پیش کی ہے کبھی زوال نہیں۔ وہ کریم ہے، حسن ہے اور منعم حقیقی ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔ سب کچھ اس کے قبضے میں ہے، حکیم ہے، کوئی کام، کوئی بات، کوئی فیصلہ خالی از حکمت نہیں۔

آیات: ۱۰۰-۱۰۱

اللہ بجا نہ و تعالیٰ ائمی قدرست کا ملکہ کا بیان فرمار رہا ہے کہ زمین و آسمان اور ساری مخلوق ملک دلائل و برایین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور تمام کائنات کا خالق صرف وہی ہے۔ آسمان کو اس نے بغیر ستون اور چار کھاہے۔ حقیقت میں کوئی ستون نہیں یا یہ کہ ستون ہمیں نظر نہیں آتے۔ اور ”سماء“ سے مراد بلندی اور آسمان بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ (۲۲/ البقرة)

”اور اس نے آسمان (بلندی) سے بارش نازل کی۔“

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ إِنَّ الْحَوَافِبَ﴾ (۳۷/ والصفات)

”بیشک، ہم نے ہی آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کیا۔“

﴿ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوْهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ﴾ (۲۹/ البقرة)

”پھر (اللہ) آسمان کی طرف متوجہ ہوا نہیں سات آسمان بنادیا۔“

نیز یہ کہ زمینیں بھی سات ہیں، فرمایا:

﴿أَكَلَهُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِنْهُنَّ﴾

(۱۲/ الطلاق)

”وہی اللہ ہے جس نے سات آسمان اور ویسی ہی سات (زمینیں پیدا کیں)۔“

زمین کو مضبوط کرنے کے لئے اور بلند جلنے سے بچانے کے لئے اس نے اس میں پہاڑوں کی میخین گاڑ دیں کہ وہ تمہیں زلزلے اور جنبش سے بچائے۔ اس میں قسم قسم کے جاندار اس خالق حقیقی نے پیدا کئے۔ کہ آسمان سے بارش اتنا کر رہیں میں سے طرح طرح کی پیدا اور اگادی جو دیکھنے میں خوش منظر، کھانے میں بے ضرر اور خوش ذائقہ، لفغ میں بہت بہتر۔ اللہ تعالیٰ کی یہ ساری مخلوق تو تمہارے سامنے ہے اب جنمیں تم اس کے سوابو بجتے ہو ذرا بتاؤ تو ان کی مخلوق کہاں ہے؟ اور جب وہ خالق نہیں تو معبدوں نہیں۔ پھر ان کی عبادت کرنا سراسر ظلم اور سخت ناصافی ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں سے زیادہ اندھا، بہرا، بے عقل، بے علم اور کون ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی الٰہیت میں شریک ٹھہرانا صریحاً ظالمانہ عقیدہ ہے۔

آیت ۱۲

حضرت لقمان نبی تھے؟ اکثر کی یہ رائے ہے کہ آپ نبی نہ تھے پر ہیز گار، ولی اور اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے تھے۔ حضرت لقمان عرب میں حکیم (ودانا) کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ اہل عرب کے پاس ان کے اقوال، کام محمود بنام ”صحیفہ لقمان“ موجود تھا نیز آپ نے سیدنا داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ جنہی غلام تھے اور بڑھنی تھے۔ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کو حکمت عطا ہوئی تھی لیکن نبوت نہیں ملی تھی۔

یہ بھی مروی ہے کہ لقمان بنی اسرائیل میں قاضی تھے اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بلندی کی وجہ یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور امانت کی ادائیگی اور کلام کی سچائی اور بے فائدہ کاموں کا چھوڑ دینا۔

آپ (لقمان) نے فرمایا آنکھیں حرام چیزوں سے بند کرلو۔ زبان بیہودہ با توں سے روک لو۔ مال حلال کھایا کرو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔ زبان سے سچی بات بولا کرو۔ وعدے کو پورا کیا کرو۔ مہماں کی عزت کرو۔ پڑوی کا خیال رکھو۔ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دو۔ انہی عادتوں کی وجہ سے میری بزرگی ہوئی ہے۔

حضرت لقمان خوش خلق، خاموش، غور و فکر کرنے والے گہری نظر والے، دن کو نہ سونے والے تھے۔ وہ بادشاہوں اور امیروں نے پاس اس لئے جاتے تھے کہ غور و فکر اور عبرت و نصیحت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نُفَسِِّهِمْ يَمْهُدُونْ ۵۰﴾ (الروم: ۴۴)

”اور جس نے نیک عمل کیے تو ایسے لوگ اپنے لئے ہی آرام گاہ درست کرتے ہیں۔“

یہاں فرمان ہے کہ اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ناشکری ضرر نہیں پہنچاتی وہ اپنے بندوں سے بے پرواہ ہے۔ شکر میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ وہ توجہ اور

مہربانی سے اپنی طرف کھینچتا ہے: فرمایا:
 ﴿وَإِذَا دَأْنَ رِبُّكُمْ لَيْسَ شَكْرُتُمْ لَا زِيْدَ نَعْمُ وَلَيْسَ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (۱۴ / ابرہیم: ۷)

”اور جب تمہارے رب نے تم کو آگاہ کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو) میرا عذاب بہت سخت ہے۔“

سب اس کے محتاج ہیں وہ سب سے بے نیاز ہے۔ ساری زمین والے بھی اگر کافر ہو جائیں تو اس کا کچھ نہیں بلگاڑ سکتے، وہ سب سے غنی ہے اس کے سوا کوئی معبد نہیں، ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔

آیت: ۱۳۱

اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کا ذکر اچھائی سے کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ انہیں حکمت عطا کی گئی تھی۔ انہوں نے اپنے لڑکے کو مفید ضروری اور عمده نصیحتیں کیں۔ ظاہر ہے کہ اولاد سے زیادہ پیاری چیز انسان کو اور کوئی نہیں ہوتی اور انسان اپنی بہترین اور انمول چیز اپنی اولاد کو دینا چاہتا ہے۔ تو سب سے پہلے یہ نصیحت کی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اس کے ساتھ کسی کوششیک نہ پھرانا۔ یاد رکھو اس سے زیادہ ظلم اور کوئی نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ جب آیت الّذِينَ امْنُوا وَلَمْ يَلِسْوَا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الانعام: ۸۲) اتری تو اصحاب نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ بِظُلْمٍ ہم میں سے وہ کون ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو؟ تو آپ نے فرمایا ظلم سے مراد عام گناہ نہیں ہیں بلکہ ظلم سے مراد وہ ظلم ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بنجے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ پھرانا یہ بڑا بخاری ظلم ہے۔

(بخاری، ج ۶ ص ۷۱)

شرک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کوئی خالق و مالک و رزاق مانا اور عبادات میں سے کوئی عبادت غیر اللہ کے لئے بجالانا۔ واضح رہے کہ توحید کی تین فتنہیں ہیں:

۱) **توحیدِ ربوبیت:** توحیدِ ربوبیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے تمام افعال میں یکتا مانا یعنی وہی اکیلا پوری کائنات کا خالق و مالک اور تمام مخلوقات کا رزاق ہے۔ وہی پوری دنیا کے نظام کو چلارہا ہے یعنی مذہبِ الامور ہے۔

۲) **توحیدِ الوہیت:** اس سے مراد یہ ہے کہ عبادات میں اللہ تعالیٰ کو یکتا مانا جائے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”آپ کہہ دستجھے کہ یقیناً میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا منایہ سب اللہ ہی کے لئے ہے جو کہ رب العالمین ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۱۶۲: ۶/ الانعام)

۳) **توحیدِ الاسماء والصفات:** اس سے مراد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء و صفات میں جو اس نے اپنے لئے ذکر کیے ہیں یا اس کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لئے ذکر کیے ہیں، یکتا مانیں۔ اور اس طرح مانیں جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”اور اچھے اچھے نام اللہ کے لئے ہی ہیں۔ لہذا تم ان ناموں سے ہی اللہ کو پکار کرو۔“ (۷/ الأعراف: ۱۸۰)

اہل مکہ (کفار) کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو جو صحیتیں کیں ان میں سرفہrst ”شرک“ ہے، کیونکہ اللہ کا اپنے بندے پر سب سے بڑا حق یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے۔ یہی بات آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمائی کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا میں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جب بندہ شرک نہ کرتا ہو تو اللہ اسے عذاب جہنم نہ دے۔

(بخاری، ج ۴ ص ۳۵)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فصیحت کی کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرنا، فرمایا: **«وَقَضَى رَبُّكَ أَلَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا»** (۱۷/ بنی اسرائیل: ۲۳) اور تیرازب یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی تم عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک و احسان کرتے رہو۔

فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدِينِ إِحْسَانًا﴾

(٤) / النساء: (٣٦)

”اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔“

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدِيهِ حُسْنًا﴾ (٢٩) / العنكبوت: (٨)

”اور ہم نے انسان کو اس کے اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔“

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ متصل والدین کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح احادیث صحیح سے ثابت ہے کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ”عقوق والدین“ شمار کیا گیا ہے۔ عقوق سے مراد صرف نافرمانی ہی نہیں بلکہ اولاد کا ہر وہ فعل ہے جس سے والدین کو جسمانی، ذہنی اور روحانی اذیت پہنچے۔ اس لئے قرآن نے والدین کے ساتھ نیک سلوک کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے استفسار پر آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کی بروقت ادا نیکی، پھر میں نے پوچھا تو فرمایا: ماں باب سے اچھا سلوک کرنا.....، بخاری)۔ ”وَهُنَّ“ کے معنی مشقت، تکلیف، ضعف وغیرہ کے ہیں۔ ایک تکلیف تتحمل کی ہوتی ہے جسے ماں برداشت کرتی ہے۔ پھر دو سال تک اسے دودھ پلاتی ہے اور اس کی پرورش میں لگی رہتی ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادُهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتَمَّمَ الرَّضَاعَةُ﴾ (٢) / البقرہ: (٢٢٣) ”اور ماں میں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلانا چاہے۔“ ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَحَمْلَةٌ وَفَصْلُهُنَّ لَلْشُوْنَ شَهْرًا﴾ (١٥) / الاحقاف: (٣٦) ”اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا دھانی برس میں ہوتا ہے۔“ ماں کی اس تکلیف کو اولاد کے سامنے اس لئے ظاہر کیا جاتا ہے کہ اولاد اپنی ماں کی ان مہربانیوں کو یاد کر کے شکر گزاری، اطاعت اور احسان کرے۔ ایک اور آیت میں

فرمان ہے:

﴿وَأَخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الدَّلَلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا﴾

گَمَّا رَبَّيْنِيْ صَغِيرًا (۲۴ / بنی اسرائیل)

”اور عجرو نیاز سے ان کے آگے بھکر رہا اور ان کے حق میں دعا کرو کر اے

پروردگار جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت) سے پرورش کیا ہے تو

بھی ان کے (حال) پر رحمت فرم۔“

ماں راتوں کو جاگ جاگ کر اپنے بچے کے آرام پر اپنا آرام اور اپنا سب کچھ قربان

کر دیتی ہے اسی لئے آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((الجنة تحت اقدام الامهات)) (احمد، نسائي، بهيقى)

”جنت ماوس کے قدموں کے نیچے ہے۔“

”اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا مندی میں ہے اور اللہ کی نار افسکی والدین

کی نار افسکی میں ہے۔“ (ترمذی)

((إنَّ اللَّهَ حَرَمَ عَلَيْكُمْ حُوقُوقَ الْأَمَهَاتِ)) (متفق عليه)

”بیشک اللہ تعالیٰ تھہاری لئے ماوس کی نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے“

ماں کو ستانا، خاص اس لئے کہا کہ یہ مامتا کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہے اس لئے باپ

سے زیادہ حق رکھتی ہے۔ لہذا بیوی یا کسی اور وجہ سے ماں کو ستانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

اس لئے یہاں پر فرمایا کہ تم میرے اور اپنے ماں باپ کے احسان مندر ہو۔ یاد رکھو

کہ آخر لوثنا تو میری ہی طرف ہے یعنی اگر میری اس بات کو مان لیا تو پھر پور جزا دوں گا۔

والدین اللہ کی بہت بڑی فتحت ہیں ان کی خدمت کر کے جنت حاصل کر لینی چاہیے جب کہ

خاص طور پر بڑھاپے میں انہیں خدمت کی زیادہ احتیاج ہوتی ہے آپ ﷺ کا فرمان

ہے: والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے (متفق عليه)

حضرت عبد اللہ بن عمر وابن العاص رضی اللہ عنہما رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص اپنے والدین کو گالی دے،“

عرض کیا گیا، کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
ہاں: وہ کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو دوسرا جواباً اس کے باپ کو گالی دیتا
ہے، وہ کسی کی والدہ کو گالی دیتا ہے اور جواباً دوسرا اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

(متفق علیہ)

یعنی اگر گالی دیتا ہے یا گالی اپنے والدین کو دلواتا ہے تو گویا اس نے اپنے ماں باپ
کو گالی دی۔

جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کا امیر بنا کر بھیجا آپ نے
خطبہ پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کے بعد فرمایا میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا
بھیجا ہوا آیا ہوں۔ یہ پیغام لے کر تم ایک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو
شریک نہ کرو، تم سب کو لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے۔ پھر یا تو جنت ملے گی یا جہنم ٹھکانا ہو
گا۔ پھر اللہ فرماتا ہے اگر تمہارے ماں باپ تمہیں اسلام کے سوا اور دین قبول کرنے کو ہیں۔
خبردار، تم ان کی بات مان کر ہرگز میرے ساتھ شریک نہ کرنا۔ لیکن یہ کہ تم ان کے ساتھ
سلوک و احسان کرنا چھوڑ دو، کیونکہ والدین کے ساتھ کسی قسم کی گستاخی کی اجازت نہیں ہے
 بلکہ دنیوی حقوق جو تمہارے ذمہ ان کے ہیں ادا کرتے رہو۔ اور دین دار لوگوں کی تابع داری
کرو جو میری طرف رجوع کر چکے ہیں۔ یاد رکھو تم سب لوٹ کر ایک دن میرے سامنے آنا
ہے، اس دن میں تمہارے تمام تر اعمال کی خبر دوں گا۔

آیات: ۱۹، ۲۰، ۲۱: حضرت اقمان کی اور صیتیں یہ ہیں، فرماتے ہیں کہ برائی، ظلم اگر چہ رائی
کے دانے کے برابر ہو پھر وہ خواہ کتنا ہی پوشیدہ ہو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے پیش کرے
گا۔ اور ساری چیزیں میزان میں رکھی جائیں گی اور ان کا بدلہ دیا جائے گا۔ نیک کام پر جزا
ملے گی اور بد اعمال پر سزا۔ جیسے فرمان ہے:

«وَنَصْرُ الْمُوَازِينَ الْقِسْطُ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا»

(الانبیاء: ۴۷)

”اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے تو کسی شخص کی ذرا

بھی حق تلقی نہ کی جائے گی۔“

اور آیت میں ہے:

﴿قَمْ يَعْمَلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ (الزلزال: ۷، ۸)

”تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر رانی کی ہوگی وہ اس سے دیکھ لے گا۔“

خواہ وہ نیکی یا بدی کسی مکان میں، محل، قلعے، پتھر کے سوراخ، آسمانوں کے کونوں، اور زمین کی تہہ میں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ اسے لا کر پیش کرنے گا، وہ بڑے باریک علم والا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس پر ظاہر ہے، اندھیری رات میں چیزوں کی جل رہی ہو اس کے پاؤں کی آہٹ کا بھی وہ علم رکھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی عمل کرے کسی بے سوراخ پتھر کے اندر جس کا نہ کوئی دروازہ ہونہ کھڑکی، اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کر دے گا (مند احمد) حضرت لقمان اپنے بیٹے میں تقویٰ کی صفات پیدا کرنا چاہتے تھے اس لئے کہا، بیٹے انماز کا خیال رکھنا، اس کے فرائض اور اوقات وغیرہ کی پوری حفاظت کرنا۔ اپنی طاقت کے مطابق پوری کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تبلیغ کرتے رہنا۔ یعنی امر بالمعروف و نهى عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہنا۔ اور چونکہ نیکی کا حکم، بدی سے روکنا ایسا کام ہے جو عموماً لوگوں کو کڑوالگتا ہے اور حق گو شخص سے لوگ دشمنی رکھتے ہیں، ایسی صورت حال پیغمبروں کے ساتھ بھی ہوتی رہی ہے، اس لئے ساتھ ہی فرمایا کہ لوگوں سے جو ایذا اور بھیث پہنچے اس پر صبر کرو، وہ حقیقت اللہ تعالیٰ کی راہ میں نیکی شمشیر کی ماندرا رہنا اور حق پر مصیبیں جھیلتے ہوئے جو اس مردی کا ثبوت دینا ہی مومن کی نشانی ہے۔

پھر فرماتے ہیں اپنا منہ لوگوں سے نہ موڑ، تاکہ انہیں حقیر سمجھنے لگو یا اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر لوگوں سے تکہرنا کرنا۔ بلکہ نرمی اور خوش خلقی سے پیش آنا اور خداہ پیشانی سے بات کر۔ حدیث میں ہے:

بسمك فی وجه اخیک صدقۃ۔ (ترمذی: ۱۹۰۶)
”کسی مسلمان بھائی سے تو کشادہ پیشانی سے مل لے تو یہ بھی تیری بہت بڑی
نیکی ہے، خندہ پیشانی سے سلام کرنا بھی نیکی ہے۔“

القمان ﷺ اپنے بچے کو تکبر نہ کرنے کی وصیت کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ
کے بندوں سے تحریر آمیز روایہ اختیار کرو اور مسکینوں سے بات کرنے میں بھی عار حسوس کرو،
کیونکہ بے رخی اختیار کرتے ہوئے بات کرنا بھی غرور میں داخل ہے۔ لہجہ بدلت کر گھمنڈ
بھرے الفاظ سے بات چیت کی بھی ممانعت ہے۔ ”صغر“ ایک بیماری ہے جو ادنوں کی
گردن میں یا سر میں ظاہر ہوتی ہے اور اس سے گردن بھی شیرہ ہو جاتی ہے۔ اس سے محاورہ
لکھا ہے ”فلان صغر خدّه“، ”کفلا شخص نے اونٹ کی طرح اپنا گال پھیر لیا، یعنی
”تکبر“ کے ساتھ پیش آیا۔ اور عرب عموماً تکبر کے موقعہ پر صغر کا محاورہ استعمال کرتے ہیں۔
زمین پر غرور و تکبر سے نہ چلو یہ چال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند رکھتا
ہے جو خود بین، ملکیت، سرکش اور فخر و غرور کرنے والے ہوں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَمْسِحُ فِي الْأَرْضِ مَوَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَنْلُغَ

الْجَبَالَ طُولاً﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۳۷)

”یعنی، اگر کرز میں پرنہ چلو نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پھاڑوں کی لمبائی کو
پہنچ سکتے ہو۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ میں تواضع اختیار کرو کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ
کوئی کسی پر زیادتی کرے (مسلم)۔ لہذا تواضع اور انس و محبت کے ساتھ برداشت کرنا پسندیدہ
عمل ہے۔ حضور ﷺ کے سامنے ایک مرتبہ تکبر کا ذکر آگیا تو آپ ﷺ نے اس کی بڑی
نہ مرت فرمائی۔ اس پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ جب میں کپڑے دھوتا
ہوں اور خوب سفید ہو جاتے ہیں تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں تو میں ان سے خوش ہوتا ہوں۔
اس طرح جوتے میں اچھا تمہے بھلا لگتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تکبر نہیں ہے۔ تکبر اس کا
نام ہے کہ تو حق کو حیر سمجھے اور لوگوں کو ذلیل خیال کرے، چال میں میانہ رو ہونا اور شیریں

گفتار ہونا اعلیٰ شخصیت کی علامتیں ہیں۔ اے بیٹے یاد رکھو کہ بدترین آواز گدھے کی ہے، جو پوری طاقت کے ساتھ بے سود چلاتا ہے، گویا ضرورت سے زیادہ بلند اور کریمہ آواز سے گفتگو کرنا آداب کلام اور صنِ معاشرت کے خلاف ہے۔ آواز کی پستی یا بلندی حقیقی اور فطری ضرورت کے لحاظ سے ہوئی چاہیے۔

حضرت لقمان رض کی چند نصیحتیں

- ۱۔ حضرت لقمان حکیم کا ایک قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جب کوئی چیز سونپ دی جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے
- ۲۔ یہ قول بھی ہے کہ قصع سے پچھو یہ رات کے وقت ڈراوٹی چیز ہے اور دن کو نہ مت و برائی والی ہے۔

۳۔ آپ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکمت سے مکین لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں۔
۴۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو پہلے اسلامی طریقے کے مطابق سلام کرو پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دوسرے نہ بولیں تو تم بھی خاموش رہو۔ اگر وہ لوگ ذکر اللہ کریں تو تم ان میں سب سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو اور اگر فضول گفتگو شروع کر دیں تو تم اس مجلس کو چھوڑ دو۔

اخلاق حسنة: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدخلتی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بد اخلاقیاں نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں، جیسے شہد کو سر کر کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں غلام خریدنے سے غلام نہیں بڑھتے لیکن خوش اخلاقی سے لوگ بہت سے گرویدہ اور فدائی ہو سکتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر)

قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا 『وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ』 (القلم: ۶۸) ”بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔“

اخلاق حسنہ کو اسلام میں بڑی فضیلت حاصل ہے اور جتنی اہمیت ”حسن خلق“ کو دی گئی ہے شاید ہی اتنی اہمیت کسی اور عبادت کو دی گئی ہو، آپ ﷺ کا فرمان ہے ((انما

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق) ”قیامت کے دن میزان میں حسن خلق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہوگی“ (موطا) ”یقیناً قیامت کے دن (مؤمن کے اعمال کے) ترازو میں سب سے وزنی چیز اخلاق ہوں گے۔“ اور یقیناً اللہ تعالیٰ خُش گواہ بذبان سے بعض رکھتے ہیں (ترمذی) ”بے شک مؤمن اپنے اخلاق کریمانہ کی بنیاد پر راتوں کو قیام کرنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے“ (ابوداؤد، عَنْ عَائِشَةَ بْنِ الْفَضَّلِ) تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں گے، (ریاض الصالحین) ”خندہ پیشانی اور کسی کو تکلیف دینے سے اجتناب کرنا، آپ ﷺ کے اس فرمان کو حسن خلق کا نام دیا گیا ہے۔
تکریب کی مذمت

حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر تکریب ہو۔ فرماتے ہیں جس دل میں ایک ذرے کے برابر تکریب ہے وہ اونٹھے منہ جہنم میں جائے گا۔ ارشاد ہے کہ انسان اپنے غرور اور خود پسندی میں بڑھتے بڑھتے اللہ تعالیٰ کے ہاں جباروں میں لکھ دیا جاتا ہے پھر سرکشیوں کے عذاب میں پھنس جاتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں ”غورو کا سر نیچا ہوتا ہے“ اللہ ایسے انسان کو ضرور سزا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان (آیات ۲۱۲۰ تا ۲۱۲۱)

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی بے شمار نعمتوں کا اظہار فرم رہا ہے کہ دیکھو آسمان کے ستارے تمہارے لئے کام میں مشغول ہیں، بادل، بارش، وغیرہ سب تمہارے نفع کی چیزیں ہیں، آسمان تمہارے لئے محفوظ اور مضبوط چھٹ ہے، زمین کی نہیں، چشمے، دریا، سمندر، درخت، بھیتی، بچل پھول، یہ سب نعمتیں بھی اسی نے دے رکھی ہیں۔ پھر ان ظاہری بے شمار نعمتوں کے علاوہ باطنی بے شمار نعمتیں بھی اس نے تمہیں دے رکھی ہیں۔

قرآن مجید موسیٰ وہدم بن کر انسان سے کہتا ہے کہ آدم تمہارے ساتھ ہو کر تمہیں کچھ دکھاؤں۔ پیارے انسان یہ دیکھتے ہو کہ سورج کس باقاد عدگی سے مشرق سے نکل کر مغرب میں ہر روز ڈوبتا ہے اور چاند تاروں کی گروش دیکھو، دن اور رات کا ادل بدل دیکھو، موسموں کے چرخے کا گھما ڈیکھو یہ مقررہ ڈھنگ سے چلنے والی ہوا کیں یہ ہوا کیں کے دوش پر لد کر

آنے والے بادل اور پھر بادلوں کا کثیف بن جانا یہ مردہ زمینوں کا زندہ ہونا یہ نئے نئے بیجوں کا پھوٹنا، یہ شوونما پاتی فصلیں یہ ہرے بھرے کھیت یہ طرح طرح کے درخت، ان پر لگنے والے مختلف رنگوں اور رذاقوں کے پھل، یہ زمین پر بنے ہوئے راستے اور ان کو نمایاں کرنے والے نشانات، یہ سمندروں پر تیرتی کشتیاں، یہ پہاڑ جیسی اٹھتی موجودیں، یہ کشتیوں اور طوفانوں کی کشاکش میں انسانی زندگی کا ذائقہ انواع ڈول ہونا، خود انسان کا اپنا نظام ولادت و پرورش، انسانوں کی شکلکوں اور رنگوں اور بولیوں کا تفاوت، یہ تمہارے سامنے پھیلی ہوئی کتاب حقیقت کی روشن آیات ہیں۔ ان میں تم تین باتیں نمایاں دیکھتے ہو، ایک لظم و ترتیب دوسرے توافق اور تیسرا سُن و جمال اور وہ حُسن دریافت کرتا ہے۔

﴿مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفْوُتٍ فَارْجِعُ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ

مِنْ فُطُورٍ﴾ (الملک: ۶۷)

”تو اللہ الرحمن کی پیدائش خلق میں کوئی نقص و کوتا ہی نہ پائے گا ایک بار ذرا نگاہ ڈال۔ کیا اس نظام میں کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔“

قرآن اپنے شاگرد کو پھر توجہ دلاتا ہے کہ یہ تمام چیزیں قانون کی پابند ہیں اور ایک اقتدار میں جکڑی ہوئی ہیں اتنے بھاری اجرام اور عام طبعی کو طوفانی طاقتیں کو ضوابط کی زنجیروں نے جکڑ کھا ہے اور وہ قوت برتر کے سامنے مطیع و منقاد اور مسلم عاجز بی ہوئی ہے۔

﴿وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا﴾

(آل عمران: ۸۳)

”اور آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں چاروں چار اللہ ہی کی تابع فرمان (مسلم) ہیں۔“

یوں قرآن شہر زندگی کے انجان نووارد کو گھماتے پھراتے اور یہاں کے احوال کا مشاہدہ کرتے اس کے اندر غیر محسوس طور سے یہ احساس پیدا کر دیتا ہے کہ یہاں تمہارا مقام مالک اور حاکم و مقتدر کا نہیں ہے بلکہ مخصوصی اور عبودیت کا ہے اور تمہاری خیر اسی

میں ہے کہ اپنے آپ کو "ملیک مقتدر" کی رضا کے حوالے کر دو۔ حق یہ تھا کہ اس کی ذات پر سب کے سب ایمان لاتے لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ اب تک اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہی الجھر ہے ہیں اور محض جہالت سے صلالت سے بغیر کسی سند اور دلیل کے اڑے ہوئے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کی اتباع کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو آباء و اجداد کی تقلید کریں گے۔ اگرچہ ان کے باپ دادا بے عقل اور بے راہ تھے، گوکروہ شیطان کے پھندے میں پھنسنے ہوئے تھے اور اُس نے انہیں وزخ کی راہ پر ڈال دیا تھا؟ تو کیا پھر بھی ان کی پیروی کرتے رہیں گے اور آباء کی انہی تقلید سے آخرت میں نجات نہیں ہوگی۔

آیات: ۲۲ تا ۲۴

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرے اور اپنے تمام ارادوں سے دستبردار ہو جائے۔ تمام اعمال میں رضاۓ الہی کا طالب ہو تو اس نے مضبوط کر کے کوپکڑ لیا گویا اللہ تعالیٰ کا وعدہ لے لیا کہ وہ نجات یافت ہے۔ انعام کار اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اے غیبِ ملک! کافروں کے کفر سے آپ ملکِ عالم ٹھیکین نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر یونہی جاری ہو چکی ہے سب کا لوثنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اس وقت اعمال کے بد لیں گے اللہ تعالیٰ پر کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ دنیا میں مزے کر لیں پھر تو ان عذابوں کا مزہ چھکنا پڑے گا جو بہت سخت اور نہایت گھبراہت والے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے:

﴿قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ﴾

(۱۰/ یونس: ۶۹)

"کہہ دو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افتراء کرنے والے فلاح نہیں پائیں گے۔"

﴿مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُدِقُّهُمُ الْعَذَابُ الشَّدِيدُ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ (۱۰/ یونس: ۷۰)

"(آن کے لئے) جو فائدے ہی دنیا میں ہیں، پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے، اس وقت ہم آن کو سخت عذاب کے مزے چکھائیں گے

کیونکہ وہ کفر کیا کرتے تھے۔“

آیات: ۲۵ تا ۲۶

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ مشرک اس بات کو مانتے ہوئے کہ سب کا خالق اکیلا ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھی دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی نسبت خود جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اور اس کے ماتحت ہیں۔ ان سے اگر پوچھا جائے کہ تمام کائنات کا خالق کون ہے؟ تو ان کا جواب بالکل سچا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ! تو کہہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اتنا تو تمہیں اقرار ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اکثر مشرک بے علم ہوتے ہیں۔
قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَلِئِنْ سَأَلُوكُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَلَئِنْ يُوْفَكُوْنُ﴾ (العنکبوت: ۶۹)

”اور اگر ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے تمہارے زیر فرمان کیا تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے تو پھر یہ کہاں اٹھے جا رہے ہیں۔“

زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی، چھپی کھلی چیزیں اللہ کی پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں، وہی سزا اور حمد ہے، وہی خوبیوں والا ہے۔ پیدا کرنے میں بھی، موت دینے میں اور زندہ کرنے میں بھی وہی قبل تعریف ہے۔

آیات: ۲۷ تا ۲۸

اللہ رب العالمین اپنی عزت، کبریائی، بڑائی، بزرگی، جلالت اور شان بیان فرمارہا ہے۔ اپنی پاک صفات، اپنے بلند ترین نام اور اپنے بے شمار کلمات کا ذکر فرمرا رہا ہے جنہیں نہ کوئی گن سکے نہ ان کا احاطہ ہو سکے اور ان کی حقیقت کو کوئی پاسکے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے لا أَحْصِنُ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ۔ اے اللہ! میں تیری نعمتوں کا اتنا شمار بھی نہیں کر سکتا جتنی شناشوں نے اپنی آپ بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر ووئے زمین کے تمام تر درخت قلمیں بن جائیں اور تمام سمندروں کے پانی

سیاہی بن جائیں اور ان کے ساتھ ہی سات سمندر اور بھی ملائے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت، صفات، جلالت و بزرگی کے کلمات لکھنے شروع کئے جائیں تو یہ تمام قلم گھس جائیں، ختم ہو جائیں، سب سیاہیاں پوری ہو جائیں یعنی ختم ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ وحدۃ الشریک لہ کی تعریفیں ختم نہ ہوں گی یہ نہ سمجھا جائے کہ سات سے زیادہ سمندر ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات لکھنے کے لئے کافی ہو جائیں گے، نہیں، یہ گفت تو زیادتی دکھانے کے لئے ہے اور یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ سات سمندر موجود ہیں اور وہ عالم کو گھیرے ہوئے ہیں۔

﴿فُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَتِ رَبِّيْ لَنَفَدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ

تَنَفَدَ كَلِمَتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا﴾ (۱۸/الکھف: ۱۰۹)

”کہہ دو اگر سمندر میرے پروردگار کی باقتوں کو لکھنے کے لئے سیاہی ہو تو قبل اس کے تم میرے پروردگار کی باقی تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے اگرچہ تم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لا جائیں۔“

پس یہاں بھی مراد صرف اسی جیسا ایک ہی سمندر لانا نہیں بلکہ ویسا ایک پھر ایک اور بھی، الغرض خواہ کتنے ہی آجائیں لیکن اللہ تعالیٰ کی باقی ختم نہیں ہو سکتیں۔ اللہ کی باقتوں سے مراد اس کے تخلیقی کام، اس کی قدرت و حکمت کے کرشے وغیرہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے تمام اشیاء اس کے سامنے پست و عاجز ہیں کوئی اس کے ارادہ کے خلاف نہیں جا سکتا۔ پھر فرمایا: تمام لوگوں کا پیدا کرنا اور انہیں مارڈا لئے کے بعد زندہ کر دینا مجھ پر ایسا ہی آسان ہے جیسے ایک شخص کا۔ اس کا تو کسی بات کا حکم غرما دینا کافی ہے۔

﴿وَإِذَا قُضِيَ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (۲/البقرة: ۱۱۷)

”وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔“

﴿إِذَا قُضِيَ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (۳/آل عمران: ۴۷)

”جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرمادیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا

ہے۔“

﴿إِنَّمَا قَوْلُكُمْ شَيْءٌ إِذَا أَرْدَنَهُ أَنْ تَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾

(۱۶۰ / البَحْل)

”جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری بات یہی ہے کہ اس کو کہہ دیتے ہیں ”کہ ہو جائے تو وہ ہو جاتی ہے۔“

تو نہ اسباب اور مادے کی ضرورت، بل ایک فرمان میں قیامت قائم ہو جائے گی، اور ایک ہی آواز کے ساتھ سب جی انھیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام بالوں کا سننے والا ہے، سب کے کاموں کا جاننے والا ہے۔ اس سے کوئی چیز خفیٰ نہیں ہے۔

آیات: ۳۰ تا ۲۹

www.KitaboSunnat.com

قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاحْتِلَافِ الَّيلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَبْعَثُ النَّاسُ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَاحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَ فِيهَا مِنْ كُلِّ ذَكَرٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَلِمُّ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (۲ / البقرة: ۱۶۴)

”بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں (جہازوں) میں جوسمندر میں لوگوں کے فائدے کے لئے رواں ہیں اور بارش میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا ہے اور داڑس سے زمین کو مرلنے (خشک ہونے) کے بعد سربراہ، کر دیتا ہے اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواویں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرنے رہتے ہیں عقائدوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔“

پھر فرمایا: بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کرانے

جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (۳/آل عمران: ۱۹۰)

رات کو کچھ گھٹا کر دن کو کچھ بڑھانے والا اور دن کو کچھ گھٹا کر رات کو کچھ بڑھانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سورج، چاند اُسی کے تحفہ فرمان ہیں۔ جو جگہ مقرر ہے وہیں پلتے ہیں، قیامت تک برابر اسی چال پر پلتے رہیں گے۔ حیثیت میں حضور ﷺ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ جا کر اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اپنے رب تعالیٰ سے اجازت چاہتا ہے۔ قریب ہے کہ ایک دن اُس سے کہہ دیا جائے جہاں سے آیا ہے وہیں کلوٹ جا۔ فرمان ہے کیا تو نہیں جانتا کہ زمین آسمان میں جو کچھ ہے سب کا عالم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ سب کا خالق سب کا عالم اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے ارشاد ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلُهُنَّ﴾

(الطلاق: ۱۲)

”اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور وہی نہیں زمینیں۔“

یہ نشانیاں پروردگار عالم اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ تم ان سے اللہ تعالیٰ کے حق وجود پر ایمان لا ڈا اور اس کے سوا سب کو باطل مانو۔ وہ سب سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔ سب کے سب اس کے محتاج ہیں۔ گویا ساری مخلوق مل کر ارادہ کر لے کہ ایک کمھی پیدا کریں سب عاجز آ جائیں گے اور ہرگز اتنی قدرت بھی نہ پائیں گے، وہ سب سے بلند ہے۔ وہ سب سے بڑا ہے جس کے سامنے کسی کو کوئی بڑائی نہیں۔ ہر چیز اس کے سامنے تغیر اور پست ہے۔

آیات: ۳۱-۳۲

اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندروں میں جہاز رانی ہو رہی ہے اگر وہ پانی میں کشتمی کو تھامنے کی اور کشتمی میں پانی کو کائنے کی قوت نہ رکھتا تو پانی میں کشتمیاں کیے چلتیں؟ وہ تھیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلا رہا ہے۔ اس بحری سفر میں حادث وغیرہ پر غور کرنا انسان کے

لئے صبر و شکر کے موقع بھم پہنچاتا ہے۔ مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر کرنے والے ان سے بہت کچھ عبر تیں حاصل کر سکتے ہیں۔ جب ان کفار کو سمندروں میں موجود گھیر لیتی ہیں اور ان کی کشتی ڈمگانے لگتی ہے اور موجود پہاڑوں جیسے سائبانوں کی طرح ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر کشتوں کوڈھانپ لیتی ہیں تو اپنا شرک کفر سب کچھ بھول جاتے ہیں اور گریہ و زاری سے ایک اللہ کو پکارنے لگتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ انسانی فطرت اور ضمیر کی آواز یہی ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ وحدہ لا شریک له کو پکارا جائے۔ فتح مکہ کے دن کچھ کافر جن میں عکرمہ بن ابی جہل بھی تھا جان بچانے کی غرض سے کشتی میں سوار ہو کر بھاگ نکلے، طوفان آیا، ڈوبنے لگے تو سب مل کر خاص اللہ کو پکارنے لگے۔ تو عکرمہ نے منت مان لی اگر اللہ نے اس طوفان سے نجات دی تو میں واپس جا کر محمد ﷺ سے بیعت کرلوں گا۔ اللہ نے نجات دی، انہوں نے اقرار پورا کیا اور صدقہ دل سے مسلمان ہو گئے (رضی اللہ عنہ)

جیسے اور جگہ ہے:

**﴿وَإِذَا مَسْكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ فَلَمَّا
نَجَّكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَغْرَضْتُمُ وَ كَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا﴾**

(۱۷/ بنی اسرائیل: ۶۷)

”اور جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے یعنی ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے تو جن کو تم پکارا کرتے ہو تو سب اس پروزدگار کے سوگم ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جب وہ تم کوڈھوبنے سے بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم مش پھیر لیتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکرا۔“

اور آیت میں ہے:

**﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلُكِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّهُمْ
إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾** (۲۹/ العنكبوت: ۶۵)

”پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں اور خالص اسی کی

عبدات کرتے ہیں لیکن جب وہ ان کونجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔“

مُفَتَّصِدُ کے لفظی معنی یہ ہیں کہ ان میں سے بعض متوسط درجے کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن کی ہولناکی سے ڈر رہا ہے اور اپنے ”تقویٰ“ کا

حکم فرم رہا ہے: ارشاد ہے:

﴿وَأَنْقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةً وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ﴾ (۲/ البقرة: ۴۸)

”اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے اور نہ لوگ (کسی اور طرح) مدد حاصل کر سکیں۔“

بنی اسرائیل کے بگاڑ کی ایک بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ آخرت کے متعلق ان کے عقیدے میں خرابی آگئی تھی۔ وہ اس قسم کے خیالات خام میں بنتا ہو گئے تھے کہ ہم جلیل القدر انبیاء کی اولاد ہیں، بڑے بڑے اولیاء، صلحاء اور زہاد سے نسبت رکھتے ہیں، ہماری بخشش تو انہیں بزرگوں کے صدقے میں ہو جائے گی، ان کا دامن گرفتہ ہو کر بھلا کوئی سزا کیسے پاسکتا ہے، انہیں جھوٹے بھروسوں نے ان کو دین سے غافل اور گناہوں کے چکر میں بنتا کر دیا چاہ۔ اس لیے نعمت یاددالنے کے ساتھ فوراً ان کی ان غلط فہمیوں کو دور کیا گیا ہے۔

(تفہیم القرآن: ج ۱ ص ۸۵، ۸۴)

ترجمایا:

﴿يَوْمَ يَفْرُّ الْمَرءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبِتِهِ وَبَنِيهِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمٌ مِثْلُ يَوْمِ شَانٍ يُغْنِيهِ﴾ (۸۰/ عبس: ۳۱، ۳۴)

”اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ اپنی بیوی اور بیٹے سے، ہر شخص اس روز ایک گلر میں ہو گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہو گا۔“

سورہ معارج کی آیات میں فرمایا اور کوئی دوست کسی دوست کا پر سان حال نہ ہوگا (حالانکہ) ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے، اُس روز گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بد لے میں (سب کچھ) دے دے (یعنی) اپنے بیٹے اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا اور جتنے آدمی زمین پر ہیں (غرض) سب کچھ دیدے اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لے، لیکن ایسا ہر گز نہیں ہوگا۔ (آیات ۱۵-۱۰)

سید مودودی جعفر بن علی قم طراز ہیں:

بھاگنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ان عزیزوں کو، جو دنیا میں اُسے سب سے زیادہ پیارے تھے، مصیبت میں مبتلا دیکھ کر بجائے اس کے کہ ان کی مدد کو دوڑے، الثانیان سے بھاگے گا کہ کہیں وہ اسے مدد کے لیے پکارنے پڑھیں۔ اور یہ مطلب ہی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں اللہ سے بے خوف اور آخرت سے غافل ہو کر جس طرح یہ سب ایک دوسرے کی خاطر گناہ اور ایک دوسرے کو گمراہ کرتے رہے، اُس کے بُرے متأجح سامنے آتے دیکھ کر ان میں سے ہر ایک دوسرے نے بھاگے گا کہ کہیں وہ اپنی گمراہیوں اور گناہ گاریوں کی ذمہ داری اس پر نہ ڈالنے لگے۔ بھائی کو بھائی سے، اولاد کو ماں باپ سے، شوہر کو بیوی سے، اور ماں باپ کو اولاد سے خطرہ ہوگا کہ یہ کم بخت اب ہمارے خلاف مقدمے کے گواہ بننے والے ہیں۔

احادیث میں مختلف طریقوں اور سندوں سے یہ روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے روز سب لوگ ننگے بچے اٹھیں گے۔“ آپ کی ازواج مطہرات میں سے کسی نے (بر) روایت بعض حضرت عائشہؓ نے، اور بر روایت بعض حضرت سودہؓ نے اور بر روایت بعض ایک خاتون نے گھبرا کر پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ کیا ہمارے ستر اُس روز سب کے سامنے کھلے ہوں گے؟ حضور ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمایا کہ اُس روز کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔ (نسائی، ترمذی، ابن ابی حاتم، ابن جریر، طبرانی، ابن مردوبیہ، بیہقی، حاکم)، (تفہیم القرآن: ج ۲، ص ۲۶۰، ۲۵۹):

تو ثابت ہو گیا کہ اُس دن باپ اپنے بچے کو یا بچہ اپنے باپ کے کچھ کام نہ آئے گا۔

ایک دوسرے کا فرد یہ بھی نہ ہو سکے گا۔ تم دنیا پر اعتماد نہ کرو اور دوسرا خرت کو فراموش نہ کر جاؤ۔ شیطان کے فریب میں نہ آ جاؤ۔ فرمایا قیامت کا دن جھگڑوں کے فیصلوں کا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ خود سامنے ہو گا، کوئی بغیر اس کی اجازت کے لب نہ ہلا سکے گا، کسی کو دوسرے کے بارے میں نہ پکڑا جائے گا، نہ باپ بیٹے کے بدلتے نہ پیٹاپ کے بدلتے نہ بھائی بھائی کے بدلتے نہ غلام آقا کے بدلتے نہ کوئی کسی کاغم و رنج کرے گا نہ کسی کو کسی سے شفقت و محبت ہو گی۔ نہ ایک دوسرے کی طرف سے پکڑا جائے گا، ہر شخص آپا دھالی میں ہو گا، ہر ایک اپنی فکر میں ہو گا، ہر ایک اپنا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو گا۔

یہ حقیقت ہے کہ روز آختر انبیاء و رسول، صلحاء کرام اور خاص طور پر آپ ﷺ کہنگاروں کی سفارش کریں گے مگر یہ سفارش اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہو گی اور اتنی ہو گی جتنی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو گی: فرمایا:

﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمُلِئَكَةُ صَفًا لَا يَنْعَلِمُونَ إِلَّا مَنْ أَذَنَ لَهُ
الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ (النَّبِيٌّ: ۳۸)

”جس دن روح الائین اور فرشتے صفات باندھ کر کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا۔ مگر جس کو رحمان اجازت مرحمت فرمائے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔“

آیت: ۳۷

یہ غیب کی وہ کنجیاں ہیں جن کا علم بجز خدا تعالیٰ کے کسی اور کوئی نہیں، مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اُسے معلوم کرائے۔ ”غیب کی سب باتوں کی خبریں اللہ ہی کو معلوم ہیں۔“

”غیب نام ہی اُس چیز کا ہے جو مخلوقات سے پوشیدہ اور صرف اللہ پر رoshن ہوا اور فی الحقيقة قیمت کے آنے کا سچ وقت نہ تو کوئی نبی مرسل جانے نہ کوئی مقرب فرشتہ اس کا وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس طرح بارش کب کہاں اور کتنی برسے گی اس کا علم بھی کسی کوئی نہیں ہاں جب ان فرشتوں کو حکم ہوتا ہے جو اس پر مقرر ہیں تب وہ جانتے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ معلوم کرائے۔ اس طرح حاملہ کے پیٹ کے بارے میں بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی

جانتا ہے، مگر تم نہیں جانتے کہ تمہاری ہونیوالی اولاد کس شکل میں، کن اچھائیوں یا برائیوں کے ساتھ برآمد ہو گی۔ اس طرح کسی کو یہی معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ نہ کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کہاں مرے گا؟

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغُيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (٦ / الانعام: ٥٩)

”اور اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اُس کے سوال کوئی نہیں جانتا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ تَلَاقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ))

(صحیح البخاری، ص: ۱۲؛ صحیح مسلم، ج ۱ ص ۲۹؛ نسائی ج ۲ ص ۲۶۳؛ ابن

ماجہ ص ۷)

یعنی قیامت کا علم ان پانچ امور میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے سورۃلقمان کی بھی آیت تلاوت فرمائی۔ ایک حدیث میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا مفاتیح الغیب خمس لا یعلمها الا اللہ (صحیح بخاری ۲ ص ۶۸۱) یعنی غیب کے خزانے پانچ ہیں اور ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا پانچ امور گنائے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ ان پانچ امور کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی نبی مرسل اور ملک مقرب کو بھی عطا نہیں فرمایا:

ایک بار خلیفہ منصور نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا تو اس سے پوچھا میری عمر کتنی باقی رہ گئی ہے؟ تو ملک الموت نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا اور غائب ہو گیا۔ منصور نے اپنا خواب علماء تعبیر کے سامنے بیان کیا تو کسی نے کہا اس میں اشارہ ہے کہ آپ کی عمر پانچ سال باقی ہے کسی نے کہا پانچ سال مراد ہیں اور کسی نے کہا پانچ دن مراد ہیں۔ حضرت امام ابو حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

هو اشارہ الی هذه العلوم الخمسة لا یعلمها الا اللہ۔

(مدارک ج ۳ ص ۲۱۹)

”یعنی ملک الموت نے پانچ انگلیوں سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ان پانچ علوم میں سے ہے کہ جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔“

ذکورہ احادیث، اقوال صحابہ و تابعین و عبارات مفسرین سے ثابت واضح ہو گیا کہ ان پانچوں چیزوں کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے اور اللہ کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔ البتہ ان پانچوں علوم میں سے چار علوم کے بعض جزئیات کا حصول بشرط کے لئے ممکن ہے لیکن پہلی چیز یعنی قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو عطا نہیں کیا، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خص ہے قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اس کی صراحت ہے

قیامت کے بارے میں خود حضور ﷺ سے بھی منقول ہے کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور آپ ﷺ کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بنی کریم ﷺ نے فرمایا تم مجھ سے قیامت کے بارے میں سوال، کرتے ہو حالانکہ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول قبل ان یموت

بشهر تسیلونی عن الساعۃ وانما علمها عند الله

(صحیح مسلم، ج ۲ ص ۳۱۰)

البتہ ان چار امور کیسے بعض جزئیات کا علم بطور مجزہ آنحضرت ﷺ کو دیا گیا۔ تو وہ اس آیت کے منافی نہیں کیونکہ آیت کا مفاد یہ ہے کہ ان امور غیب کی تمام اور مکمل تفصیلات کلی طور پر اور بالاستیغاب کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ماہرین وقت سے پہلے آمد باراں اور بچے کی پیدائش کی خبر دے دیتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ماہرین آلات و علمات کے ذریعہ اس کی پیشگوئی کرتے ہیں اس لئے اسے علم غیب نہیں کہا جائے گا، کیونکہ علم غیب تو وہ ہوتا ہے جو بلا توسط اسباب حاصل ہو اور بطور ملکہ ہو کہ جب چاہے اور جو کچھ چاہے اس کا علم حاصل ہو جائے۔

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ تمام غیوب جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ ان پانچ امور کی ہیں مخصوص نہیں ہیں۔ یہ آیت ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی، سوال میں چونکہ ان پانچ امور کا ذکر تھا اس لئے آیت میں بھی انہی پانچ امور کے ذکر پر اتفاق کیا گیا ایک شخص حارث نامی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی، ملک میں فقط ہے بارش کب ہوگی؟ میری عورت امید سے ہے اس کے لڑکا ہو گا یا لڑکی یہ تو مجھے معلوم ہے میں کہاں پیدا ہوا، یہ بتائیے کہ میں کہاں مروں گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

سورہ لقمان میں آیات توحید

۱۔ هذَا خَلْقُ اللَّهِ فَارُونَى مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ (ع۱) نفی شرک فی التصرف۔

۲۔ يَبْنِي لَا تَشْرُكُ بِاللَّهِ (ع۲) نفی شرک ہر قسم

۳۔ وَإِنْ جَاهَدَاكُمْ عَلَى أَنْ تَشْرُكَ (ع۲) والدین کا اولاد پر بہت بڑا حق ہے لیکن اگر وہ اولاد کو شرک پر مجبور کریں تو اس معاملے میں ان کی اطاعت جائز نہیں۔

۴۔ وَلَئِنْ سَأَلْتُهُمْ مِنْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ - تَ - هُوَ الْغَنِيُ الْحَمِيدُ (ع۳) نفی شرک فی التصرف۔

۵۔ وَلَوْ أَنْ مَا فِي الْأَرْضِ - تَ - إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (ع۳) نفی شرک فی العلم۔

۶۔ ذَلِكَ بَيْانُ اللَّهِ هُوَ الْحَقُّ - تَ - وَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُ الْكَبِيرُ (ع۳) نفی عبودیت والوہیت از معبودان باطلہ۔

۷۔ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ - تَ - إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ خَيْرٌ (ع۴) نفی شرک فی العلم۔ (تفسیر جواہر القرآن ج ۲، ص ۷۱۷)

حصہ دوم: الحدیث

حافظت و تدوین حدیث

اسلام کے دو بنیادی مأخذ ہیں، قرآن اور حدیث۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿مَا أَنْكُمُ الرَّسُولُ فَخُدُوْهُ وَمَا نَهَلُكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

(الحضر: ۵۹)

”جو تمہیں رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔“

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((ترکت فیکم امریکن لن تصلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللہ و سنۃ و رسولہ)) (مؤطا امام مالک)

”میں تمہارے درمیان دو چیزیں دھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم ان سے چھٹے رہے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، ایک اللہ کی کتاب، دوسری اس کے رسول کی سنت۔“

جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا انتظام فرمایا اسی طرح حدیث کی حفاظت کا بھی اہتمام ہوا۔ جہاں قرآن مجید کو وحی جلی مانا گیا ہے وہاں حدیث کو وحی خفی تسلیم کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے:

((انما اوقيت القرآن ومثله معه)) (سنن ابو داؤد)

”مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید عطا کیا ہے اور اس جیسی ہی ایک دوسری چیز بھی۔“

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث کی جمع و تدوین کا کام رسول اکرم ﷺ کی وفات کے سو سال بعد شروع ہوا، جو تکنیکی (Technically) اعتبار سے صحیح ہے مگر جہاں تک حفاظت حدیث کا تعلق ہے تو یہ رسول اکرم ﷺ کی وفات سے پہلے اس کا اہتمام ہو چکا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان لا تکتبوا عنی شيئاً غیر القرآن (صحیح مسلم)

محض وقت حکم تھا کیونکہ اس وقت قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ کو الگ الگ لکھنے اور جمع کرنے کا اہتمام نہیں تھا اور رسول اکرم ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ قرآن اور حدیث باہم مل جائیں۔ اس کے باوجود بھی رسول اکرم ﷺ نے حدیث رسول ﷺ کو حفظ اور یاد کرنے کی ترغیب دی "حدثوا عنی ولا حرج" میری حدیث بیان کرو کچھ حرج کی بات نہیں۔ "صحابہ کرام ﷺ احادیث کو حفظ کیا کرتے تھے، و ستاویزی طور پر لیکن یہ ثابت ہے کہ جتنی احادیث اس وقت صحیح بخاری میں موجود ہیں ان سے کہیں زیادہ تعداد ان مجموعات میں موجود تھیں جو رسول اکرم ﷺ کے دور میں لکھے جا چکے تھے۔ جب رسول اکرم ﷺ نے کتابان وحی (حضرات علی، زید اور معاویہ رضی اللہ عنہم) متعین کر دیئے تو اس کے بعد آپ نے حدیث لکھنے کی پوری آزادی اور ترغیب دی۔ مثلاً جب ابو شاہ یعنی نے درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اکتبوا لابی شاہ" (بخاری) "یہ احکامات ابو شاہ کو لکھ دو۔" جو اس بات کا ثبوت ہے کہ کتابت حدیث کی ممانعت محض وقتی تھی۔

کتابت حدیث عہد رسالت میں

۱۔ **الصیغہ الصادقة:** "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ" فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں اگر کسی کو یاد ہیں یا جس کے پاس محفوظ ہیں وہ عبد اللہ بن عمر و بن العاص علیہما السلام ہیں۔ اس لئے کہ میں زبانی حدیثیں یاد رکھتا تھا اور حضرت عبد اللہ بن عمر و بن العاص علیہما السلام نہیں لکھا لیا کرتے تھے۔ (فتح الباری)۔ بعد ازاں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث لکھنا شروع کر دی تھیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر علیہما السلام فرماتے ہیں میں ایک دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ہم آپ ﷺ سے بہت سی حدیثیں سنتے ہیں جو نہیں یاد نہیں رہتیں کیا ہم لکھ لیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "بلی فاکتبوا ہا" ہاں کیوں نہیں تم ضرور لکھا کرو (ابوداؤ)۔ اس کے بعد جو کچھ میں رسول اکرم ﷺ سے سنتا تھا لکھ لیا کرتا تھا۔ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا رسول ﷺ بشر ہیں، بہت سی باتیں آپ غصے کی حالت میں بھی فرماتے ہیں، میں نے آپ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لکھ لیا

کرو۔ پھر اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يُخْرِجُ مِنِّي إِلَّا حَقٌّ“

(ابو داؤد، احمد، دارمی)

”مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کوئی بات نہیں تکتی۔“

”اصحیفہ الصادقة“ دراصل احادیث کا وہ مجموعہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما رسول اکرم ﷺ کی مجلس میں بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔ بات یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ اس صحیفے کو ”الصادقة“ کا نام محفوظ اس لئے دیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے یہ احادیث آپ ﷺ کی محفوظ میں بیٹھ کر لکھی تھیں پھر ان کی رسول اکرم ﷺ سے تصدیق بھی کروائی تھی۔

۲۔ کتاب الصدقہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ”کتاب الصدقہ“ لکھوائی تھی جو آپ ﷺ اپنے گورزوں کو بھیجا چاہتے تھے مگر آپ ﷺ کی رحلت کے بعد یہ کتاب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما نے اپنے گورزوں کے پاس بھجوائی۔ اس میں جانوروں کی زکوٰۃ کے مسائل تحریر تھے۔ (ترمذی)

۳۔ صحیفہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہما: رسول اکرم ﷺ نے زکوٰۃ صدقات اور خون بہار کے احکام پوری تفصیل کے ساتھ اہل بیکن کے لئے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہما کو لکھوادیئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما نے اس مجموعے کو حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہما کے لڑکوں سے حاصل کیا۔

(دارقطنی، طحاوی)

۴۔ صحیفہ عمرو وائل بن حجر رضی اللہ عنہما: حضرت وائل بن حجر حضرموت کے شہزادوں میں سے تھے، مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، جب وطن جانے لگے تو آپ ﷺ نے انہیں یہ صحیفہ لکھوا کر دیا، جس میں نماز، روزہ، شراب، سود وغیرہ کے احکام تھے۔ (طبرانی صغير)

۵۔ صحیفہ اہل بیکن: اہل بیکن کے لئے آپ ﷺ نے خصوصی طور پر ایک صحیفہ لکھوا کر بھیجا، جس میں نماز، طلاق اور غلاموں کے بارے میں احکامات درج تھے۔ اسی نسبت

سے یہ صحیفہ اہل بیکن کے نام سے معروف ہوا۔ (مسند داری)

۶۔ معاہدہ صلح حدیبیہ: احادیث اور سیرت کی کتب میں صلح حدیبیہ کے معاہدے کی جو زبانی روایات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حافظے سے شرائط منتقل ہوئیں وہ من و عن وہی تھیں جو معاہدے میں لکھی گئی تھیں۔

۷۔ سیاسی وثیقہ جات: صلح حدیبیہ کے بعد جو خطوط رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور کے بادشاہوں کو لکھے ان کی تعداد تقریباً سو ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (فرانس) نے اس موضوع پر پی۔ اچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی، جس میں ثابت کیا کہ احادیث کی کتابوں میں ان خطوط کا جو متن موجود ہے وہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لکھوا یا گیا تھا۔ ان خطوط میں ایک خط وہ بھی ہے جو مصر کے بادشاہ مقوس کے نام لکھا گیا تھا، یہ خط مصر کے آثار قدیمہ کی کھدائی میں برآمد ہوا اور آج بھی مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ (مجموعہ الوثائق ۵۰) تاریخ کی کتابوں میں اصل خط کا عکس موجود ہے۔ روایت اور کتابت میں کوئی فرق نہیں۔

۸۔ بیشاق مدینہ: کتابت حدیث کا ایک بڑا ثبوت وہ معاہدہ بھی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ تحریری طور پر کیا تھا حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”البدایہ والنہایہ“ میں مکمل نقل کیا ہے۔

حدیث کی حفاظت اور کتابت کا یہ اہتمام اس لئے تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سخت وعید سنائی: ”من کذب علی متعتمداً فلیتبو ما قعده من النار“ ”جو شخص جان بوجہ کر مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔“ لہذا صحابہ رضی اللہ علیہم نے حدیث کو صحیح لکھنے اور محفوظ کرنے کا اہتمام کیا۔

عہد صحابہ اور کتابت حدیث

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ علیہم نے زیادہ جانشنازی کے ساتھ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ کرنے کی سعی کی۔ ان کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود تھا: نضر الله أمرءاً سمع مناشيئاً فبلغه كما سمعه فرب مبلغ اوعى

من سامع۔ (ترمذی) ”اللہ اس شخص کو سبز و شاداب کرے جس نے ہم سے کوئی بات سنی پھر اسی طرح لوگوں تک پہنچایا کیونکہ بعض وہ لوگ، جن کو یہ بات پہنچائی جاتی ہے براہ راست سننے والوں سے اس حدیث کو زیادہ حفظ کرنے والے ہوتے ہیں۔“

جستجو دوادع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: الا لیلخ الشاہد الغائب فعل عل بعض من یبلغه ان یکون او عی لہ من بعض من سمعہ (بخاری) ترجمہ: اچھی طرح جان لو جو لوگ یہاں موجود ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ یہ باتیں جو یہاں موجود نہیں ان تک پہنچادیں۔ ہو سکتا ہے کہ جن کو یہ بات پہنچی گی ان لوگوں کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والے ہوں جنہوں نے اسے خود سنائے۔“

۱۔ حضرت علیؓ کے پاس احادیث کا ایک مجموعہ ہا جوانہوں نے خود مرتب کیا تھا۔ جب لوگوں نے آپ سے درخواست کی تو آپ نے انہیں دکھایا۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس رسول اکرم ﷺ کی احادیث لکھی ہوئی تھیں۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں ہمارے پاس حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی اس قدر کتابیں ہیں کہ جو ایک اونٹ پر لادی جاسکتی ہیں۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ پوئی کے احادیث کو زبانی یاد کیا کرتے تھے اور صحاح متہ میں سب سے زیادہ روایات ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی صحیحیں اور شایمیں رسول اکرم ﷺ کی معینت میں گزرتی تھیں۔ سفر و حضر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ میں آپ کی باتیں بھول جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہؓ کیا یہی تناہ ہے کہ میری باتیں یاد رہیں؟ عرض کی جی ہاں! فرمایا: اپنی چادر پھیلاو، حضرت ابو ہریرہؓ نے چادر پھیلائی اور رسول اکرم ﷺ نے اونچو بھر کر چادر میں ڈال دیا۔ فرمایا: سمیٹ لواہ خالی اونک دراصل علم و فضل کی دولت تھی جو حضرت ابو ہریرہؓ کو میسر آئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اس دن کے بعد سے میں نے جو بات رسول اکرم ﷺ سے سنی مجھے کبھی نہیں بھولی۔ یہ عجیب واقعہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات کی کل تعداد ۵۳۷۶ ہے اور صحیح بخاری کی کل

روایات ان احادیث سمیت جو بار بار مختلف ابواب میں دہرائی گئی ہیں ان کی تعداد چھ ہزار ہے۔ اس حافظے کے باوجود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس احادیث کے بہت سے نوشته تھے۔ (فتح الباری)

۲۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا لکھا ہوا ایک مجموعہ حدیث تھا جس میں پانچ سو احادیث تحریر تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

۵۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات ان کے بھائیے حضرت عروہ اور حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے لکھی جا چکی تھیں۔

۶۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات کا مسودہ ان کے بھائی عبد الرحمن کے پاس تھا اور وہ قسم کا حاکر پیان کیا کرتے تھے کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اپنے ہاتھ کی تحریر ہے۔ ان کے علاوہ سعد بن عبادہ رافع بن خدنج، سرہ بن جنڈب، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم اور صحابیات میں سے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا (حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیوی) کے پاس بھی حدیث کے مجموعے تھے۔

ان مجموعہ ہائے احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سے نوشتؤں کا ثبوت ملتا ہے۔ جو باقاعدہ ابواب اور فصلوں میں تقسیم نہیں کئے گئے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ احادیث لکھی ہی نہیں گئی تھیں۔

عبداللہ بن عین میں کتابتِ حدیث: تابعی اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے حالت اسلام میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی صحبت و ملاقات میسر آئی۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ فی اعتبار سے تدوین حدیث کا کام عبداللہ بن عین میں ہی مکمل ہوا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنجاۓ لئے کہ بعد مدینہ طیبہ کے گورنر ابو بکر محمد بن عمر بن حزم رضی اللہ عنہ اور دروسرے عمال کو حکم دیا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کریں۔ ”انظر ما کان من حدیث

رسول اللہ فاکتبه فانی خفت دروس العلم و ذهاب العلماء۔“ (بخاری)

جو حدیث رسول نہیں ملے اسے ضابطہ تحریر میں لاو، اس لئے کہ مجھے علم کے مٹ

جانے اور علماء کو کو دنیا سے اٹھ جانے کا خوف ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رض کے حکم پر ابو بکر محمد بن عمر بن حزم رض اور امام زہری رض نے احادیث کی مددوں شروع کی۔ لکھنے کا طریق کاریہ تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک ایک مہاجر اور انصاری کے گھر جاتے اور ہر مردوزن اور چھوٹے بڑے سے حدیث کے بارے میں پوچھتے اور لکھتے جاتے، اس طرح ہر قسم کی احادیث ایک جگہ جمع ہو گئیں لیکن ساتھ ساتھ جہاں انہیں حدیث کے ضعیف یا موضوع ہونے کا مگان ہوا اس کی نشاندہی کر دی، لیکن انہیں تلف نہیں کیا۔ مقصد غالباً یہ تھا کہ لوگ ضعیف اور موضوع احادیث سے بھی باخبر ہو جائیں لیکن بعد میں آنے والے محدثین نے کھوٹے اور کھرے کو الگ کر دیا۔ حدیث کی پرکھ کے لئے ”اسماء الرجال“ کافی ایجاد ہوا، راویوں پر جرح و تعدیل کے اصول مرتب ہوئے اور اس طرح صحاح ستہ کا وجود امت مسلمہ کے لئے باعث خیر و برکت بنا۔

موطا امام مالک: اس دور میں مستند ترین کتاب جو حدیث کے سلسلے میں سب سے پہلے لکھی گئی وہ حضرت امام مالک رض کی ”المؤطا“ ہے جس کے بارے میں محدثین نے فرمایا: اصح الكتب على اديم الأرض بعد القرآن ”روئے زمین پر قرآن کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب ہے۔“ اس قول کا اطلاق بعد میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر بھی ہوا۔ امام مالک رض نے موطا کو فتحی ابواب کے اعتبار سے مرتب کیا۔ امام محمد بن اوریں الشافعی رض آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

تابعین کے بعد مددوں حدیث کا وہ شہری دور آتا ہے جس میں تالیف و مددوں کا کام بڑے پیمانے پر ہوا۔ ابھرے حدیث نے نہایت محنت و جانشناوی اور عرق ریزی سے حدیشوں کے متن اور اسناد میں تحقیق و تقدیم کے بعد احادیث کے مجموعے مرتب کئے۔ اس سے پہلے اقوال صحابہ رض اور تابعین کے فتاویٰ بھی احادیث کی کتب میں شامل تھے مگر اس دور میں یہ اہتمام ہوا کہ حدیث کی فتحی تقسیم (صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ) کے اعتبار سے حدیث کی کتب تیار ہوئیں۔ اس دور میں بعض محدثین نے اپنی پوری زندگیاں حدیث رسول ﷺ کے لئے وقف کر دیں، جس کے نتیجے میں صحاح ستہ جیسا ذخیرہ میسرا ہے۔

صحابہ اور ان کے مولیٰ قین کا تعارف

”صحابہ“ صحیح کی جمع ہے اور سترہ کا معنی چھ ہے۔ صحابہ اصطلاحاً ان حدیث کی چھ مشہور کتابوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جنہیں مدینہ نے صحیح ہونے کی سند عطا کی ہے۔ حدیث فی اعتبار سے جب جمع ہوئی اور یہ علم اپنے عروج کو پہنچا تو یہ چھ قابل قدر جمیع سامنے آئے۔

- ۱۔ الجامع الصحيح: (صحیح بخاری) ابو عبد اللہ محمد بن اسما علیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ
 - ۲۔ الجامع الصحيح: (صحیح مسلم) ابو الحسین مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری رحمۃ اللہ علیہ
 - ۳۔ سنن ابو داؤد: امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق جستانی رحمۃ اللہ علیہ
 - ۴۔ سنن ترمذی: ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ
 - ۵۔ سنن نسائی: ابو عبد الرحمن احمد بن شیعہ بن علی نسائی رحمۃ اللہ علیہ
 - ۶۔ سنن ابن ماجہ: ابن ماجہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ
- تو یہ: بعض ائمہ احادیث نے سنن ابن ماجہ کی جگہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۲ھ تا ۲۵۶ھ

نام: ابو عبد اللہ محمد بن اسما علیل بن ابراہیم مغیرہ الجعفری بن برذبہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاری ۱۹۲ھ (۸۱۰ء جولائی ۱۹۲ھ) بخارا میں جمیع کے روز پیدا ہوئے۔ بخارا کی نسبت سے ہی بخاری کہلائے۔ آپ کے والد اور دادا بخارا کے بہت بڑے تاجر تھے۔ آپ جلد والد کی شفقت سے محروم ہو گئے، بڑے بھائی احمد بن اسما علیل اور والدہ نے تربیت کی۔ بچپن سے ہی آپ کو حدیث رسول ﷺ سے بے حد شفقت تھا، وہ برس کی عمر تھی جو حدیث سنتے فوراً حفظ کر لیتے۔ گیارہ برس کی عمر تک حدیث داخلی سے علم حدیث سیکھا، سولہ سال کی عمر میں آپ نے عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور کعب بن جراح کی روایات از بر کرنی تھیں۔ جب آپ حج پر گئے تو حج سے فارغ ہو کر گھر نہیں لوٹے بلکہ حدیث کا علم حاصل

کرنے کی غرض سے جاہز میں ہی قیام فرمایا۔ مد وین حدیث اور طلب علم کے لئے خراسان، عراق، شام، مصر، بغداد اور بصرہ کے سفر کئے۔

آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں قضاۓ صحابہ و تابعین کے نام سے ایک عظیم کتاب مرتب کی جس میں مختلف شرعی اور معاشرتی امور کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم عظام کے احکام اور فیصلے درج تھے۔ کافی سالوں کے علمی سفر کے بعد اپنے وطن تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ آپ نے بخارا میں ہی درس و تدریس اور عظیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسی دوران حاکم بخارا خالد بن احمد نے آپ سے درخواست کی کہ اس کے پھوٹوں کو اس کے گھر آ کر تعلیم دیں۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اہانت منظور نہیں، اس پر حاکم بخارا نے عرض کی میرے بیٹوں کو مدرسے میں متاز جگہ مہیا کی جائے، امام بخاری رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا علم پیغمبروں کی میراث ہے اس میں خصوصی امتیاز روانہ نہیں۔ بعض لوگوں نے حاکم بخارا کے کان بھرے اور امام بخاری رضی اللہ عنہ پر غرور کا الزرام لگایا جس پر امام بخاری رضی اللہ عنہ کو بخارا چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نیشاپور گئے وہاں بھی امیر شہر سے نہ بني پھر سرقند کے ایک گاؤں خرستگ چلے گئے اور یہیں کیم شوال ۲۵۶ھ سوموار کی رات عید الفطر کو ۲۲ سال کی عمر میں انتقال فرمایا (انا لله وانا اليه راجعون) ظہر کی نماز کے بعد مدفن ہوئے۔

صحیح بخاری: امام بخاری رضی اللہ عنہ کو جس کتاب نے بقاۓ دوام پختاواہ آپ کی "الجامع الصحیح" (صحیح بخاری) ہے، آپ اٹھارہ سال کی عمر میں تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے تھے۔ مسجد نبوی میں بیٹھ کر کتاب التاریخ لکھی۔ آپ کے استاذ مخترم شیخ احقیق بن راہو یہ رضی اللہ عنہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ "اگر کوئی شخص اس انداز سے احادیث جمع کرے کہ اس میں سے ضعیف اور موضوع چھانٹ دے تو بہت بہتر ہو۔"

امام بخاری رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت تھی اور آپ کی حدیث سے جو الفت تھی اس نے امام بخاری رضی اللہ عنہ کو اس کام پر آمادہ کیا۔ اٹھارہ سال کی متواتر محنت، جانفتانی اور عرق ریزی سے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے چھ لاکھ احادیث میں سے چھان پھٹک کر

کے چھ ہزار احادیث کا انتخاب کیا، سات سو اکٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات موجود ہیں۔ جب آپ کے معین کئے ہوئے اصول روایت اور درایت سے کسی حدیث صحیح کا تعین ہو جاتا تو دور کعت نماز پڑھ کر دعائے استخارہ کرتے، اور پھر اسے کتاب میں درج کرتے۔ صحیح بخاری کی مضمون و ارتقیب مسجد نبوی میں روضہ اطہر اور ممبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ”روضۃ من ریاض الجنة“ میں بیٹھ کر کی گئی۔

حدیث کے ائمۂ حنفی کا فصل ہے بخاری شریف ”اصح الكتاب علی ادیم الارض بعد القرآن“ (قرآن کے بعد روئے ارض پر صحیح ترین کتاب بخاری ہے) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو فی حدیث پر اس قدر عبور تھا کہ ایک دفعہ دس آدمی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے انہوں نے من گھرست حدیثیں پیش کیں۔ آپ نے سب کی تردید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا کا حافظہ عطا فرمایا تھا۔ مجلس میں بیٹھے بیٹھے ہزاروں احادیث زبانی سنا دیا کرتے تھے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ تشریف لاتے تو آپ کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور ”سید المحدثین“ ”طیب علم حدیث“ اور ”استاذ الاسلامۃ“ کہہ کر خطاب کرتے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”میں نے عراق اور خراسان کی زمین میں حدیث، تاریخ، علل حدیث اور اسانید کی پیچان میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔“

امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”اس نیلگوں آسمان کے نیچے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں“

www.KitaboSunnat.com

امام زورقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”محمد بن اسما عیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ امت محمدیہ کے نقیب اور امام ہیں“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بخاری شریف قرآن کے بعد دنیا کی سب سے صحیح ترین کتاب تسلیم کی گئی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ بھی تھے اور جس طریقے سے انہوں نے فقیہی ابواب پر احادیث کو مرتب کیا ہے یہ کتاب بیک وقت حدیث کی کتاب بھی ہے اور فرقہ کی بھی، چونکہ ساری احادیث مستند اور صحیح کا درجہ رکھتی ہیں اس لئے دین کا ہر

طالب علم بغیر کسی خدشے کے بخاری شریف سے کب فیض کر سکتا ہے زندگی کے روزمرہ مسائل میں اگر قرآن مجید اور صرف بخاری ہی کو پیش نظر رکھ لیا جائے تو امت مسلمہ کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ موجودہ فرقہ بندی صرف ایک ہی صورت میں ختم ہو سکتی ہے اگر ہم رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق ”انی ترکت فیکم امرین لن تضلوا بعدی ما تمسکتم بهما کتاب اللہ و سنته رسولہ۔“ (میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے جب تک ان دونوں سے چھٹے رہو گے۔ ایک کتاب اللہ و سری اس کے رسول کی سنت) ان دونوں سے چھٹ جائیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ۲۰۳ھ تا ۲۶۱ھ

نام: مسلم بن حجاج القشیری کنیت ابو الحسین لقب عساکر الدین تھا۔ سلسلہ نسب امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بن حجاج بن مسلم بن درد بن کشاد القشیری ہے۔

حالات: ۲۰۳ھ میں نیشاپور جو خراسان کا ایک مشہور شہر میں پیدا ہوئے۔ تلاش حدیث میں بڑے طویل سفر کئے، عراق، ججاز اور مصر و شام کے متعدد علماء سے علم حدیث حاصل کیا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح علم حدیث سے بے پناہ شفقت تھا، بڑی محنت اور لگن کے ساتھ کتابت حدیث کی طرف توجہ دی، آپ کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، امام تیجی نیشاپوری، امام احمد بن یوسفی، امام حزمہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے شیوخ کے نام آتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے علاوہ فقہ اور اسماء الرجال پر کتابیں لکھیں۔ آپ کے تلامذہ میں امام ترمذی، ابوالفضل بن احمد اور ابراہیم بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ علماء شامل ہیں۔

وفات: رجب ۲۶۱ھ اتوار کے روز وفات پائی، نصیر آباد نیشاپور میں دفن ہوئے۔

مسلم شریف: صحیح مسلم کا اصل نام ”الجامع الصحيح“ ہے۔ آپ نے انتخاب احادیث میں از تحقیق سے کام لیا۔ تمیں لا کھا احادیث میں سے مسلم شریف کی احادیث کا انتخاب کیا۔ بخاری شریف کے بعد حدیث کی تمام کتابوں میں سے اس کو سب سے بہتر تلیم کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جامع بھی صحیت اور استناد کے اعتبار سے صحیح بخاری کے

قریب متصور ہوتی ہے۔ جس حدیث کی صحت اور متن پر امام بخاری رض اور امام مسلم رض دونوں کا اتفاق ہوا اسے اصطلاح حدیث میں ”متفق علیہ“ کہا جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں غیر مکر راحادیث کی تعداد تین ہزار ہے۔ مسلم شریف میں اسناد پر بہت زور دیا گیا ہے اور خصوصاً بہت زیادہ تقدیم سے کام لیا گیا ہے۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ ۲۰۲ھ تا ۲۷۵ھ

نام: سلیمان رحمۃ اللہ علیہ اور سلسلہ نسب اس طرح ہے ”سلیمان بن اشعت بن الحنفی بن شیر بن شداد بن عمر بن عمران از جستانی۔“

حالات: ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے، طلب حدیث میں مصر، شام، عراق، ججاز، خراسان کے لئے سفر کئے، متعدد مرتبہ بغداد تشریف لے گئے وہاں انہوں نے امام احمد بن حبل رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث سیکھی۔ پھر بصرہ میں آ کر آباد ہوئے۔ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام موسیٰ بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”امام ابو داؤد دنیا میں حدیث کی خدمت اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے۔“ ایک دوسرے عالم کا قول ہے۔ ”علم و بصیرت میں آپ کے پائے کا کوئی انسان نہیں۔“

اس لئے متفقہ طور پر آپ کو جرج و تعدیل کا امام مانا گیا ہے۔

وفات: احوال ۲۷۵ھ جمعہ کے روز بصرہ میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔

سنن ابو داؤد: آپ کا مرتب کردہ مجموع حدیث سنن ابو داؤد کے نام سے معروف ہوا۔ علماء نے اسے ”عجوبہ عالم“ قرار دیا۔ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے چھان بیہن کے بعد صرف اڑتا لیس سوا احادیث کا انتخاب کیا۔ جب یہ کتاب امام احمد بن حبل رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش ہوئی تو انہوں نے اسے پسند فرمایا۔ آپ نے حسن ظن سے بہت کام لیا، اگر راوی پر شک ہوتا یا حدیث میں کوئی قابل اعتراض بات معلوم ہوتی اس پر محض ایک نوٹ لکھ دیتے اور زیادہ جرج نہیں کرتے تھے۔ بہر حال سنن البی داؤد اپنے موضوع کے اعتبار سے جامع اور مکمل کتاب ہے، اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں تفسیر، تاریخ، نقد و قانون، زہد و درع اور جہاد و تبلیغ کا پیغام بھی ہے۔

امام ترمذی عَلَیْهِ السَّلَامُ ۖ ۲۰۹ھ تا ۲۷۹ھ

نام: محمد، کنیت ابو عیسیٰ سلسلہ نسب یوں ہے ”محمد بن عیسیٰ عَلَیْهِ السَّلَامُ بن سورہ بن موسیٰ بن حجاج“ اپنے قبیلے کی نسبت سے سلمی مشہور ہوئے۔ آخر عمر میں نایبنا ہونے کی وجہ سے ”ضریر“ کہلوائے اپنے گاؤں بوغ کی نسبت سے بوغی اور وطن کی نسبت سے ترمذی مشہور ہوئے۔ حالات: امام ترمذی عَلَیْهِ السَّلَامُ ۖ ۲۰۹ھ میں ترمذ (ترکستان) میں پیدا ہوئے، جو بخارا سے پندرہ میل دور ہے۔ امام ترمذی عَلَیْهِ السَّلَامُ کے دور میں حدیث کا بڑا چرچا تھا۔ آپ کا اپنا شہر علم فن کا مرکز تھا، ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، اس کے بعد طلب حدیث میں عراق، حجاز، شام وغیرہ کا سفر کیا اور انہے حدیث سے اس فن میں دسترس حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور امام محمد بن مالک عَلَیْہِ السَّلَامُ کے نام نمایاں ہیں۔ آپ کا حافظہ ضرب المثل تھا۔ چالیس، چالیس احادیث ایک بار سن کر استاد سمیت زبانی یاد کر لیتے تھے۔ متوں امام بخاری عَلَیْہِ السَّلَامُ کی خدمت میں رہے۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَامُ کے بارے میں امام بخاری عَلَیْہِ السَّلَامُ فرمایا کرتے تھے ”جتنا ترمذی نے مجھ سے فائدہ حاصل کیا ہے اتنا فائدہ میں نے ان سے حاصل کیا ہے۔“

ایک بار امام ترمذی عَلَیْہِ السَّلَامُ سفر کر رہے تھے ایک منزل پر قافلہ ٹھہر انہیں صبح کے وقت معلوم ہوا کہ یہاں ایک اور قافلہ بھی ٹھہر رہے جس میں ان کے حدیث کے استاد موجود تھے، چنانچہ استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا ”آپ نے ہمیں جس قدر احادیث پڑھائی ہیں ان میں چالیس ایسی ہیں جنہیں میں آپ کی زبان سے نہیں سن سکا۔ آپ اگر اس وقت ارشاد فرمائیں تو میرا سبق مکمل ہو جائے گا، استاد نے فرمایا: تمام طالب علم لکھنے کا سامان لے آئیں میں بولتا جاتا ہوں وہ لکھنے جائیں۔ طباء جمع ہو گئے تو استاد نے حدیثیں سانان شروع کیں۔ اتفاق سے امام ترمذی عَلَیْہِ السَّلَامُ کے پاس کاغذ قلم نہ تھا، آپ کجاوے کی اوٹ میں اس طرح بیٹھ کر لکھنے والے کو یوں گمان ہوتا تھا کہ وہ لکھنے میں مصروف ہیں، اتفاق سے استاد کی نظر پڑی، کاغذ قلم نہ دیکھ کر امام ترمذی عَلَیْہِ السَّلَامُ پر بہم ہوئے۔ فرمایا تم نے میرا سارا وقت

خراب کر دیا ہے ”امام ترمذی رض نے عرض کیا: ایسا نہیں ہے آپ جو کچھ لکھوار ہے ہیں مجھے سب یاد ہو رہا ہے۔ استاد کو یقین نہ آیا اور فرمایا: میں تجھے اور چالیس حدیثیں سناتا ہوں جواب تک میں نے نہیں سنائیں ذرا ان کو دہراو۔ جب استاد سن کے ساتھ سب حدیثیں سن پڑکے تو امام ترمذی رض نے انہیں سب حدیثیں جن کی تعداد سو تھی، سنادیں، استاد کو اس پر بہت تعجب ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ آپ اللہ کے خوف سے اس قدر روپا کرتے تھے کہ آخ عمر میں بینائی جاتی رہی۔

وفات: ۲۷ ربیعہ صفر ۲۷۹ھ کو ستر برس میں ترمذ میں انتقال فرمایا۔

جامع ترمذی: امام ترمذی رض کا یہ مجموعہ جامع ترمذی کے نام سے معروف ہے۔ احادیث کی بہت سی کتب پر اس کو فوقيت ہے۔ شاہ عبدالعزیز محمدث دہلوی رض جامع ترمذی کی چار نمایاں خصوصیات بیان فرماتے ہیں:

- ۱۔ زیادہ تکرار کے بغیر عدمہ ترتیب
- ۲۔ فقہاء کے مذاہب سے استدلال کا ذکر
- ۳۔ حدیث علل، صحیح اور ضعیف پر مکمل تبصرہ
- ۴۔ راویان حدیث کے نام، کنیت اور دیگر مختصر حالات

آپ نے خصوصیت کے ساتھ صرف ائمہ سے مستند احادیث منتخب کیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے اپنے زمانے میں یہ کتاب بہت پسند کی گئی۔ امام امن کیش رض اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رض نے جامع ترمذی کو خاص طور پر پسند کیا ہے۔ امام ترمذی کی کتابوں میں جامع ترمذی کے بعد شاہ ولی ترمذی کو بڑا مقام حاصل ہے۔ شاہ ولی ترمذی میں آپ نے وہ تمام احادیث جمع کر دی ہیں جو رسول اکرم ﷺ کے حلیہ مبارک، لباس، عادات، رفتار اور گفتار سے متعلق ہیں۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ آج بھی دنیا میں پہلی اور آخ ری کتاب ہے۔ دوسری تصانیف میں کتاب العلل، کتاب التاریخ، کتاب الفیہر، کتاب الزہد معروف ہیں۔

امام نسائی حجۃ اللہ علیہ ۲۱۵ھ تا ۳۰۶ھ

نام: احمد، کنیت ابو عبد الرحمن سلسلہ نسب، احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن منان بن دینار نسائی حجۃ اللہ علیہ۔

حالات: ۲۱۵ھ میں نساء کے مقام پر پیدا ہوئے، جو خراسان کے علاقے میں مرد کے نزدیک ایک مقام ہے۔ طن کی نسبت سے نسائی مشہور ہوئے۔ آپ نے علم حدیث کے لئے دوسرے ائمہ کرام کی طرح ترکستان، حجاز، عراق، جزیرہ، شام اور مصر کے سفر کئے۔ امام منتشر حجۃ اللہ علیہ اور امام طحاوی حجۃ اللہ علیہ نے ان کو جلیل القدر امام تسلیم کیا ہے۔ آپ کے اجتہاد، عبارت و ریاضت، شب زندہ داری، جہاد فی سبیل اللہ، اطاعت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلطین و امراء کی مجالس سے دور رہنے کو سب نے تسلیم کیا ہے۔

وفات: ۳۰۶ھ میں بعض کے نزدیک آپ کا مدفن رملہ (فلسطین) بتلاتے ہیں اور بعض نے آپ کا مدفن مکہ مکرمہ بیان کیا ہے۔

سنن نسائی: یہ مجموعہ احادیث اپنی اہمیت اور انفرادیت کے اعتبار سے ایک قابل قدر کوشش ہے۔ یہ کتاب مختلف ابواب میں تقسیم ہے، ہر باب ایمان، طہارہ، صلوٰۃ، صیام وغیرہ موضوعات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں عبادات سے متعلق ابواب بکثرت میں لیکن تفسیر القرآن اور مناقب کے ابواب مفقود ہیں۔ آپ کی سنن صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے۔

امام ابن ماجہ حجۃ اللہ علیہ ۲۰۹ھ تا ۲۷۳ھ

نام: محمد، کنیت ابو عبد اللہ سلسلہ نسب محمد بن یزید بن مجہ قزوینی، آپ کے والد یزید بن مجہ قبیلہ ربیعہ کے معروف آدمی تھے، لیکن ابن ماجہ حجۃ اللہ علیہ اپنے وادا کی نسبت سے معروف ہوئے۔ جو قبیلہ بنور بیعہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حالات: ۲۰۹ھ قزوین میں پیدا ہوئے، علم حدیث کی تلاش میں بہت جستجو کی، عراق، بصرہ، کوفہ، بغداد، حجاز، شام اور مصر کے مختلف شہروں کے طویل سفر اختیار کئے اور بہت سے ائمہ فن سے فیض حاصل کیا۔ آپ کی احادیث کوئی اماموں نے روایت اور نقش کیا ہے۔

وقات: ۲۷ رمضان ۱۴۳۷ھ سموار کو وفات پائی۔

سنن ابن ماجہ: سنن ابن ماجہ چار ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ جو بیس کتابوں (Main Headings) اور ایک ہزار پانچ سوابواب (Chapters) پر منقسم ہے۔ سنن ابن ماجہ کی تدوین و ترتیب میں دوسری کتب احادیث کے معیار کو مدد نظر نہیں رکھا گیا۔ اس نے بعض علماء فن اس کو صحاح ستہ میں شامل نہیں کیا ہے۔ اس کے باوجود سنن ابن ماجہ کی مجموعی افادیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

كتاب الجامع

از بلوغ المرام لابن حجر العسقلاني

باب الادب

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق

حدیث نمبر 1:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتُّ: إِذَا لَقِيَتْهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاهُ فَاجْهُهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِّدَ اللَّهَ فَشَمِّتَهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبَعْهُ)) (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں: (۱) جب تو اسے مل تو سلام کئے،
 (۲) اور جب وہ تجھے دعوت دے تو اس کی بات تسلیم کرے، (۳) اور جب وہ تجھے سے خیر
 خواہی چاہے، تو اس کی خیر خواہی کرے، (۴) اور جب اسے چھینک آئے، پھر وہ الحمد للہ
 کہے تو تو (یا حکم اللہ) سے اس کا جواب دے، (۵) اور جب وہ بیمار ہو جائے تو تو اس کی
 بیمار پرستی کرے، (۶) اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے۔

تشریح: آداب معاشرت کو دین اسلام میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

”میرے رب نے مجھے علم عطا کیا اور بہت اچھا علم عطا کیا“ اور میرے رب
 نے مجھے تہذیب سکھائی اور بہت اچھی تہذیب سکھائی۔“ (الباجع الصغير)

اسلام اخوت یعنی بھائی چارے کا دین ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

»إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ« (الحجرات: ۱۰) ”یقیناً مؤمناً من آپس میں بھائی ہیں“

الہذا مسلم معاشرے میں جن آداب کا لاحاظہ رکھنا اسلام نے ضروری خیال کیا ہے ان پر مشتمل
 آداب ہماری تہذیب و ثقافت کا ایسا حصہ ہیں جن کی مثال کسی نہ ہب و ملت میں نہیں ملتی۔

اسلامی تعلیمات

154

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق کا ذکر فرمایا ہے ان کا چھوڑ دینا نہایت ہی غیر مناسب ہے اور ان حقوق کا ادا کرنا واجب ہے۔

”سلام“ کے معنی سلامتی کے ہیں ”سلام“، اللہ تعالیٰ کے ”اسماء الحسنی“ میں سے ایک نام ہے۔ ملاقات کے وقت پہلے سلام کرنا واجب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو ملتے تو سلام کہتے اور جب کسی درخت یا ٹیلے کے آجائے سے جدا ہو کر دوبارہ ملتے تو سلام کہتے۔

دعوت پر بلانے سے مراد ”دعوت ولید“ بھی ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس میں غیر شرعی رسوم و رواج نہ ہو اس کے علاوہ اگر کوئی اپنے اچھے مقصد مثلاً مدد اور مشورہ (وغیرہ) کے لئے بلائے تو اس کے پاس جانا اس کا حق ہے۔

خیر خواہی کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: کہ مسلمان حاضر ہو یا غائب اس کی خیر خواہی لازم ہے لہذا ”درست مشورہ“ دینے سے اس کی ”خیر خواہی“ اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ (ترمذی) چھینک آنے پر ”الحمد لله“ کہنا واجب ہے اور بخاری شریف کی روایت کے مطابق یہاں کی تیار داری کرنا واجب ہے۔ اس طرح مسلمان کے جنازے میں شرکت کرنا اور جنازے کے ساتھ جانا اس کا حق ہے اور فرض کفایہ ہے۔

اللہ کی نعمتوں کا شکر

حدیث نمبر 2:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ انْظُرُو إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُو إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزَدِرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ)) (متفق عليه)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس آدمی کی طرف دیکھو جو تم (مقام و مرتبے میں) تم سے کم تر ہے اور اس آدمی کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اونچا ہے، یہ بات اس لحاظ سے زیادہ مناسب ہے کہ تم اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو تھارت کی نظر سے نہ دیکھو۔“

تشریح: اس سے مراد دنیاوی امور ہیں، جب انسان اپنے سے زیادہ مرتباً والے کی طرف دیکھتا ہے تو اسے اُن فتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی جو اُس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے برس رہی ہیں۔ الہذا دینی امور آپ ﷺ کے اس حکم سے مستثنی ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ حاجت مند کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کریں نیز یہ کہ اگر کوئی شخص دنیا دار لوگوں کو اپنا (Ideal) بنالے گا تو پھر خطرہ ہے کہ اس کے دل میں اپنے خالق کے بارے میں شکوہ پیدا ہو جائے یا پھر اس شخص پر حسد پیدا ہو جائے۔ مسلمان کو ہمیشہ ہر حالت میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔

حسن خلق

حدیث نمبر 3:

((عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ، فَقَالَ: الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ، وَكَرِهْتَ أَنَّ يَطَّلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) (آخر حجۃ مسلم)

حضرت نواس بن سمعان سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کی تعریف پوچھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی حسن خلق کا (دوسرा) نام ہے اور گناہ وہ ہے ہوتھا رے سینے میں کھٹک جائے اور تو اسے ناپسند کرے کہ لوگ اس سے باخبر ہو جائیں۔

تشریح: اس حدیث میں آپ ﷺ نے لوگوں سے خدھ پیش آنا چاہیے۔ حدیث میں یہ بھی آتا ہے ”تیامت کے دن میران میں ”حسن خلق“ سے زیادہ وزنی چیز کوئی نہیں ہوگی۔“ (ریاض الصالحین) قرآن مجید میں ارشاد ہے: (إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ) (القلم: ٤) ”یعنی آپ ﷺ عظیم خلق عظیم کے مالک ہیں“ پس ثابت ہوا کہ لوگوں کے ساتھ درستی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے، ان کا بوجھ برداشت کرنا چاہیے، سختی، غصہ اور درست درازی نہیں کرنی چاہیے۔ ”بَرَزَ“ ایسی نیکی کو کہتے ہیں جس کا شرہ یعنی ”نتیجہ“ عام اور وسیع ہو جو دوسروں تک بھی پہنچے۔ ”گناہ“ ایک ایسا عمل ہے جس کو سب لوگ بُرا جانتے

ہیں اس لئے آدمی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کے بڑے کام لوگوں کو معلوم نہ ہوں۔ شک و شہروں اے تمام امور کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

آدمیت احترام آدمی

حدیث نمبر 4:

((عَنْ أَبْنِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّدَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُتُمْ ثَلَاثَةٌ فَلَا يَسْتَأْجِلُ الْأَثْنَانِ دُونَ الْآخِرِ حَتَّى تَخْتَلُطُوا بِالنَّاسِ، مِنْ أَجْلِ أَنَّ ذَلِكَ يُحْزِنُهُ)) (متفق علیہ، واللفظ مسلم)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی مجلس میں تم تین آدمی ہوتے ہو تو تیرے کو چھوڑ کر دو آدمی سرگوشی نہ کریں، یہاں تک کہ لوگوں میں مل جاؤ، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات اس تیرے کو رنجیدہ کر دے گی۔“

تشریح: فرمایا: جب مجلس میں تین آدمی موجود ہوں تو تیرے کو چھوڑ کر دو آدمیوں کو سرگوشی نہیں کرنا چاہیے۔ چار ہونے کی صورت میں دو آدمی رازداری کر سکتے ہیں اس طرح تیرے کو چوتھے سے گفتگو کا موقع مل جاتا ہے۔ لہذا تیرا آدمی غمگین نہیں ہو گا۔ جب دو آدمی آپس میں بات کرتے ہوں تو تیرے کو مداخلت یعنی بات سننے کا حق نہیں ہے۔ (الادب المفرد للبغاری) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ایسے لوگوں کی بات کان لگا کرنے جو اس سے بھاگتے ہوں تو قیامت کے دن اس نے کانوں میں سیسمڈ الاجائے گا۔ (ابوداؤد)۔

و سعْتَ قَلْبِي

حدیث نمبر 5:

((وَعَنْ أَبْنِي عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّدَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقْدِمُ الرَّجُلُ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ وَلِكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا)) (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی

آدمی دوسرے آدمی کو اس کے بیٹھنے کی جگہ سے اٹھا کر پھر اس کی جگہ پر خود نہ بیٹھے، بلکہ تم کھل جایا کرو اور مجلس میں وسعت پیدا کر لیا کرو۔ (متفق علیہ)
 تشریح: اس سے مراد وہ جگہ ہیں جہاں ہر مسلمان کے لئے بیٹھنا جائز ہے۔ جو شخص پہلے آ کر بیٹھ جائے کسی کے لئے جائز نہیں کہ اُسے اٹھا کر خود بیٹھ جائے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے دلوں میں دوری اور بغض کے پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ البتہ خود جگہ دینا عزت و احترام کا نشان ہے۔

آداب طعام

حدیث نمبر 6:

((وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ حَتَّى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعَقَهَا))
 (متفق علیہ)

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب تم میں کوئی آدمی کھانا کھا چکے تو اپنے ہاتھ کو اس وقت تک صاف نہ کرے جب تک اسے چاٹ نہ لے یا کسی سے چٹوانہ نہ لے۔“ (متفق علیہ)

تشریح: ”لَا يَمْسَحْ يَدَهُ“ سے مراد یہ ہے کہ کپڑے یا تو لیے وغیرہ سے ہاتھ صاف نہ کرے یہاں تک کہ اپنی انگلیاں چاٹ نہ لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”کہ کھانے والے کو معلوم نہیں کہ اس کے کھانے کے کون سے حصے میں برکت ہے“ (سلم) برکت کا مطلب تو بہت وسیع ہے مگر مختصر آئیہ کہ کھانا آسانی سے ہضم ہو جائے۔ کسی بیماری وغیرہ کا باعث نہ بنے اور بھوک کا احساس مت جائے (نووی) بعض حکماء یہ کہتے ہیں کہ انگلیاں چائے سے نظام انہضام مضبوط ہوتا ہے (واللہ اعلم) نیز یہ صفائی و پاکیزگی کے لئے بھی بہتر عمل ہے۔

سلام میں پہل کرنا
 حدیث نمبر 7:

((وَعَنِ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِيُسَلِّمِ الصَّغِيرُ))

عَلَى الْكِبِيرِ، وَالْمَارُ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ))

(متفق علیہ)، وَفِي رِوَايَةِ الْمُسْلِمِ وَالرَّاجِبِ عَلَى الْمَائِشِي

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
چھوٹے کو لازم ہے کہ بڑے کو سلام کہے، پیدل چلنے والا بیٹھے کو اور جو تعاد
میں تھوڑے ہیں اپنے سے زیادہ کو سلام کہیں اور مسلم شریف کی ایک روایت
میں ہے کہ سوار پر لازم ہے کہ وہ پیدل کو سلام کہے۔

ترشیح: صیر کو حکم ہے کہ وہ کبیر یعنی بڑے کی توقیر کرتے ہوئے سلام کرنے میں پہل
کرے اور اس کے ساتھ با ادب رہے۔ زیادہ لوگوں کا تھوڑے لوگوں پر حق فاقہ ہے۔ گذرنے
والا بیٹھے ہوئے کو پہلے سلام کرے کہ وہ داخل ہونے والے کے حکم میں ہے، سلام کرنے کا
حکم ہے، یہ بھی اس میں حکمت ہے بیٹھا ہوا شخص پار بار متوجہ ہو کر گذرنے والے کو سلام نہیں
کر سکتا یہ نہایت مشکل کام ہے جب کہ گذرنے والے کے لئے آسان ہے۔ سوار چلنے
والے کو سلام کہے کہ سواری بڑائی اور بلندی کا نشان ہے۔ اس لئے سوار کے لئے مناسب
ہے کہ وہ توضیح کرے۔ اس سے خود بینی اور تکبر کی جزیں کاٹ دی گئی ہیں۔ حدیث میں آتا
ہے دو آدمی جب آپس میں ملیں تو جو پہلے سلام کہے گا وہ افضل ہوگا۔ (الادب المفرد)

سلام کا کافی ہونا

حدیث نمبر 8:

((وَعَنْ عَلِيٍّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: يُحْرِزُ عَنِ
الْجَمَاعَةِ إِذَا مَرُوا أَنْ يُسَلِّمُ أَحَدُهُمْ وَيُجْزِي عَنِ الْجَمَاعَةِ أَنْ
يَرُدَّ أَحَدُهُمْ)) (رواہ أحمد و البیهقی)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جماعت کی
طرف سے گزرتے ہوئے اگر ایک آدمی (نمایندگی کرتے ہوئے) سلام کہے تو
ساری جماعت کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر جماعت کی طرف
سے ایک آدمی جواب دے تو ان کی طرف سے بھی کافی ہو جاتا ہے۔“

تشریح: یعنی جماعت کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک آدمی سلام کہنے تو سب کی طرف سے فرض ادا ہو گیا اس طرح جواب کا بھی یہی حکم ہے۔
اہل کتاب کو سلام میں پہلی کی ممانعت
حدیث نمبر 9:

((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَبْدُوا إِلَيْهُمْ وَلَا النَّصَارَى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيْمُوْهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطُرُّوهُمْ إِلَى أَضْيَقَهُ)) (آخر جة مسلمة)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب تم انہیں کسی راستے میں ملوتو ان کو راستے کے تنگ حصے سے گز نے پر مجبور کرو۔“ (سلم)

تشریح: مراد یہ ہے کہ عزت کے حقدار صرف مسلمان ہیں۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ یہ حکم نبی تحریکی ہے یعنی اہل کتاب کو پہلے سلام کہنا جائز ہی نہیں، حکمت یہ ہے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کے ساتھ اتفاق نہیں رکھتے اسی میں مسلمان کی توقیر ہے۔ اسی لئے حکم دیا کہ اگر راستے میں تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان کے لئے کھلا راستہ مت چھوڑو تو تاکہ ان کو ذلت محسوس ہو۔ اللہ کا فرمان ہے ”میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ“ (المحتیۃ) نبی ﷺ کا فرمان ہے جب یہودی تمہیں سلام کہتے ہیں تو وہ ”السلام علیکم“ (تم پر موت ہو) کہتے ہیں لہذا تم جواب میں کہو ”وعلیکم“ یعنی تم پر ہو (بخاری) اگر واضح اور صاف ”السلام علیکم“ سنائی دے تو (بعض علماء کے نزدیک) انہیں ”وعلیکم السلام“ کہہ سکتے ہیں۔

چھینک کے آداب

حدیث نمبر 10:

((وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلَيَقُلْ: الْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَيَقُلْ لَهُ أَخْوَهُ: يَرْحَمُكَ اللَّهُ، فَإِذَا قَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ، فَلَيَقُلْ لَهُ يَهْدِيْكُمُ اللَّهُ وَيُصْلِحُ بَالْكُمْ)) (آخر جة البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ الحمد للہ کہے اور اس کا بھائی اس کے لئے رحمک اللہ کہے، پھر جب وہ اس کے لیے رحمک اللہ کہے تو چھینک مارنے والے پر لازم ہے کہ وہ پھر کہے ”یہ دیکم اللہ و يصلح بالکم“ (اللہ تھمہیں ہدایت دے اور تمہارے حالات کی اصلاح کرے)۔

تشریح: ”یہ دیکم اللہ“ اللہ آپ کو ہدایت عطا کرے جس طرح آپ نے میری چھینک کو خوست نہیں جانا (جیسا کہ گراہ لوگ سمجھتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اچھا صاحب دے اور ہدایت و رہنمائی فرمائے۔

کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت

حدیث نمبر 11:

((وَعَنْهُ صلوات اللہ علیہ و آله و سلم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلوات اللہ علیہ و آله و سلم: لَا يَشْرَبَنَّ أَحَدُكُمْ قَائِمًا)) (آخر جة مسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی کھڑا ہو کر ہرگز کوئی چیز نہ پینے۔“

تشریح: آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے۔ عام طور پر کھڑے ہو کر کھانا پینا جانور کی فطرت ہے، نیز ممانعت کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آدمی بیٹھ کر پینے تو عموماً اطمینان سے پینتا ہے۔ آداب شرب کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی تین سانس لے کر پینے اور یہ بھی حکم ہے کہ سانس برتن کے اندر نہ لیا جائے (بخاری و مسلم) جبکہ علماء اس بارے میں رائے دیتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پینا افضل کے خلاف ہے۔ دوسرا یہ کہ مکروہ ہے۔ البتہ آب زمزم، وضو کا بچا ہوا پانی اور راستے کا پانی کھڑے ہو کر پینا ثابت ہے (بخاری، مسلم، ترمذی) این عمر صلوات اللہ علیہ و آله و سلم فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے زمانے میں چلتے ہوئے کھالیتے تھے اور کھڑے ہو کر پیلیتے تھے۔ (ترمذی)

دائیں طرف سے آغاز باعث برکت

حدیث نمبر 12:

((وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا اتَّعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيُبَدِّأْ بِالْيُمْنِينِ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيُبَدِّأْ بِالشِّمَاءِ، وَلْتَكُنِ الْيُمْنِي أَوْ لَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ))

آخر جهہ مسلم کی قویہ بالشمال، و آخر جا باقیہ مالک والترمذی و ابوداود۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی جوتا پہننے لگے تو دائیں طرف سے شروع کرے اور جب اتنا نے لگے تو بائیں طرف سے شروع کرے تاکہ پہننے دیاں اول اور اتنا نے میں آخربی ہو۔“

تشریح: دائیں طرف سے آغاز تمام صالح اعمال میں شروع ہے لہذا وہ تمام امور جو زینت، عزت و شرف کا باعث ہوں انہیں دائیں طرف سے شروع کرنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں جانب سے شروع کرنا پسند تھا، جوتا پہننے میں، کنگھی کرنے میں، وضو کرنے میں اور تمام کاموں میں۔ (تفقیح علیہ)۔

ایک پاؤں میں جوتا پہننے کی ممانعت

حدیث نمبر 13:

((وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَمْسِ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، وَلَيُبَعْلِهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيُخْلِعُهُمَا جَمِيعًا)) (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی ایک جوتا پہن کرنے پلے یادوں پہن لے یادوں اتنا رہے۔“

تشریح: جوتا پہننے کا مقصد تکلیف وہ چیزوں سے پاؤں کا بچانا ہوتا ہے، نیز زینت بھی ہے۔ لہذا جوتا پہننے میں بھی یادب سکھایا گیا ہے کہ ایک جوتا اتنا کرچلنے سے آدمی کا توازن و اعتدال قائم نہیں رہتا۔ ننگے پاؤں چلنا آدمی کے مقام و مرتبے اور وقار کے خلاف نہیں۔

حضرت فضالہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمیں یہ بھی حکم دیتے تھے کہ کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ (ابوداؤد)

غور کی سزا

حدیث نمبر 14:

((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْسُطُرُ اللَّهُ إِلَيْ مَنْ جَرَوْبَةً خُلَّاً)) (متقدّق عليه)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس آدمی کی طرف (نظر رحمت سے) ہرگز نہیں دیکھتا جو غور سے اپنے کپڑے کو گھینٹا ہے۔“

تشریح: لباس آدمی کی بنیادی ضرورت اور عزت و وقار کی علامت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اے بني آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا تاکہ تمہارے ستر کوڈھانپے اور تمہارے بدن کو زینت دے اور پرہیزگاری کا لباس سب سے اچھا ہے۔“ (۱۷/الاعراف: ۲۶)

”گھینٹا پھرے“ یہ عبید مرد کے لئے ہے۔ اس سے تمہندا اور شلوار وغیرہ مراد ہے اور اس کے لئے فخر کی قید بھی لاگا دی، اگر کسی وجہ سے تمہندا اور شلوار وغیرہ نیچے ہو جائے تو اللہ کی طرف سے مواخذہ نہ ہوگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس میں لا پرواہی نہ کرے۔ مسلمان کا دامن ہر قسم کے فخر و غور اور تکبر سے پاک ہونا چاہیے۔

دائیں جانب کی فضیلت

حدیث نمبر 15:

((وَعَنْهُ رضي الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيُأْكُلْ بِشَمَالِهِ، وَإِذَا شَرِبَ فَلْيُشَرِّبْ بِشَمِيمِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَا كُلُّ بِشَمَالِهِ، وَيَشَرِّبُ بِشَمَالِهِ)) (آخر جملہ مسلم)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل و برائین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جب تم میں سے کوئی آدمی کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب کوئی چیز پینے تو دائیں ہاتھ سے پینے کیونکہ شیطان اپنے دائیں ہاتھ سے کھاتا اور پینتا ہے۔“

تشریح: ”دائیں ہاتھ سے کھانا پینا“ شیطان سے مشابہت ہے، الہرام ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لڑکے بسم اللہ پڑھ، اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔ (بخاری) ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے دائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ ﷺ نے اسے دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم دیا اُس نے ”تکبر“ سے کہا میں نہیں کھا سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نہ ہی کھا سکو تو اس کے بعد وہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے منہ کی طرف کبھی نہیں آٹھا سکا۔ (مسلم)

غور کی ممانعت

حدیث نمبر 16:

((وَعِنْ عُمَرَ وَبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَيْمَهُ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ وَأَشَرَبَ وَالْبُسْ وَتَصَدَّقَ فِيْ غَيْرِ سَرْفٍ وَلَا مَجْعِلَةً)) (آخر جه آبوزادہ واحمد وعلقة البخاری)

”حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ، پیو، پہنوا اور صدقہ کرو، بغیر فضول خرچی اور تکبر کے۔“

تشریح: کام یا گفتوگو وغیرہ میں حد سے گذرنے کا نام اسراف ہے۔ کھانے پینے، پہنچنے اور خیرات کرنے میں اسراف سے پہیز ضروری ہے اور ایسے نیک اور اچھے کاموں میں فخر کرنا بھی حرام ہے۔ ”اسراف و تبذیر“ آدمی کے لئے تباہی و بر بادی ہے اور فخر روح کے لئے مضر ہے کیونکہ خود پسندی پیدا کرتا ہے اور گنہگار بنتا ہے۔ نیز لوگوں میں ایسے شخص کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

قرآن مجید میں فرمایا: ”کھاؤ اور پیو اور بے جانہ اڑاڑا اور بے شک اسراف کرنے

والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ (۷/الاعراف: ۳۱)

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ہم مذہبی تہواروں اور شادی وغیرہ کے موقع پر اسراف و تبذیر کرتے ہیں اس سے ہمیں احتساب کرنا چاہیے۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا کی ہر بیان چیز مسلمان استعمال کر سکتا ہے مگر حد سے تجاوز نہ کرے۔

باب البر والصلة نیکی اور صلة رحمی کا باب

حدیث نمبر 17:

((وَعَنِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحَبَّ يُسْكِنُ
لَهُ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَالَهُ فِي أُثْرِهِ فَلَيُصِلْ رَحْمَهُ))

(اخراجہ البخاری)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص
یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا رزق و سبق ہو جائے اور اس کی عمر بھی ہو جائے تو
اسے چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔“

تفسیر: ”صلدرحمی“ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے ”کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا رزق فراخ ہو اور اس کی عمر میں برکت ہو
جائے تو اسے صلد رحمی کرنی چاہیے۔“ صلد رحمی کے برعکس قطع رحمی ہے یعنی اپنوں سے
مقاطعہ۔ دراصل تمام مادی و روحانی اسباب پیدا کرنے والے رب العالمین کا یہ وعدہ ہے
کہ جو شخص صلد رحمی کرے گا تو اس کے رزق میں فراخی اور عمر میں اضافہ ہو گا۔ اس سے اسے
قلبیطمیان و سرست حاصل رہے گا۔ جس طرح ایمان اور عمل صالح جنت میں جانے کا
سبب ہے اسی طرح صلد رحمی فراخی رزق اور درازی عمر کا سبب ہے۔ لہذا اگر رشتہ دار تعلقات
منقطع کریں تو آپ ان سے حسن سلوک کریں اور اگر وہ اچھا سلوک کریں تو آپ ان کے
ساتھ اچھا سلوک کریں۔ یہی صلد رحمی ہے۔

جنت سے محرومی کا سبب

حدیث نمبر 18:

((وَعَنْ جِبِيرٍ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ
الْجَنَّةَ قَاطِعٌ يَعْنِي قَاطِعَ رَحْمَمْ)) (متفق علیہ)

”حضرت جیبر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: قاطع جنت میں نہیں جائے گا، قاطع سے مزاد“قطع رحم“ ہے یعنی رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا۔“

تشریح: جن تعلقات کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو توڑنا قطع رحمی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن میں وعدہ آئی ہے۔ ”پس تم سے اس بات کی توقع ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتے کاٹ دو“ (محمد: ۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے اعمال جھوڑات کو پیش ہوتے ہیں تو قطع رحمی کرنے والے کا عمل بیوں نہیں ہوتا۔

(الادب المفرد للبغاری)

پس قرآن و حدیث نے صدر رحمی کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور قطع رحمی کرنے والے کے لئے دو زخ کی وعدہ سنائی ہے۔

حرام اور مکروہ افعال

حدیث نمبر 19:

((عَنْ الْمُغِيْرَةَ بْنِ شَعْبَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ حَرَمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأَمَّهَاتِ، وَأَذْلَالُ النِّسَاءِ وَمَنْعَاهَاتِ وَسَكَرَهُ لَكُمْ قَبِيلٌ وَقَالَ وَكَثِيرَةُ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةُ الْمَالِ)) (متفق عليه)

”حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ماں (باپ) کی نافرمانی، بیٹیوں کا زندہ دفن کرنا، کنجوی اور بھیک مانگنے کو حرام تھا ایسا ہے اور تمہارے لئے نال مٹول (فضول بحث و تجھیص) کثرت سوال اور مال ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔

تشریح: والدین کی نافرمانی: سلام میں ماں باپ کے ساتھ احسان کا حکم ہے۔ اس حدیث میں والدہ کی نافرمانی کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں کا حق باپ سے زیادہ اس لئے ہے کہ وہ اولاد کی پرورش کے لئے مشقت زیادہ اٹھاتی ہے، لہذا ماں کو

ستانا حرام ہے۔ فرمایا اولاد اپنے قول فعل سے ماں باپ کو دکھ تکلیف نہ دے۔ قرآن مجید تو اتنی بھی اجازت نہیں دیتا کہ والدین کو ”اُف“ کہا جائے (تفصیل کے لئے سورۃ القمان آیت ۱۲۷ املا حظر کجھے)۔

بیٹیوں کا زندہ درگور کرنا: بیٹیوں کا زندہ درگور کرنا حرام ہے۔ قدیم جاہلیت کے دور میں یہ کام لوگ انفرادی طور پر کرتے تھے۔ اس کی وجہات خواہ کچھ بھی ہوں قرآن اس گھناؤ نے عمل کو قتل قرار دیتا ہے اور قیامت کے روز ایسے شخص کی سخت باز پرس ہوگی۔

(دیکھئے المکور: ۸۹)

آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنی بڑی کو زندہ درگور نہ کیا اور اسے حقیر نہ سمجھا اور بیٹے کی طرح اس سے محبت کی تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا: (ابوداؤد) بخل اور بھیک: اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ”اے آدم کے بیٹے! اللہ کی راہ میں خرچ کر، اللہ تجھ پر خرچ کرے گا۔

(بخاری و مسلم)

قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”تم میں ایسے اشخاص بھی ہیں جو بخل کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو یہ اس کے اپنے نقصان میں ہے اور اللہ تو بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو،“

(محمد: ۳۸)

اس طرح بلا ضرورت شرعی کسی سے سوال کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے ”بلا ضرورت مانگنے والے کے چہرے پر قیامت کے روز گوشہ نہیں ہوگا۔

(بخاری)

قیل و قال اور کثرت سوال: رسول اکرم ﷺ نے بلا ضرورت سوالات کرنا، کث جھنی کی خاطر نہ سئے نئے سوال پیش کرنا ناپسند فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ تائی کہ پہلی امتیوں کو ان کی انہیں حرکتوں کی وجہ سے ہلاک کیا گیا اور وہ انہیاء سے اختلاف کرتے تھے۔

اسراف و تبذیر: جائز کاموں پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے اور گناہ اور شیطانی کاموں پر خرچ کرنا تبذیر کہلاتا ہے۔ اسراف کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا اور تبذیر کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

اللہ کی رضامندی اور ناراًصکی کا سبب

حدیث نمبر 20:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرُو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَضَى اللَّهُ فِي رَضَى الْوَالَّدِينَ، وَسَخَطَ اللَّهُ فِي سَخَطِ الْوَالَّدِينَ)) أَخْرَجَهُ التَّرمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ إِنْجَانٌ وَالْحَاكِمُ

”حضرت عبد اللہ بن عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رضامندی والدین کی رضامندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراًصکی ماں باپ کی ناراًصکی میں ہے۔“

تشریع: حتی الامکان والدین کو خوش رکھنا چاہیے اور ان کی ناراًصکی سے بچنا چاہیے تاہم شریعت کی مخالفت کر کے والدین کو خوش کرنے کی کوشش نہ کریں۔ حدیث کی مزید تشریع سورۃ القمان آیت ۱۲ کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

ہمسایہ کے حقوق کی پاسداری

حدیث نمبر 21:

((وَعَنْ أَنَسِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُحِبَّ لِجَارِهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ))

(متفق علیہ)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک (سچا) مومن نہیں بن سکتا جب تک اپنے ہمسائے کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔“

تشریع: ہمسائے کے حقوق کی اہمیت: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”جب ایں مجھے ہمیشہ پڑوی کے حقوق کی صیحت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ پڑوی کو جائیداد کا وارث بنادے گا“ (بخاری و مسلم)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہمسائے سے نیک سلوک کرے، (مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا: ”وَهُوَ خَصِّ هُرَّگَزْ جَنْتٍ مِّنْ نَّهِيْنَ جَاءَ گَا جِسْ كَه ہمسائے اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہوں،“ (مسلم)

اس حدیث میں مسلم بھائی اور ہمسائے کے لئے وہی چیز پسند کرنے کو ضروری قرار دیا گیا جو آدمی خود اپنے لئے پسند کرتا ہو یہ کام بہت مشکل نہیں ہے خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جن کے دل حسد، کینہ اور دھوکہ وغیرہ سے خالی ہوں۔

کبیرہ گناہ

حدیث نمبر 22:

(وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيُّ الدَّنْبُ أَعْظَمُ؟ قَالَ: أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ بِنَدًا وَهُوَ خَلْقَكَ، فَلْتُ ثُمَّ أَيْ؟ قَالَ: أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَحْشِيَّةً أَنْ يَاكُلَّ مَعْكَ فَلْتُ ثُمَّ أَيْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَنْ تُزَانِي بِخَلِيلَةِ جَارِكَ) (متفق عليه)

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا سب سے بر اگناہ کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو اللہ کا شریک کٹھرائے حالانکہ اس نے تھے پیدا کیا میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنی اولاد کو اس خوف سے مارڈا لے کر وہ تیرے ساتھ کھائے گی، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔

ترشیح: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”پس تم دیدہ و دانتہ اللہ کے لئے شریک نہ بناؤ۔“ (البقرة: ۲۲/۲)

شرک اتنا بر اگناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کو چیخنے ہے، شرک کے بعد نا حق قتل اور اس کے بعد بد کاری (زنا) کبیرہ گناہ ہے۔

اسلامی تعلیمات

170

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو مجبو نہیں پکارتے اور نہ ہی کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے اور نہ ہی زنا کرتے ہیں۔“ (الفرقان: ۲۸) خاص طور پر بدکاری جب اپنے بھائی عورت سے کرے تو یہ اور بھی بڑا گناہ ہے کیونکہ اپنے بھائی سے توزع و آبرو کی حفاظت کی توقع ہوتی ہے۔

ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے

حدیث نمبر 23:

((وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرُو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَكْبَرَ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالدِّينِ، قَيْلٌ وَقَلٌ يَسْبُّ الرَّجُلُ وَالدِّينِ؟ قَالَ نَعَمْ، يَسْبُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسْبُ أَبَاهُ، وَيَسْبُ أُمَّهُ فَيَسْبُ أُمَّهُ)) (متفق عليه)

”حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص اپنے والدین کو گالی دے، عرض کیا گیا، کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، وہ کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو، وہ (جو با) اس کے باپ کو گالی دیتا ہے وہ کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے اور وہ (جو با) اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔“

تشریح: والدین کو گالی دینا تو بہت دور کی بات ہے ایسا کام بھی نہیں کرنا چاہیے کہ جس کا نتیجہ والدین کو گالی دینے پر ملت ہو۔ آج کل کے حالات پر سخت افسوس ہوتا ہے۔ جب اولاد بھی مذاق میں والدین کو گالیاں دے رہی ہوتی ہے۔ ماں باپ کی بے عزتی کر دانے میں شرمساری باقی نہیں رہی اور نہ ہی دینِ اسلام کا پاس و لحاظ رہا۔

قطع تعلق کی ممانعت

حدیث نمبر 24:

((وَعَنْ أَبِي أَيُوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا

بِهِ حَلٌّ لِّمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ لَّيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ
هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَدْأُبُ بِالسَّلَامِ))

(متفق عليه)

”حضرت ابوالایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے دونوں آپس میں ملتے ہیں ایک اس طرف منہ پھیر لیتا ہے دوسرا دوسری طرف منہ پھیر لیتا ہے، دونوں میں یہ سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔“

شرح: انسان کی فطرت میں ناراضگی اور غصہ بھی شامل ہے اس لیے آپ ﷺ نے تین دن (رات) تک باہمی گفت و شنیدہ کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس سے زیادہ مقاطعہ کرنے سے ایک دوسرے کے حقوق صائم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں: سلام، قبول دعوت، خیر خواہی، چھینک کا جواب، بیمار پر کسی اور جنائزے میں شرکت۔

لہذا قطع تعلق سلام کہنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ حق و فحور کی وجہ سے ناراضگی اللہ کے لئے ہو گی جو کہ استثنائی صورت ہے ”الحب لله والبغض في الله“ نیکی صدقہ ہے حدیث نمبر 25:

((وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ)) (آخر راجه البخاري)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نیکی صدقہ ہے۔“

شرح: مسلمان اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا حلال مال خرچ کرے بلکہ اپنی اچھی صلاحیتوں کو خرچ کرنے سے بھی صدقہ کا ثواب مل سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان

ہے ”تمہارا اپنے بھائی کے سامنے خندہ پیشانی سے پیش آنا تمہارے لئے صدقہ ہے۔
(ترمذی)

خندہ پیشانی سے ملنا نیکی ہے
حدیث نمبر: 26

((وَعَنْ أَبِي ذَرَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَحْقِرُنَّ مِنَ الْمُعْرُوفِ شَيْئًا، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاهُ يَوْجِهً طَلْقًا))

(آخر جة مسلم)

”حضرت ابوذر رضي الله عنه سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی کو بھی حقیر نہ جانو خواہ وہ تمہارا اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔“

تشریح: نیکی کا ہر کام اعمال کے ترازو میں وزن رکھتا ہے۔ کسی بھی نیکی اور بھائی کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اور تم جو بھی بھائی کرو واللہ تعالیٰ اُسے جانے والا ہے“ (۲/ البقرہ: ۲۱۵)

اور فرمایا: ”پس جو شخص ایک ذرے کے برابر بھلانی کرے وہ اُسے دیکھ لے گا“
(الزلزال: ۷)

ہمسائے کے حقوق کا لحاظ

حدیث نمبر: 27

((وَعَنْهُ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا طَبَخْتَ مَرْقَةً فَاكُثِرْ مَاءَهَا، وَتَعَاهَدْ جِبْرِيلَكَ)) (آخر جة مسلم)

”حضرت ابوذر رضي الله عنه سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم شور با پکاؤ تو اس میں کچھ پانی زیادہ ڈال دو اور اپنے ہمسائے سے تعلق بڑھاؤ (یعنی اس میں سے حصہ دو)۔“

تشریح: قرآن و سنت میں جہاں ماں باپ اور عزیز و اقارب کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیا گیا ہے، وہاں ہمسائے کے ساتھ نیک سلوک کی بھی تاکید و تلقین کی گئی ہے۔ قرآن مجید

میں ہے: ”اور ماں باپ اور قرابت والوں اور قیمتوں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور پاس بیٹھنے والوں (تعلیم، ملازمت اور سفر کا رفیق وغیرہ) اور مسافروں اور غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کروں۔ (النساء: ٣٦)

حقوق کے اعتبار سے ہمسائے کی تین اقسام ہیں:

”ایک ہمسایہ وہ جس کا صرف ایک حق ہے ”مشک“ (جس کو صرف حق ہمسائیگی ہے) دوسرا وہ ہمسایہ جس کے دو حق ہیں ”مسلم“ (جسے حق ہمسائیگی کے ساتھ اسلام کا حق بھی حاصل ہے) اور تیسرا ہمسایہ وہ ہے جس کے تین حقوق ہیں ”قرابت دار“ اس کا ایک حق ہمسائیگی ہے، دوسرا مسلم ہونے کا اور تیسرا رشتہ دار ہونے کا“ (طبرانی)۔

حدیث جابر بن عبد اللہؓ سے ہمسائے کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”حضرت جبرايل ہمیشہ مجھے پڑوی کے حقوق کا لحاظ کرنے کی نصیحت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ پڑوی کو جائیداد کا وارث ہنادے گا،“
(بخاری و مسلم)

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے اس پر لازم ہے کہ اپنے ہمسائے سے نیک سلوک کرے۔“ (مسلم)

پڑویوں کو کسی طریقے سے بھی اذیت پہنچانا حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم مومن نہیں ہو سکتا اللہ کی قسم مومن نہیں ہو سکتا اللہ کی قسم مومن نہیں ہو سکتا، عرض کیا گیا کون یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جس کے ہمسائے اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہوں۔“ (بخاری و مسلم)

مسلم شریف میں ہے: ”وَهُوَ أَدِي جَنَّتَ مِنْ هَرَكَنَّهُمْ جَاءَهُمْ جَاءَهُمْ جَاءَهُمْ كَمْ آتَاكُمْ شَرَارُّهُمْ مَعْنَى مَحْفُوظَهُمْ هُوَ مَنْ نَفَّسَ“
حدیث نمبر 28:

((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ مَنْ نَفَّسَ مَنْ نَفَّسَ))

عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبَ الدُّنْيَا، نَفْسَ اللَّهِ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسْرَ عَلَى مُعْسِرٍ، يَسِّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَمَنْ سَرَّ مُسْلِمًا سَرَّهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَاللَّهُ فِي عَوْنَى الْعَبْدُ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنَى أَخْيُهُ)

(آخر جملہ مسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نے کسی مسلمان کی دنیا کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف کو دور کیا اللہ اس کی یوم قیامت کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف دور کر دے گا اور جس نے کسی بخوبی کے لئے آسانی مہیا کی اللہ دنیا اور آخرت میں اسے آسانی مہیا کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ اس کی دنیا اور آخرت میں پردہ پوشی کرے گا اور اللہ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد پر کمرستہ رہتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں مسلمان کو مسلمان کے کام آنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مختلف حالتوں میں مسلمان بھائی کی مدد کرنے سے خود انسان کو کیا فائدہ پہنچتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: المُسْلِمُ مِنْ سُلْمِ الْمُسْلِمِوْنَ مِنْ لِسَانِه ویدہ۔ ”صحیح معنوں میں مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان تکلیف سے محفوظ رہیں۔“

دوسری حدیث میں ہے:

((الْمُسْلِمُ أخْوَالُ الْمُسْلِمِ لَا يُظْلِمُهُ وَلَا يُخْذِلُهُ وَلَا يُحْقِرُهُ بحسب امری من الشران يحرق اخاه المسلم - على المسلم

حرام دمه و ماله و عرضه)) (مسلم)

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور وہ اسے ذلیل و رسوائیں کرتا اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ برائی کی صرف اتنی بات کافی ہے کہ

ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ایک مسلمان کا دوسرا مسلمان پر خون، مال اور عزت و آبرو حرام ہے۔“
دونوں احادیث کا لب لباب یہی نکتا ہے کہ مسلمان کو ہر حال میں مسلمان بھائی کے کام آنا چاہیے اور اسے کسی صورت میں پریشان نہیں کرنا چاہیے۔
نیکی کی طرف رہنمائی نیکی کے مصدق ہے
حدیث نمبر 29:

((وَعَنِ إِبْرَاهِيمَ مَسْعُودِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ: مَنْ ذَلَّ

عَلَىٰ خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ)) (آخر جهہ مسلم)

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جس نے کسی نیکی کی طرف رہنمائی کی تو اس کے لئے نیکی کرنے والے کے
برا برواب ہے۔“

شرح: حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کو نیکی کی تبلیغ اور ترغیب دیتے رہنا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے:

((وَلَنْكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَيَنْهَاوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ)) (آل عمران: ۱۰۴)

”اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہوئی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف
بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔“

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ”بلغوا عنى ولو اية“ آپ ﷺ کا ایک فرمان
یہ ہے ”الدال على الخير كفاعله“ (نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے
والے کے مصدق ہے) ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کوئی نیکی کا کام کیا اس
کے لئے اپنے ثواب کے ساتھ ساتھ اس (نیکی) پر رہنمائی کرنے والے کا بھی ثواب ہوگا۔
من سن سنہ فی الاسلام کان له اجرها واجر من عمل بها جس نے اسلام
میں نیکی کا طریقہ اپنایا اس کے لئے اس کا اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی ہوگا)

احسان کا بدلہ احسان

حدیث نمبر 30:

((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: مَنِ اسْتَعَاذَ كُمْ بِاللَّهِ فَأَعْيُدُهُ، وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِاللَّهِ فَأَعْطُوهُ وَمَنْ أَتَى إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِرُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَادْعُوْهُ)) (آخر جه البیہقی)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جو اللہ کے نام پر تم سے پناہ مانگے اسے پناہ دو اور جو اللہ کے نام پر سوال کرے اسے (کچھ) دے دو اور جو تمہارے ساتھ کوئی نیکی کرے تو اسے نیکی کا بدلہ دو اور اگر نیکی کا بدلہ دینے کے لئے تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو نیکی کرنے والے کے حق میں دعا کرو۔“

تشریح: آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”جو اللہ کے نام پر پناہ مانگے اسے پناہ دے دو اور جو تمہارے ساتھ نیکی کرے اسے اس کا بدلہ دو اور اگر بدلہ دینے کو کچھ نہیں تو اس کے حق میں اس وقت تک دعا کرو، حتیٰ کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کی نیکی کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر تمہارے پاس نیکی کا بدلہ دینے کو کچھ نہیں تو اس کے حق میں اتنی دعا کرو کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے نیکی کا شکر ادا کر دیا ہے، بیشک اللہ شکر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

پہلی بات کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مظلوم کسی ظالم سے ڈر کر جان بچانے کی غرض سے یا کسی اور مصیبت سے بچنے کے لئے تمہارے پاس پناہ کا طالب ہو تو اس صورت میں تمہارا دینی، اخلاقی اور انسانی فرض ہے کہ تم اپنی بساط کی حد تک پناہ دینے کی کوشش کرو کیونکہ اس نے اللہ کے نام سے سوال کیا ہے۔ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی انسان، انسان سے اللہ کے نام پر پناہ مانگے تو اسے پناہ بھی دینی چاہیے اور اگر کوئی سوال کرے تو اسے ضرور دینا چاہیے۔ اگر انسان کے بس میں ہو، اگر انسان کے اپنے بس میں نہ ہو تو پھر دونوں صورتوں میں بات ماننا واجب نہیں۔

نماز

نماز کی قرآن اور حدیث میں بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے قرآن مجید میں تقریباً اسی (۸۰) جگہوں میں (أَقِيمُوا الصَّلَاةَ) کا لفظ آیا ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ اس کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوْا الزَّكُوْةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرِّكْعَيْنَ﴾

(۴۳/ البقرۃ)

”اگر نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أَمْرُوا إِلَّا يَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيَبُوْتُوا الزَّكُوْةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ﴾ (۹۸/ الیتہ: ۵)

”انہیں محض اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور شرک وغیرہ سے منہ موڑتے ہوئے اس کے لئے دین کو خالص رکھیں، نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں اور یہی دین سیدھی ملت کا ہے۔“

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ پانچوں نمازوں ہمیشہ پابندی کے ساتھ اور نماز کی شرائط اور اركان و واجبات کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرتے رہو اور بغیر عذر شرعی کے ایک نماز بھی نہ چھوڑو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمام نمازوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیتا ہے:

﴿لَحِفِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَوَةِ الْوُسْطَى وَقُوْمُوا اللَّهُ فِيْتِيْنَ﴾

(۲۲۸/ البقرۃ)

”سب نمازوں کی حفاظت کرو، خاص طور پر درمیانی نماز کی اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو اکرو۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام نمازوں کی حفاظت کرنے اور خاص طور پر

در میانی یعنی عصر کی نماز کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا مسلمانوں کو تمام نمازوں میں بھیشہ پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَمْرُ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا تَسْتَكِنْكَ رِزْقًا تَحْنُنْ
نَرْزِقُكَ وَالْعَاقِفَةُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (۲۰/۱۳۲) (طہ)

”اپنے گھروں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پڑٹ جائیے۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، وہ تو ہم خود آپ کو دیتے ہیں اور انجام (اہل) تقویٰ ہی کے لئے ہے۔“

فرمایا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ حَاضِرُونَ ۝﴾
”بے شک ان ایمان داروں نے نجات حاصل کر لی جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔“

اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿إِلَّا الْمُصْلِيُّنَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝
وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَئِكَ فِي جَنَّتِ
مُكَرَّمَوْنَ ۝﴾ (۷۰/المعارج: ۲۲، ۳۵) (۱۳۲/۷۰)

”مگر نماز ادا کرنے والے جو بھی اپنی نماز پر قائم رہتے ہیں..... اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یہی لوگ عزت و اکرام کے ساتھ جنتوں میں رہیں گے۔“

اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
﴿رَبَّ قَانِيمُ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامَهِ إِلَّا السَّهْرُ﴾

(ابن ماجہ: حدیث نمبر: ۱۲۹۰)

”بہت سے نمازوی ایسے ہیں کہ ان کو سوائے جانے کے کچھ نہیں ملتا۔“

جونماز بغیر خشوع و خصوص لگائے پڑھی جائے گی وہ بیکار ہی تصور ہو گی اور ایسے ہی نمازی عذاب و سزا کے مستحق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاةِهِمْ سَاهُوْنَ ۝﴾

(الماعون: ۵-۶)

”ایسے نمازوں پر اللہ کی مار جوبے تو جبی اور غفلت سے نمازوں ادا کرتے ہیں۔“

نماز اللہ کے نزدیک اس قدر اہم ہے کہ اس نے نماز کو ایمان کہا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيغَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ وَّفَرِحِيْمٌ ۝﴾

(البقرة: ۱۴۳)

”اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان (نماز) کو ضائع نہیں کرے گا، اور وہ تو لوگوں کے حق میں بڑا ہمہ ربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

جن مسلمانوں نے تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نمازوں پڑھی تھیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تمہارے ایمان یعنی تمہاری ان نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا جو تم نے تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی جانب مند کر کے پڑھی تھیں۔ تو اس میں اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان قرار دیا جو اس کی عظمت و اہمیت کی دلیل ہے: حضرت جبریل بن عبد اللہ ؓ علیہ السلام کرتے ہیں کہ

((بَأَيَّاعَتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَاٰلَّهِ بَرَّهُمْ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيَّاعِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصُحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ)) (البخاری: ۱۵۶؛ مسلم: ۵۲۴)

”میں نے رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَاٰلَّهُ بَرَّهُمْ کی اس بات پر بیعت کی کہ میں ہمیشہ نماز قائم رکھوں گا، زکوٰۃ دیتا رہوں گا اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرتا رہوں گا۔“

اور نماز کی عظیم قدر و منزلت کے پیش نظر نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَاٰلَّهُ بَرَّهُمْ نے اپنی امت کو سب سے آخری وصیت بھی نماز کے متعلق ہی فرمائی۔ جیسا کہ حضرت امام علمہ فیض شاہ کا بیان ہے کہ

رسول اکرم ﷺ اپنی اس مرض میں جس میں آپ ﷺ کا انقال ہوا، بار بار یہ ارشاد فرماتے رہے: (الصَّلَاةُ، وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ)

”نماز ہمیشہ پڑھتے رہنا اور اپنے غلاموں کے حقوق ادا کرتے رہنا۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہاں کرتی ہیں کہ آپ ﷺ یہ الفاظ برادر کہتے رہے یہاں تک کہ (شدت مرض کی وجہ سے) آپ کی زبان پر ان کا جاری ہونا مشکل ہو گیا۔

(ابن ماجہ: ۱۶۲۵، وصححه الألبانی)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((كَانَ أَخْرَى كَلَامَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الصَّلَاةُ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ))

(ابن ماجہ: ۲۶۹۸، وصححه الألبانی)

”نبی کریم ﷺ کا آخری کلام یہ تھا: ”نماز کا خیال رکھنا اور غلاموں کے حقوق ادا کرتے رہنا۔“

جیسا کہ حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”پانچ نمازوں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کی ہیں۔ لہذا جو شخص انہیں اس طرح ادا کرے گا۔ کہ اس نے ان میں سے کسی نمازوں کو بلکہ سمجھتے ہوئے ضائع نہ کیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا اور جو شخص انہیں ادا نہیں کرے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں، اگر وہ چاہے گا تو اسے عذاب دے گا اور اگر وہ چاہے گا تو اسے جنت میں داخل کر دے گا۔ (ابو داؤد: ۱۴۲۰، وصححه الألبانی)

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے نمازوں کا ستون قرار دیا اور جب ستون نہ رہے تو کوئی عمارت قائم نہیں رہ سکتی، اسی طرح نماز نہ پڑھی جائے تو دین بھی باقی نہیں رہتا!

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((.....رَأَسُ الْأُمُرِ إِلَاسْلَامُ، وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ، وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ

الْجِهَادُ)) (ترمذی: ۲۶۱۶، ابن ماجہ: ۳۹۷۳، وحسنه الألبانی)

”معاولے کی جزاً اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کی چوٹی جہاد“

ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے اسی نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر بندہ اس کے حساب میں کامیاب ہو گیا تو وہ باقی اعمال میں بھی کامیاب ہو جائے گا اور اگر اس کے حساب میں ناکام ہو گیا تو باقی اعمال میں بھی ناکام ہو جائے گا۔

((أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الصَّلَاةُ، فَإِنْ

صَلَحتْ صَلْحَ سَائِرُ عَمَلِهِ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ)

(عون المعبدود / ١٣٢٢)

”قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نماز درست نکلی تو باقی تمام اعمال بھی درست نکلیں گے۔ اور اگر نماز فاسد نکلی تو باقی تمام اعمال بھی فاسد نکلیں گے۔“

نماز کے فضائل

۱۔ نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ﴾ (٤٥/العنکبوت: ٢٩)

”(اے نبی! اس کتاب کی تلاوت کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کیجئے، نماز یقیناً بے حیائی اور برائے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر تو سب سے بڑی چیز ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔“

۲۔ نماز شہادتیں کے بعد سب سے افضل عمل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رض کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ”أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ؟“ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کوئی عمل محظوظ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا“ ”بروقت نماز ادا کرنا“ میں نے پوچھا: پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ثُمَّ بِرُ

الْوَالِدَيْنِ ”والدین سے نیکی کرنا۔“

میں نے کہا: پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: الْجَهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ”اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔“ (البخاری: ۵۹۷۰؛ مسلم: ۸۵)

۳۔ متعدد احادیث سے یہ بات مترجح ہوتی ہے کہ نماز صغیرہ گناہوں کو دھو دیتی ہے اور اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو پانچ نمازوں درمیان والے صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ہوتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ، وَالْحُجَّةَ وَصَوْمُ رَمَضَانَ) ”اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر رکھی گئی ہے (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ ہی سچا معبد ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں اور یقیناً محدث کے بندے اور رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔“ (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں اسلام کو ایک ایسے مکان سے تشبیہ دی گئی ہے جو پانچ ستونوں پر قائم ہو، لہذا ان ستونوں کی نگہداشت نہایت ہی ضروری ہے، ستونوں کے نہ رہنے سے مکان منہدم ہو جائے گا، جس نے نمازوں پڑھی، اس نے اسلام کے ایک ستون کو گردادیا، اسلام لانے کے بعد اسلام کا دوسرا رکن یہی نماز ہے، نماز پڑھنے والا کامل مسلمان ہے اور قصداً انکار کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلُّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَاتٍ، هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنَهُ شَيْءٌ؟ قالُوا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنَهُ شَيْءٌ، قالَ: فَكَذَّالِكَ مَثُلُ الصَّلَاوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا (بخاری)

”آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر کسی کے دروازے کے سامنے ایک بھتی ہوئی

شہر ہو اور روزانہ شخص اس میں پانچ دفعہ نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ

میں کچیل باقی رہے گی؟ لوگوں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا پانچوں نمازوں

کی بھی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان نمازوں کی برکت سے نمازوں کے گناہوں کو دور کر دیتا ہے اور انہیں پاک صاف کر دیتا ہے۔

نمازوں کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْصَّلَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَيِّ الْجُمُعَةِ كَفَارَةً لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا

لَمْ تُغْشِ الْكَبَائِرُ)) (مسلم، کتاب الطهارة: ۱/ ۱۲۲)

”پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اُن گناہوں کا کفارہ ہیں جو ان کے درمیان میں کسی شخص سے سرزد ہوں، جب تک وہ کمیرہ گناہوں میں منتلاud ہوا ہو۔“

”پانچ قسم کے لوگ ہیں جو ایمان کے ساتھ ساتھ ان پانچ چیزوں کو ادا کریں گے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے، (۱) جس نے پانچوں نمازوں پر محافظت کی (۲) جس نے رمضان کے روزے رکھے (۳) جس نے استطاعت ہونے پر حج ادا کیا (۴) جس نے زکوٰۃ ادا کی (۵) اور امانت ادا کی۔ دریافت کیا گیا کہ امانت ادا کرنے سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ناپاکی پر غسل کرنا یہ بھی ایک امانت ہے۔

(سنن ابن داؤد: ۱/ ۱۶۴)

آپ ﷺ نے فرمایا:

((الْعَهْدُ الِّذِي بَيَّنَنَا وَبَيَّنُهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ))

(مسند احمد: ۵/ ۳۴۶)

”اور ہمارے اور کافروں کے درمیان نماز پڑھنے کی ذمہ داری ہے جس نے نماز پڑھی وہ مسلمان ہے اور جس نے نماز چھوڑ دی، اس نے کفر کیا ہے۔“

قرآن مجید کی اس آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

(الروم: ۳۰/ ۳۱)

”یعنی نماز پڑھو اور مشرکین سے مت ہو۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَصْلُوَةُ فَإِنْ صَلَحَتْ
صَلْحَ سَائِرُ عَمَلِهِ وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ))

(مسند احمد: ۳۴۶ / ۵)

”قیامت کے روز سب سے پہلے حقوق اللہ میں نماز کا حساب لیا جائے گا
اگر یہ درست نکل آئی تو تمام اعمال درست ہوں گے اور اگر نماز خراب رہی
تو سارے اعمال خراب رہیں گے۔“

چنانچہ اسی نماز کے ذریعے سے ہی نجات ہے۔ کیوں کہ یہی جنت کی کنجی ہے اور نماز
نہ پڑھنے سے بر بادی ہے۔

نمازی قیامت کے روز نبیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا اور بے نماز فرعون، ہامان
نمرود اور شداد وغیرہ سرکشوں کے ساتھ ہوں گے رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز کا ذکر
کرتے ہوئے فرمایا: ”جو نماز کی محافظت کرتا ہے یعنی بلا ناغہ پڑھتا ہے تو یہ نماز قیامت کے
دن اس کے لیے نور کا سبب بنے گی اور کمال ایمان کی دلیل ہوگی اور قیامت کے دن بخشش کا
ذریعہ بنے گی اور جس نے نماز کی محافظت نہیں کی تو یہ نماز اس کے لیے نہ نور بنے گی اور نہ
دلیل بنے گی اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔“

(مسند احمد: ۱۶۹ / ۲)

حضرت ابو موسیٰ الشعري رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى الْبُرُدَيْنَ دَخَلَ الْجَنَّةَ)) (البخاری: ۵۷۴؛ مسلم: ۶۲۵)

”جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں (فجر و عصر) پڑھتا رہے وہ جنت میں داخل ہو
گا۔“

نیز فرمایا:

((لَنْ يَلْجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا

يعنی الفجر والغصر)) (مسلم: ۶۳۴)

”وہ شخص جہنم میں ہرگز داخل نہ ہوگا جو طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب

آفتاب سے پہلے نماز پڑھتا رہے، یعنی فجر و عصر کی نمازوں پاہنڈی کے ساتھ ادا کرتا رہے۔“

اور جہاں تک نماز عصر کا تعلق ہے تو اس کے تارک کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے کاوش ادا گرامی ہے:

((الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَانَمَا وُتِرَ أَهْلُهُ وَمَالُهُ))

(البخاری: ٥٥٢؛ مسلم: ٦٢٦)

”جس آدمی کی نماز عصر فوت ہو جائے، گویا اس سے اس کے گھروالوں اور اس کے مال کو سلب کر لیا گیا۔“

ایک روایت میں ہے:

((مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبَطَ عَمَلُهُ)) (البخاری: ٥٥٣)

”جو شخص نماز عصر چھوڑ دے اس کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔“

اور بعض لوگ نماز عشا اور نماز فجر سے غفلت کرتے ہیں جب کہ نبی کریم ﷺ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا کہ ان پر یہ دونوں نمازوں انتہائی بھاری ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ أَنْقَلَ صَلَاةً عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ،

وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَا تَوْهُمَا وَلَوْ حَبُّوا))

(البخاری: ٦٤٤؛ مسلم: ٦٥١)

”بے شک منافقوں پر سب سے بھاری نماز، نماز عشا اور نماز فجر ہے اور اگر

انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں کتنا اجر ہے تو وہ گھنٹوں کے بل جمل کر

بھی یہ نمازیں ادا کرنے کے لئے ضرور حاضر ہوتے.....“

لہذا مومن کے شیان شان نہیں کہ وہ ان نمازوں کو اپنے لئے بوجمل تصور کرتے ہوئے ان میں سستی کرے، بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کا تقریب حاصل کرنے کا ذریعہ اور اپنے لئے باعث نجات سمجھتے ہوئے نمازوں کی ادائیگی میں باقاعدگی اختیار کرے۔

ارشادِ بار تعالیٰ ہے:

﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَشِعِينَ
الَّذِينَ يَظْنُونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبِّهِمْ وَإِنَّهُمْ إِلَّا رَاجِعُونَ﴾

(البقرة: ٤٥، ٤٦)

”اور تم صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مد طلب کرو اور بلاشبہ یہ نماز بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (گران نہیں) جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصِّدْقَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكُوْةَ
لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

(البقرة: ٢٧٧)

”البیت جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے، نماز قائم کرتے رہے، اور زکاۃ ادا کرتے رہے، تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے؛ انہیں نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“
اور کہیں اللہ تعالیٰ سچے موننوں کی صفات کے ضمن میں اقامت نماز کا تذکرہ یوں

فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذِكِّرَ اللَّهُ وَجَلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلَيْتُ
عَلَيْهِمْ أَيْلَهُمْ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ، الَّذِينَ يَعْصِمُونَ
الصَّلَاةَ وَمَمَّا رَزَقَهُمْ يُنْفِقُونَ، أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقَّا لَهُمْ
ذَرَجَتْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾

(الانفال: ٨، ٢)

”سچے مونن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کا ناپ اٹھتے ہیں اور جب انہیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں (اور) وہ نماز قائم

کرتے ہیں اور ہم نے جو مال و دولت انہیں دے رکھا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں یہی سچے مومن ہیں جن کے لئے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں، بخشش اور عزت کی روزی ہے۔“

نماز کے بعد کی دعائیں

پہلے ایک بار بلند آواز سے اللہ اکابر کہا جائے۔ پھر تین مرتبہ استغفار اللہ کہا

جائے۔ (بخاری: ۱۶۱/۱)

اس کے بعد ایک ایک بار ان دعاؤں کو پڑھا جاتا ہے:

- ۱ ((اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَلِ

وَالاَكْرَامِ)) (مسلم: ۲۱۸/۱)

”اے اللہ تو سلامتی والا ہے اور تجوہ ہی سے سلامتی ہے اے عزت اور بلند مرتبے والے تو بہت ہی با برکت ذات والا ہے۔“

- ۲ ((رَبِّ أَيْمَنِي عَلَى ذُكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))

(مسند احمد: ۲۴۴/۵)

”اے میرے رب تو اپنے ذکر اور شکر گذاری اور اچھی عبادت کرنے میں میری مدد فرمائ۔“

- ۳ ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) (بخاری: ۱۱۷/۱)

”سوائے اللہ کے کوئی سچا معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی کی باادشاہت ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

- ۴ ((اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْقُعُ ذَا الْجَدِيدِ مِنْكَ الْجَدُّ)) (بخاری: ۱۲۱/۱)

”اللہ جس کو تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس سے تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور دولت مند کو دولت مندی تیرے عذاب

سے نہیں بچا سکتے۔“

-۵ ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَةٌ لَا شَرِيكَ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ
وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَلَا تَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ التَّنْعِمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الشَّنَاءُ الْحَسْنَ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصُّينَ لَهُ الدِّينُ وَلَوْ سَكَرَةُ الْكَافِرُونَ) (مسلم: ۲۱۸/۱)

”نہیں ہے اللہ کے سوا کوئی سچا معبود، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے
اسی کے لیے باشہرت ہے اسی کے لیے تعریف ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے
گناہوں سے پھیرنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ
کی توفیق سے نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ ہم صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں
اسی کی نعمت ہے اسی کے لیے بزرگی ہے اور اسی کے لیے اچھی تعریف ہے
اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے اور ہم خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں
اگرچہ کافر رہا مانیں۔“

-۶ ((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُنُونِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ
وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَرْزَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا عَذَابِ
الْقُبْرِ)) (البخاری: ۳۹۶/۱)

”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں نامردی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں
جن سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں نکمی عمر سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے
فتنه اور قبر کے عذاب سے۔“

-۷ ((اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَقُّ الْقَيُومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا تُوْمَ لَهُ مَا
فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ
إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسَعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَوْدُهُ حَفْظُهُمَا
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ)

”اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے ہمیشہ سے زندہ ہے سب کا تھامنے والا ہے، نہیں پکڑتی ہے اس کو انگھ اور نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے بغیر اس کے حکم کے کون اس کے پاس سفارش کر سکتا ہے جو کچھ مخلوق کے آگے اور پیچھے ہے سب کو جانتا ہے اور وہ اس کے مثلا کے بغیر کسی چیز کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے اور آسمان اور زمین سے اس کی کرسی زیادہ وسیع ہے اور ان دونوں کی نگرانی اسے نہیں تحکماً اور وہ سب سے بلند اور بڑا ہے۔“

ان دعاوں کے پڑھنے کے بعد ۳۳ بار سُبْحَانَ اللَّهِ اور ۳۳ بار الْحَمْدُ لِلَّهِ اور ۳۳ بار اللَّهُ أَكْبَر کہا جاتا ہے (مسلم: ۲۱۹)

اور ایک ایک بار معوذ تین یعنی قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ سورتیں پڑھی جائیں۔ (ابی داؤد: ۵۶۱)

زکوٰۃ

زکوٰۃ کی تعریف

عربی زبان میں لفظ ”زکاۃ“ پا کیزیں گی، اور برکت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جب کہ شریعت میں ”زکاۃ“ ایک مخصوص مال کے مخصوص حصے کو کہا جاتا ہے جو مخصوص لوگوں کو دیا جاتا ہے اور اسے ”زکاۃ“ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس سے دینے والے کا تذکیرہ نفس ہوتا ہے اور اس کامال پاک اور بارکت ہو جاتا ہے۔

یاد رہے کہ ”زکاۃ“ کے لئے قرآن و سنت میں ”صدقة“ کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهُمْ بِهَا﴾

(التوبۃ: ۱۰۳)

”اے پیغمبر! آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعے آپ ان کو پاک صاف کر دیں گے۔“

زکوٰۃ کی اہمیت

(۱) زکاۃ دین اسلام کے ان پانچ بنیادی اركان میں سے ایک ہے جن پر دین اسلام قائم ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((بُيَّنَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ.....)) (متفق علیہ)
”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبد برج نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا اور زکاۃ ادا کرنا.....“

(۲) اللہ تعالیٰ کی رحمت کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ۔ فرمانِ الٰہی ہے:
﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاكِنُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيَوْمَئِنَ﴾

الزَّكُوةً ﴿٧﴾ الاعراف: ١٥٦

”اور میری رحمت تو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، پس میں اپنی رحمت ان لوگوں کے نام لکھ دوں گا جو (گناہ اور شرک سے) بچے رہتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں۔“

(۳) اسلامی اخوت: فرمان الہی ہے:

﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكُوةَ فَإِنَّهُمْ كُمْ فِي الدِّينِ﴾

(۱۱) التوبۃ: ۹

”پس اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکاۃ دیتے رہیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔“

(۴) مسلم معاشرے کا حسن: فرمان الہی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلَيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقْيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكُوةَ﴾

(۷) التوبۃ: ۹

”مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے (مدکار و معاون اور) دوست ہیں، وہ بھائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجالاتے اور زکاۃ ادا کرتے ہیں.....“

(۵) جنت الفردوس کے وارث: فرمان الہی ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكُوةِ فَاعِلُونَ﴾ (۲۲) المؤمنون: ۴

”اور جوز کاۃ ادا کرنے والے ہیں۔“

(۶) حضرت ابوالیوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے ایسا عمل بتائیے جسے کرنے سے میں جنت میں چلا جاؤں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: (تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقْيِيمُ الصَّلَاةَ الْمُكْتُوبَةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَةَ، وَتَصِلُ الرَّاجِمَ) (متفق علیہ)

”اللہ ہی کی عبادت کرتے رہو اور اس کے ساتھ کسی کوششیک مبت بناو۔ فرض

نماز پابندی سے ادا کرتے رہو، زکاۃ ادا کرتے رہو اور صدر حجی کرتے رہو۔“

(۷) زکاۃ کی ادائیگی سے مال بڑھتا اور بارکت ہو جاتا ہے اور آنکھوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا أَتَيْتُمْ مِّنْ رِبَّالْيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوَا عِنْدَ اللَّهِ﴾

﴿وَمَا أَتَيْتُمْ مِّنْ زَكَوَةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾

(۳۹/الروم)

”اور جو تم سود نیتے ہوتا کہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہوتا رہے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔ اور جو تم زکاۃ دو گے اللہ کی خوشنودی پانے کی خاطر تو ایسے لوگ ہی کئی نماز یادہ پانے والے ہیں۔“

زکوٰۃ کے فوائد

(۱) اللہ تعالیٰ نے رزق کی تقسیم اپنے ہاتھ میں رکھی ہے، جسے چاہے زیادہ دے اور جسے چاہے تھوڑا دے، لیکن مالدار کو اللہ تعالیٰ نے زکاۃ دینے، صدقہ کرنے اور خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ جسے اللہ نے تھوڑا دیا ہے اسے بغیر سوال کے ملتا رہے اور اس کی ضروریات پوری ہوتی رہیں اور فقیر کو اللہ تعالیٰ نے سوال نہ کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ اس کے اندر صبر شکر جیسی صفات حمیدہ پیدا ہوں، اس طرح معاشرے کے یہ دونوں فرداں اللہ کے اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں مالدار خرچ کر کے اور فقیر صبر و شکر کر کے۔

(۲) اسلام کے مالیاتی نظام کی ایک خوبی یہ ہے کہ اگر پورے اخلاص کے ساتھ اس پر عمل کیا جائے تو دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں منحصر ہونے کی بجائے معاشرے کے تمام افراد میں گردش کرتی رہتی ہے۔ اس کے بر عکس دیگر مالیاتی نظاموں میں یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کے چند افراد تو عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں اور انہی کے قرب و جوار میں رہنے والے دوسرے لوگ غربت کی چکی میں پتے رہتے ہیں جو بہت بڑا ظلم ہے۔ چنانچہ معاشرے میں مالیاتی توازن برقرار رکھنے اور اس معاشرتی ظلم کا سد باب کرنے کے

لئے اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کو فرض کیا اور صدقات اور انفاق کی طرف ترغیب دلائی تاکہ معاشرے کے تمام افراد مال و دولت سے مستفید ہوتے رہیں۔

(۳) زکاۃ کی ادائیگی سے مالدار اور فقیر کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے اور یوں معاشرہ، بعض، نفترت اور خود زکاۃ دینے والے میں سخاوت، شفقت اور ہمدردی اور زکاۃ لینے والے میں احسان مندی، تواضع اور امکساری جیسی صفات حمیدہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ گویا نظام زکاۃ معاشرے میں اخلاقی قدرتوں کو پروان چڑھاتا ہے۔

(۴) تاریخ شاہد ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں جب زکاۃ کو حکومتی سطح پر جمع اور اسے فقراء میں تقسیم کیا جاتا تھا تو ایک وقت ایسا بھی آیا جب تلاش کرنے کے باوجود بھی معاشرے میں فقراء نہیں ملتے تھے، چنانچہ زکاۃ بیت المال میں جمع کرادی جاتی تھی اور پھر اسے مسلمانوں کے مقادلات عامہ میں خرچ کر دیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلامی نظام زکاۃ سے معاشرے میں غربت ختم ہوتی ہے بشرطیکہ اسے پورے اخلاص اور تکمیل دیانتداری کے ساتھ نافذ کیا جائے۔

(۵) مالدار لوگ اگر زکاۃ ادا نہ کریں تو معاشرے میں موجود فقراء احساس کمتری کا شکار ہو جائیں اور ان کے دلوں میں مالداروں کے خلاف شدید عداوت پیدا ہو جائے اور پھر وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے چوری اور ڈاکہ زندگی سے جرائم کا ارتکاب شروع کر دیں۔ یوں معاشرہ بد امنی اور لا قانونیت کی بھیانک تصویر بن جائے، گویا اسلامی نظام زکاۃ ان اخلاقی جرائم کا سد باب کرتا اور معاشرے کو امن و سکون کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

(۶) مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جس کا شکر یہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اور اس کی واحد شکل یہ ہے کہ اس کی زکاۃ ادا کی جائے اور یہ بات معلوم ہے کہ جب اللہ کی نعمتوں پر شکر یہ ادا کیا جائے تو اللہ کی عنایات میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ فرمان الہی ہے: **لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ** ”اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں ضرور بالضور تمہیں اور زیادہ دوں گا۔“

مصارف زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمُسْكِينِ وَالْعَمِيلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤْلَفَةُ
قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالغُرَمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ
فَرِيْضَةٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ (التوبہ: ۶۰) (۹)

”صدقات صرف فقروں، مسکینوں اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے ہیں اران کے لئے جن کی تایف قلب مقصود ہو اور گرد نیں چھڑانے میں اور قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لئے۔ یہ فرض ہے اللہ کی طرف سے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکاۃ لینے کے مستحق یہی آٹھ ہیں، ان کو چھور کر کسی اور مصرف پر زکاۃ خرچ نہیں کی جاسکتی۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ زکاۃ کی رقم ان آٹھوں پر خرچ کی جائے بلکہ ان میں سے جو زیادہ مناسب اور زیادہ ضرورت مند ہو اس پر اسے خرچ کر دیا جائے۔

(۱) و (۲) فقراء اور مساكین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضرور تمند ہوں اور جن کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ جس سے وہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے اخراجات پورے کر سکیں۔ انہیں زکاۃ کی رقم سے اتنا پیسہ دیا جائے کہ جو زیادہ سے زیادہ ایک سال تک ان کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔

(۳) ”العاملين علیها“ سے مراد زکاۃ کشمکشی کرنے والے اور اسے مستحقین میں تقسیم کرنے والے لوگ ہیں۔ انہیں زکاۃ کی رقم سے ان کے کام کے بعد ترخواہ یا وظیفہ دیا جا سکتا ہے خواہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔

(۴) ”المؤلفة قلوبهم“ سے مراد کمزور ایمان والے نو مسلم لوگ ہیں، یادہ لوگ جن کے مسلمان ہونے کی امید ہو، یا وہ کفار جن کو مال دینے سے توقع ہو کہ وہ اپنے قبیلے یا علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے۔

(۵) ”وفى الرقاب“ سے مراد ہے غلاموں کو ان کے آقاوں سے چھڑا کر آزاد کر دینا۔

(۶) مقروض جو قرض والپس کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے زکاۃ کی رقم دی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس نے قرضہ جائز مقصد کے لئے لیا ہو۔ اسی طرح وہ لوگ جن پر چینی پڑ جائے یا ان کام کا روبرو بارشدید خسارے کا شکار ہو جائے تو انہیں بھی زکاۃ دی جاسکتی ہے۔

(۷) ”فَى سبِيلِ الله“ سے مراد جہاد اور دیگر تمام دینی مقاصد ہیں جو اللہ کی رضا کے موجب بنتے ہیں، مثلاً دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء میں زکاۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے:

(۸) وہ مسافر جس کا سفر جائز مقصد کے لئے ہو اور اس کا زادراہ ختم ہو جائے اور وہ سفری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پیسے کا ہتھاں جو تو اسے بھی بقدر ضرورت زکاۃ دی جاسکتی ہے۔

مُسْتَحْقِينَ زکاۃ اگر اپنے قربیٰ رشتہ داروں میں مل جائیں تو انہیں زکاۃ دینے سے دو گنا اجر ملتا ہے۔ حضرت سلمان بن عامر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الْصَّدَقَةُ عَلَى الْمُسْكِنِينَ صَدَقَةٌ، وَعَلَى ذِي الرَّحْمَةِ ثَنَانٌ: صَدَقَةٌ وَصَلَةٌ ”مسکین کو دیا جائے تو صدقہ ہوتا ہے اور اگر رشتہ دار کو دیا جائے تو صدقہ و صلة رجی دنوں ہوتے ہیں“ (النسائی: ۲۵۸۲؛ الترمذی: ۶۵۸؛ وصححه الألبانی)

اپنی بیوی اور اپنے والدین کو زکاۃ نہیں دی جاسکتی۔ ہاں بھائی اور وہ اولاد جو زیر کفالت نہ ہو، اگر مستحق ہوں تو انہیں زکاۃ دینے سے دو گنا اجر ملتے گا۔ اسی طرح دولت مند، کمانے والے تندرست لوگ، فاسق و فاجر لوگ اور آل رسول ﷺ کو بھی زکاۃ نہیں دی جاسکتی۔

جن چیزوں میں زکوۃ فرض ہے

اسلام میں جن چیزوں پر زکاۃ فرض ہے وہ اور ان کے متعلقہ کچھ مسائل کچھ اس

طرح ہیں:

سونا / چاندی اور نقدی

سونا / چاندی میں زکاۃ فرض ہے بشرطیکہ ان کی مقدار مقررہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو اور اس کی ملکیت پر ایک سال گذر چکا ہو۔ سونے کا نصاب 85 گرام جب کہ چاندی کا نصاب 595 گرام ہے۔ اس طرح اگر سونا 85 گرام سے اور چاندی 595 گرام سے کم ہو تو زکاۃ فرض نہیں ہوگی اور اگر یہ دنوں اپنے مقررہ وزن کے برابر یا اس

سے زیادہ ہوں لیکن ان پر سال نہ گذر اہون تو تب بھی زکاۃ فرض نہیں ہوگی۔ دونوں شرطیں اگر موجود ہوں تو سونے چاندی کی زکاۃ نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ان کا وزن دیکھ لیں، پھر مارکیٹ کے موجودہ ریٹ کے مطابق اس وزن کی قیمت کی تجدید کر لیں، اس کے بعد اس کا اڑھائی فیصد یا چالیسوں حصہ زکاۃ کی نیت سے ادا کرویں۔

(۱) سونا/ چاندی چاہے ذہینے کی شکل میں ہو یا زیورات کی شکل میں، دونوں صورتوں میں زکاۃ فرض ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت اپنی بیٹی کو لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی جس کے ہاتھ میں سونے کے دلگن تھے، آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیا تم ان کی زکاۃ دیتی ہو؟“ اس نے کہا نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اَيُسْرُكَ أَنْ يُسْوِرِكَ اللَّهُ يَهْمَا بَوْمَ الْقِيَامَةِ سَوَارِبُنْ مِنْ نَارٍ) ”کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں ان دونوں کے بد لے آگ کے دلگن پہنانے؟“ تو اس نے انہیں زمین پر پھینک دیا اور کہا: کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہیں۔

(ابو داؤد ص ۱۵۶۳ ، والنسائی: ۲۴۷۹؛ صححہ الالبانی)

(۲) کاغذی کرنی چاہے ریال ہو یا دینار، روپیہ ہو یا دالر..... وہ بھی سونے چاندی کے حکم میں آتی ہے۔ لہذا جس شخص کے پاس سونے/ چاندی کے نصاب کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ کرنی موجود ہو اور اس پر سال گذر چکا ہو تو اس میں زکاۃ فرض ہوگی۔

(۳) قرض کی زکاۃ کی دو صورتیں: پہلی یہ کہ مقروض قرضہ تسلیم کرتا ہو اور اسے جلد یا بدری واپس کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو، یا مقروض تو قرضے سے انکاری ہو لیکن عدالت میں کسی کو اس سے قرضہ واپس لینے کا یقین ہو تو اس صورت میں قرض کی رقم کی زکاۃ قرض خواہ کو ادا کرنی ہوگی اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سال کے اختتام پر جب موجودہ مال کا حساب کیا جائے اور اس کے ساتھ قرض کی رقم کو بھی ملا لیا جائے اور ٹوٹل مبلغ کا اڑھائی فیصد بطور زکاۃ ادا کر دیا جائے اور دوسرا صورت یہ ہے کہ مقروض قرضے سے انکاری ہو اور عدالت کے

ذریعے اسے واپس لینے کا امکان بھی نہ ہو، یادہ قرضے کو تسلیم تو کرتا ہو لیکن ہر آئے دن واپسی کا وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرتا ہو، یا اس کے حالات ہی ایسے ہوں کہ وہ قرضہ واپس کرنے مطاقت ہی نہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں قرض کی رقم پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی، ہاں جب مقرر و ض قرضہ واپس کروے تو گذشتہ ایک سال کی زکاۃ ادا کر دی جائے۔

(۵) کمپنی کے حصص (شیئرز) اگر تجارتی مقصد سے خریدے گئے ہوں اور ان پر سال گذر چکا ہو تو ان کی زکاۃ ادا کرنا لازمی ہوگا۔ اگر خود کمپنی تمام پارٹنرز کے حصص کی زکاۃ ادا کر دیتی ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ ہر پارٹنر اپنے حصص کی زکاۃ ادا کرنے کا پابند ہو گا۔

(۶) زکاۃ خالص سونے / چاندی پر فرض ہوتی ہے، الہذا ملاوٹ کو وزن میں شمار نہیں کیا جائے گا، اس طرح اگر ملاوٹ کا وزن نکال کر خالص سونے / چاندی کا وزن مقررہ نصاب سے کم ہو جائے تو اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی۔

تجارتی سامان

دوسری چیز جس پر زکاۃ فرض ہوتی ہے وہ ہے "تجارتی سامان" اور اس سے مراد وہ تمام اشیاء ہیں جنہیں تجارت کی نیت سے خریدا جائے، چاہے مقامی مارکیٹ سے یا باہر سے درآمد کر کے اس طرح وہ تمام چیزیں اس حکم سے نکل جاتی ہیں جنہیں کسی نے اپنے ذاتی استعمال کے لئے خریدا ہو، مثلاً گھر، گاڑی اور زمین وغیرہ تو ایسی اشیاء پر زکاۃ فرض نہیں اور اسی طرح صنعتی مشینی، آلات، سورج اور ان میں پڑی الماریاں، دفاتر اور ان کے لوازمات پر بھی زکاۃ فرض نہیں کیونکہ ایسی تمام اشیاء ایک جگہ برقرار رہتی ہیں اور انہیں بچ کر تجارت کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

تجارتی سامان کی زکوۃ نکالنے کا طریقہ

سال کے اختتام پر تاجر (چاہے فرد ہو یا کمپنی) کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام تجارتی سامان کی مارکیٹ کے موجودہ ریٹ کے مطابق قیمت لگائے، پھر اس کے پاس سال بھر جو نقدی کرنی رہی ہو اسے اس میں شامل کر لے۔ اسی طرح اس کا جو قرضہ قابل واپسی ہو اسے بھی حساب میں شامل کر لے اور اگر وہ خود مقرر و ض ہو تو قرضے کی رقم نکال کر باقی تمام رقم کا

اڑھائی فیصد یا چالیسواں حصہ بطور زکاۃ ادا کر دے۔
 صنعتی آلات اور مشینی کی اصل قیمت پر توزیع کا ہے فرض نہیں، البتہ ان کی آمدی نی اگر
 زکاۃ کے نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو اس سے زکاۃ نکالنا ضروری ہو
 گا اور یہی حکم کرائے پر دیے ہوئے مکانوں، دکانوں اور گاڑیوں وغیرہ کا ہے کہ ان کی اصل
 قیمت پر زکاۃ نہیں، کرائے پر ہے، بشرطیکہ کرایہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گذر
 جائے تو اس کا اڑھائی فیصد ادا کرنا ہو گا۔ البتہ ان اشیاء پر ادا کیا جانے والا نیک اور ان کی
 دیکھ بھال پر آنے والے دیگر اخراجات ان چیزوں کی آمدی سے نکال لیے جائیں۔ اسی
 طرح اگر مالک کا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں تو وہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے جائز
 اخراجات بھی آمدی سے نکال لے، پھر جو رقم باقی ہو اس سے زکاۃ ادا کر دے۔

(۳) حیوانات

جن مویشیوں پر زکوۃ فرض ہے وہ یہ ہیں: اونٹ، گائے/بھینس اور بھیڑ بکریاں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا مِنْ رَجُلٍ تَكُونُ لَهُ إِيلٌ أَوْ بَقَرٌ أَوْ عَنْمٌ لَا يُؤْدِي حَقَّهَا إِلَّا
 أُوتَى بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْظَمَ مَا تَكُونُ وَأَسْمَنَهُ، تَعْكُوْهُ بِأَحْفَافِهَا
 وَتَنْتَكُوْهُ بِقُرُونِهَا، كُلُّمَا حَاجَتْ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا حَتَّى
 يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ)) (البخاری: ۱۴۶۰)

”جس شخص کے پاس اونٹ یا گائے یا بکریاں ہوں اور اس نے ان کی زکاۃ
 ادائیہ کی تو قیامت کے دن انہیں بہت بڑا اور بہت موٹا کر کے لایا جائے گا،
 پھر وہ اسے اپنے تاپوں سے روندیں گے اور اپنے سینگوں سے ماریں گے،
 جب سب اس کے اوپر سے گذر جائیں گے تو پہلے کو پھر لوٹا یا جائے گا اور
 لوگوں کا فیصلہ ہونے تک اس کے ساتھ اسی طرح ہوتا ہے گا۔“

مویشیوں میں زکاۃ کی فرضیت کے لئے چار شرطیں ہیں: ایک یہ کہ وہ اپنے مقررہ
 نصاب کو پہنچ جائیں۔ اونٹوں کا کم از کم نصاب پانچ، گائے/بھینس کا تیس اور بھیڑ بکریوں کا

چالیس ہے۔ دوسری شرط یہ کہ ان کی ملکیت پر سال گذر جائے۔ تیسرا یہ کہ سال کا اکثر حصہ یہ مویشی چرتے رہے ہوں اور مالک کو سال بھر یا سال کا بیشتر حصہ ان کی خواراک خریدنا نہ پڑی ہو۔ اور چوتھی شرط کہ یہ جانور کھنی باڑی یا بونجھ برداری کے لئے نہ ہوں۔ یہاں یہ بات مدد نظر رہنی چاہیے کہ مویشیوں کو اگر تجارت کی نیت سے خریدا گیا ہو تو ان کی زکاۃ دوسرے سامان تجارت کی زکاۃ کی طرح نکالی جائے گی۔

(۲) زرعی پیداوار

فرمان الہی ہے:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّفِقُوا مِنْ طَبِيعَتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ)) (۲/۲۶۷) (البقرة: ۲۶۷)

”ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور ہم نے تمہارے لئے زمین سے جن چیزوں کو نکالا ہے، ان میں سے خرچ کرو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ زمینی پیداوار مثلاً گیہوں، جو، چاول، کھجور، انگور اور زیتون وغیرہ میں زکاۃ فرض ہے اور اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے۔

زرعی پیداوار کا نصاب زکاۃ

فرمان رسول ﷺ ہے:

((لَيْسَ فِيمَا دُونَ حَمْسَةً أَوْ سُقْيَ صَدَقَةً))

(البخاری: ۱۴۰۵، مسلم: ۹۷۹)

”پانچ و سو سے کم میں زکاۃ نہیں۔“

پانچ و سو کی مقدار 653 کیلوگرام بنتی ہے، اس طرح زرعی پیداوار اگر اس وزن سے کم ہو تو اس میں زکاۃ فرض نہیں ہوگی۔

زرعی پیداوار کا کتنا حصہ زکاۃ دیا جائے؟

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرَى: الْعُشُرُ، وَمَا سُقِيَ

بالنَّصْحِ: نِصْفُ الْعُشْرِ (البخاری: ١٤٨٣)

”جس کو بارش اور چشموں کے پانی نے سیراب کیا ہو یا وہ خود بخود زمین پانی سے سیراب ہوا ہواں میں دسوال حصہ ہے اور جس کو آلات کے ذریعے یا ہمت کر کے سیراب کیا گیا ہواں میں بیسوال حصہ ہے۔“

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو پیداوار بارشی پانی یا نہری پانی یا چشموں کے پانی سے حاصل ہوئی ہواں کا دسوال حصہ اور جسے مٹنیوں کے ذریعے سیراب کر کے حاصل کیا گیا ہواں کا بیسوال حصہ بطور زکۃ ادا کرنا ہوگا۔

(۱) زرعی پیداوار پر سال گذرنا ضروری نہیں بلکہ وہ جیسے ہی حاصل ہوگی اس کی زکۃ فوراً ادا کرنی ہوگی۔ فرمان الہی ہے: ﴿وَاتُوْاْحَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ (٦/الانعام: ١٤١) ”اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کر دو۔“

(۲) تازہ استعمال ہونے والے بچلوں اور سبزیوں پر زکۃ نہیں ہے، الی یہ کہ ان کی تجارت کی جائے، تجارت کی صورت میں اگر ان کی قیمت نصاب زکۃ کو پہنچ جائے اور وہ سال بھر اس کے پاس رہے تو اس کا اڑھائی فیصد ادا کرنا ہوگا۔

زکوٰۃ نہ دینے والے کا انجام

زکۃ فرض ہے اور اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رض کے خلیفہ بنے کے بعد جن لوگوں نے زکۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، آپ نے ان کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((وَاللَّهُ لَوْ مَنْعَوْنِي عِقَالًا كَانُوا يُؤْذُونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلَتْهُمْ))

علیٰ منعہ (البخاری: ٧٧٨٤، ٧٧٨٥؛ مسلم: ٢٠)

”اللہ کی قسم! جو لوگ ایک ری بھی آنحضرت ﷺ کو دیا کرتے تھے، اگر مجھے نہیں دیں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔“

اور جو شخص زکۃ کی فرضیت کا تو قائل ہو لیکن اسے ادا نہ کرتا ہو تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الْدَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرُوهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ، يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكُوْنُوا بِهَا جَبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظَهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لَا نَفْسٌ كُمْ فَأَدْوُقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ﴾ (٩/التوبہ: ٣٤، ٣٥)

”اور جو لوگ سونا چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے، جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا): یہ ہے جس نے اپنے لئے خزانہ بنارکھا تھا، پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔“

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ أَتَاهُ اللَّهُ مَا لَا فَلَمْ يُؤْدِ زَكَاتَهُ مُثْلَدٌ لَهُ يَوْمُ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَفْرَعَ لَهُ زَبِيتَانِ، يُطْعَوْقَهُ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، يَأْخُذُ بِلَهْزِ مَتَيِّهٍ يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ : أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ)) (البخاری: ١٤٠٣)

”اللہ نے جس کو مال سے نوازا، پھر اس نے زکاۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کا مال سخنے سانپ کی شکل میں آئے گا جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے، یہ سانپ اس کے گلے کا طوق ہو گا اور اس کے جزوں کو پکڑ کر کہے گا: میں ہوں تیراماں، میں ہوں تیراخزانہ.....“

لکھیا چیز کا صدقہ کرنا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْنُقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجَنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيْمِمُوا الْخَيْرَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِالْحَدِيدِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ (٢/ البقرہ: ٢٦٧)

”مُونُوا! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے

زمین سے نکلتے ہیں ان میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔ اور بری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ اگر وہ چیزیں تمہیں دی جائیں تو بجز اس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کر لو اُن کو بھی نہ لوا اور جان لو کہ اللہ بے پروا اور قابل ستائش ہے۔“

صدقہ واپس کرنا

حضرت ابو ہریرہ رض بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
((إِنَّ مَثَلَ الَّذِي يَعُودُ فِي عَطْيَتِهِ كَمَثَلِ الْكُلْبِ أَكْلَ حَتَّىٰ إِذَا
شَيَعَ قَاءَ، ثُمَّ عَادَ فِي قَيْتِهِ)) (الصحیحة لللبانی: ۱۶۹۹)

”بے شک وہ آدمی جو اپنے صدقے کو واپس لے اس کی مثال اس کے کیسی ہے جو سیر ہو کرم کھائے پھر ق کر دے اور پھر اسی کو چاٹا شروع کر دے۔“

اور حضرت عمر بن خطاب رض بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے ایک گھوڑا دیا تو اس نے اسے گم کر دیا۔ پھر میں نے ارادہ کیا کہ (اگر وہ مل جائے تو) میں اسے کریدوں۔ میرا خیال یقیناً کہ وہ آدمی اسے ستے دامون بیج دے گا۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:
((لَا تَشْتَرِهِ، وَلَا تَعُدُ فِي صَدَقَتِكَ وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدْرُهُمْ، فَإِنَّ
الْعَائِدَةِ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكُلْبِ يَعُودُ فِي قَيْتِهِ))

(البخاری: ۲۶۱۳؛ مسلم: ۱۶۲۰)

”اسے مت خریدو اور اپنا صدقہ مت واپس کرو اگرچہ تمہیں ایک ہی درہم میں کیوں نہ دے، کیونکہ اپنا صدقہ واپس کرنے والا شخص اس کے کی مانند ہے جو اپنی قے کو دوبارہ چاٹا شروع کر دے۔“

روزہ

رمضان المبارک کے خصوصی اعمال میں سب سے اہم عمل روزہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے ہر ملک مسلمان پر فرض کئے ہیں۔ فرمانِ الہی ہے:

يَا يَاهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَفَقَّونَ (۲/ البقرة: ۱۸۳)

”اے ایمان والو! تم پر روز فرض کر دیئے گئے ہیں، ویسے ہی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ کی راہ اختیار کرو۔“

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّهُ مِنْ آيَامٍ أُخْرَ (البقرة: ۱۸۴)

”پس تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو وہ اور دونوں میں گنتی کو پورا کر لے۔“

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (۲/ البقرة: ۱۸۵)

”پس جو شخص بھی اس مہینہ کو پائے وہ اس کے روزے رکھے۔“

ان آئتوں سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں: (۱) روزہ فرض ہے (۲) چند گنتی کے دنوں میں (۳) مریض و مسافر اگر روزے نہ رکھ سکیں تو وہ دوسرے دنوں میں رکھ سکتے ہیں۔ (۴) یہ رمضان کے روزے ہیں جس میں قرآن مجید اٹارا گیا ہے۔ (۵) جسے یہ مہینہ مل جائے اسی پر رمضان کے روزوں کا رکھنا فرض ہے، بیمار، مسافر اپنی مجبوری کی وجہ سے اگر اس مہینہ میں روزے نہ رکھ سکیں تو اتنی گنتی کے روزے اور مہینے میں رکھ سکتے ہیں رمضان کا روزہ ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے اگر کوئی شخص اس کی فرضیت کا انکار کر دے تو وہ کافر ہے اور بلا عندر شرعی فرض روزے چھوڑنے والا فاسق اور فاجر ہے۔

آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔

(بُنِيَ إِلَاسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةٌ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مَحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامٌ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَحَجَّ بَيْتِ اللَّهِ، وَصَوْمُ

رمضان (متفق علیہ)

”اسلام کی بنیاد پائی چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، حج بیت اللہ کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔“

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ رمضان المبارک کے روزے ہر مکلف مسلمان پر فرض ہیں، ہاں مرضیں اور مسافر کو اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے کہ وہ رمضان کے جن دنوں میں بسبب مرض یا سفر روزے نہ رکھ سکیں ان کے روزے بعد میں قضا کر لیں۔

رمضان کی فضیلت

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجَنِّ وَغُلِقَتْ آبُوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتُحَتْ آبُوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلِقْ مِنْهَا بَابٌ وَبَنَادِيْ مُنَادٍ يَا بَاغِيْ الْخَيْرِ أَفْيَلُ وَيَا بَاغِيْ الشَّرِّ أَقْبَرُ وَلِلَّهِ عُتْقَاءُ مِنَ النَّارِ ذَلِكَ كُلُّ لَيْلَةٍ))

(جامع ترمذی: ۲/۳۱)

”جب رمضان المبارک کی اول رات ہوتی ہے تو بڑے بڑے سرکش جن اور شیطان قید کیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے کوئی دروازہ کھلتا نہیں اور جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں پھر ان سے کوئی دروازہ بند نہیں ہوتا، اور اللہ کی طرف سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے بھلائی کے تلاش کرنے والے آگے بڑھ (یعنی اب وقت ہے جو کچھ کرنا ہے کر لے) اور اے گناہ کرنے والے اب پیچھے ہٹ جا (یعنی اس خیر و برکت کے وقت کی شرم کرو اور گناہوں سے باز آ جا)، اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے (جو آزادی کے

مشتحق ہیں) اور یہ معاملہ ہر رات ہوتا ہے۔“

روزے کے احکام

روزے کے بہت سے احکام و مسائل ہیں مگر ان میں سے چند احکام یہاں بیان کئے

جاری ہے ہیں:

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ صحیح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے، چغلی غمیبت فخش اور جھوٹ وغیرہ سے ایمانداری و خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ بچنے کا نام روزہ ہے لہذا روزہ کی حالت میں کھانا پینا اور دیگر بری باتوں سے پچنا اور پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر قصد اکھاپی لیا تو روزہ ٹوٹ گیا اس کی قضاضروری ہے اور اگر قصد ایسوی سے مباشرت کر لی تو قضا اور کفارہ ضروری ہے؛ کفارہ میں اگر طاقت ایک غلام آزاد کرنے کی ہے تو ایک غلام آزاد کرے اور اگر اس کی طاقت نہیں تو دو مہینے تک پے در پے روزے رکھے اور اگر اس کی طاقت نہیں تو سامنہ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

روزے کی حالت میں اگر کوئی غلطی سے کھاپی لے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا پلا یا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ وَشَرَبَ فَلِيُّتَمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ

اللَّهُ وَسَقَاهُ)) (بخاری: ۲۰۹/۱)

”جس نے بھول کر کھاپی لیا اسے روزہ پورا کر لینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا پلا یا ہے۔“

روزہ کی حالت میں یہاری کی وجہ سے سینگی اور سچنے لگوانا جائز ہے بشرطیکے ضعف کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جانے کا خوف نہ ہو رسول اللہ ﷺ نے روزے میں سینگی لگوائی ہے۔

(بخاری: ۲۶۰/۱)

جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، بے تصور پر ازرام رکھنا، غمیبت اور چغلی کھانا، گالی گلوچ،

لڑائی جھگڑا کرنا اور دیگر گناہوں کے کام کرنا ہر حالت میں منع ہیں لیکن روزے کی حالت میں خصوصیت سے ان کاموں کو نہ کرے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَدْعُ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةً فِي أَنْ يَدْعَ طَعَامَةً وَشَرَابَةً)) (بخاری: ۲۵۵)

”جو شخص جھوٹی بات اور برے عمل پر کام کرنا نہ چھوڑے تو اس کے کھانے پینے کو چھوڑ دینے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

((فَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمٍ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفَثُ وَلَا يَصْخَبُ فَإِنْ سَأَبَهْ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ)) (بخاری: ۲۵۵)

”جب کوئی روزے سے ہوتا غواہ رہے ہو وہ بات نہ کہے اگر کوئی جھگڑے یا گالی گلوچ پر اتر آئے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔“

روزہ کی حالت میں جس وقت اور جس طرح چاہے وہ مسوکتا ہے اور تسلی و خوشبو لگانا، اور سرمه لگانا، نہانا سر پر پانی ڈالنا، گلی کرنا جائز ہے لیکن زیادہ مبالغہ سے گلی نہ کرے کہ ناک یا حلق کے ذریعہ پانی اتر جائے اور نہ زیادہ مبالغہ سے ناک میں پانی ڈالے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَبَالْعِفْوِ فِي الْإِسْتِنْشاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا))

(مسند احمد: ۴/ ۳۳)

”اور ناک میں مبالغہ سے پانی ڈالو گر روزے کی حالت میں پانی ڈالنے میں مبالغہ نہ کرو۔“

بیمار مسافر، بوڑھا، حاملہ اور مرضیہ کے لیے رخصت ہے کہ ان وقتوں میں روزے نہ رکھیں۔ (مسند احمد: ۴/ ۳۴۷)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((وَمَنْ كَانَ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعَدَهُ مِنْ أَيَّامٍ أُخْرَ))

بیمار اور مسافر دوسرے دنوں میں روزے رکھیں جن بوڑھوں کو روزے رکھنے کی طاقت نہیں ہے وہ فدیدیں۔“

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَعَلَى الَّذِينَ يُطْبِقُونَهُ فِدْيَةً طَعَامٌ مَسْكِينٌ۔

جن کو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں وہ مسکینوں کو کھانا کھلانیں، حمل والی اور دودھ پلانے والی عورتوں کو اگر زیادہ تکلیف ہو تو وہ روزے نہ رکھیں جب اس سے فارغ ہو جائیں تب ان روزوں کی قضا کریں وہ بیمار کے حکم میں شامل ہیں حدیث میں ہے: وَعَنِ الْجُنُبِ
وَالْمُرْضِعِ الصَّوْمَ (سنن نسائی ح: ۲۲۷۶) ”اللہ تعالیٰ نے حامل اور مرضع کو روزے کی رخصت دی ہے۔“

کہ اس حالت میں روزہ نہ رکھیں قضا شدہ روزوں کو رمضان کے بعد جب موقع مل جائے کھا جاسکتا ہے لیکن حتی الامکان جلدی رکھنے کی کوشش کی جائے اور لگاتار رکھنا ضروری نہیں ہے فاصلہ اور ناغہ کر کے رکھنا بھی درست ہے۔

چاند میکھنے سے دو چار دن پہلے رمضان کے استقبال کے طور پر روزہ رکھنا جائز

نہیں۔ (بخاری: ۲۵۶)

اگر کوئی پہلے سے ہمیشہ نفلی روزہ رکھتا چلا آیا ہے تو اس کے لیے رخصت ہے۔
چاند دیکھ کر اس دعا کو پڑھنا سنت ہے۔ اللَّهُمَّ أَهْلِهَ عَلَيْنَا بِالآمِنِ وَالإِيمَانِ
وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّنَا وَرَبِّكَ اللَّهُ (مسند احمد: ۳۲۹/۵)۔ ”اے اللہ! تو اس
میںیں کو ہم پر سے امن و امان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ گزار دے اور اے چاند! میرا اور تیرا
رب اللہ ہی ہے۔“

سحری کی فضیلت

روزہ کے لیے سحری کھانا سنت ہے سحری سحر سے ہے اور سحر وقت آخری شب جو صح
صادق سے پہلے ہوتا ہے اور سحری اس کھانے کو کہتے ہیں جو روزہ دار رات کے آخر وقت میں
صح صادق سے پہلے کھاتا پیتا ہے تاکہ دن میں طاقت رہے اور بھوک اور پیاس کی زیادہ
تکلیف نہ ہو اور سحری کھانے کا اچھا وقت آخر رات ہے سحری کھانے سے دن بھر قوت رہتی
ہے اور اس میں برکت بھی ہے اس لیے اس کھانے کو ”غذاء مبارک“، کہا گیا ہے۔ سحری کھانا
سنت مذکور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً)) (صحیح بخاری: ۲۵۷)

”سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔“

اور آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے:

((فَصُلُّ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَهُ السُّحُورِ))

(صحیح مسلم: ۱/۳۵۰)

”ہم مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کے روزوں کے درمیان فرق صرف سحری کھانا ہے۔“

کیوں کہ یہود و نصاریٰ سحری نہیں کرتے اور مسلمان سحری کھاتے ہیں۔

((إِنَّ اللَّهَ وَمَلِكُكُهُ يُصْلُوْنَ عَلَى الْمُسَّاحِرِيْنَ))

(ابن حبان، حدیث نمبر ۳۴۵۸)

”سحری کھانے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے اور فرشتے ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں۔“

روزے کی نیت ضروری ہے بغیر نیت کے روزہ نہیں ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) (بخاری: ۲/۱)

”عملوں کا دار و مدار نیت پر ہے۔“

اس میں بھی روزہ شامل ہے آپ نے روزے کے متعلق خصوصیت سے فرمایا۔

((مَنْ لَمْ يُجْمِعْ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ))

(مستند احمد: ۴/۲۸۷)

”جو شخص صحیح سے پہلے روزے کی نیت نہ کرے تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔“

علامہ شوکانی رضی اللہ عنہ ”نیل الاولاء“ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رات ہی کو روزے کی نیت کر لینا ضروری ہے لیکن یہ فرض روزوں کے لیے ہے اور نفلی روزے کی نیت اگر زوال آفتاب سے پہلے کر لی جائے تو بھی درست ہے زبان سے نیت نہیں کرنی چاہیے بلکہ دل میں روزہ رکھ لینے کا رادہ کر لینا ضروری ہے زبان سے کہنے کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ بعض کے نزدیک بدعت ہے۔

افطار کا بیان

روزہ کھونے کو افطار کہتے ہیں اور آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد اس کا وقت ہے جب کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا أَفْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هُنَّا وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هُنَّا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ)) (بخاری: ۲۶۲)

”جب رات ادھر سے ادھر آجائے یعنی مغرب اور دن ادھر سے ادھر ہو جائے، یعنی مشرق سے چلا جائے اور سورج چھپ جائے تو روزہ داروں کے روزہ کھونے کا وقت ہو گیا۔“

اور رسول اللہ ﷺ خود بھروس سے افطار کرتے تھے اور اگر یہ شہ پاتے تو پانی سے افطار کرتے۔ (مسند احمد: ۳/۱۶۴)

افطار کرنے کے بعد یہ کلمات پڑھیں:

((ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ))

(ابی داؤد: ۲/۲۷۸)

”پیاس جاتی رہی اور گئیں تر ہو گئیں اور ان شاء اللہ ابرا ج ثابت ہو گیا۔“

فضائل صوم

اللہ تعالیٰ نے روزہ داروں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے:

((إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْفَقِيرِينَ وَالْفَقِيرَاتِ وَالصَّدِيقِينَ وَالصَّدِيقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْحَشِيعِينَ وَالْحَشِيعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكَرِيَّنَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّكَرَاتِ أَعَدَ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا)

(آل احزاب: ۳۳/۲۳)

”بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں،

فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں ہبھر کرنے والے مرد اور ہبھر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی عزّت و عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔“

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفْرَةً لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنِّهِ))
(متفق علیہ)

”جس نے حالت ایمان میں اللہ سے حصول ثواب کی نیت سے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے سابقہ گناہ معاف کرو دیے جاتے ہیں۔“

ایماناً وَاحْتِسَابًا کا مفہوم یہ ہے کہ وہ نیت صادقة اور یقین کامل کے ساتھ، محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے اجر و ثواب کو حاصل کرنے کی خاطر، دل کی خوشی کے ساتھ اور روزوں کو بوجھ سمجھ کر نہیں بلکہ رمضان المبارک کے ایام کو غنیمت تصور کرتے ہوئے روزے رکھے۔ اگر وہ اس کیفیت کے ساتھ روزے رکھے گا تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

روزے کا اجر صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((كُلُّ عَمَلٍ أَبْنِي آدَمَ يُضَاعِفُ، الْحَسَنَةُ بِعَشَرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةٍ ضِعْفٍ، قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِلَّا الصَّوْمُ فِيهِ لَيَ وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدْعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي)) (مسلم: ۱۱۵۱)

”ابن آدم کا ہر (نیک) عمل گئی گناہ تک بڑھا دیا جاتا ہے، ایک نیکی وس نیکیوں کے برابر، حتیٰ کہ سات سو گناہ تک بڑھا دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سوائے روزے کے جو کہ صرف میرے لئے ہوتا ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا کیونکہ وہ میری وجہ سے اپنی خواہش نفس اور اپنے کھانے کو چھوڑتا ہے۔“

إِلَّا الصَّوْمُ فَإِنَّهُ لِنِي ”سوائے روزے کے جو کہ صرف میرے لئے ہوتا ہے“ سے مراد یہ ہے کہ مومن کے باقی اعمال مثلاً نماز، صدقہ اور ذکر وغیرہ تو ظاہری ہوتے ہیں اور فرشتے انہیں نوٹ کر لیتے ہیں، جب کہ روزہ ایسا عمل نہیں جو ظاہر ہو بلکہ صرف نیت کرنے سے ہی انسان روزے کی حالت میں چلا جاتا ہے۔ اور نیت کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہوتا حتیٰ کہ فرشتے بھی نہیں جانتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ روزہ صرف میرے لئے ہے اور اس کا بدلہ بھی میں ہی دوں گا۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزے کو بے مثال عمل قرار دیا ہے۔

چونکہ روزے کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے اور اس کی مقدار کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اس لئے روزہ دار جب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ملے گا اور اسے اللہ تعالیٰ روزے کا اجر و ثواب دے گا تو اسے بے انتہا خوشی ہو گی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(للصَّائِمِ فَرُحْتَانِ يَفْرُحُهُمَا إِذَا أَفْطَرَ فَرَحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرَحَ بِصَوْمِهِ) (بخاری: ۱۹۰۴؛ مسلم: ۱۱۵۱)

”روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں، ایک افطاری کے وقت اور دوسرا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت۔“

روزہ ڈھال ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَالصِّيَامُ جُنَاحٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمٍ أَحَدٌ كُمْ فَلَا يَرْفُثُ، وَلَا يَصْبَحُ، فَإِنْ سَابَهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلَيَقُولَ إِنِّي أَمْرُ وَصَائِمٌ))

(بخاری: ۱۹۰۴؛ مسلم: ۱۱۵۱)

”روزہ ڈھال ہے اور تم میں سے کوئی شخص جب روزے کی حالت میں ہوتا وہ ناشائستہ بات نہ کرے اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرے اور اگر کوئی شخص اسے گالی گلوچ کرے یا اس سے لڑائی کرے تو وہ کہے: میں روزہ دار ہوں۔“

”روزہ ڈھال ہے“ سے مراد یہ ہے کہ روزہ نفسانی فواحشات اور گناہوں سے روکتا ہے اور اسی طرح جہنم سے بچاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((الصِّيَامُ جُنَاحٌ مِّنَ النَّارِ كَجُنَاحِهِ أَحَدِكُمْ مِّنَ الْقِتَالِ))

(نسانی: ۲۲۳۱)

”روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص جنگ سے بچنے کے لئے ڈھال لیتا ہے۔“ (نسانی: ۲۲۳۱)

باب الریان

جنت کے ایک دروازے کا نام (باب الریان) ہے یہ دروازہ صرف روزہ داروں کے لئے مخصوص ہوگا۔ جیسا کہ ہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنِّي فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّالِمُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ: أَيْنَ الصَّالِمُونَ؟ فَيَقُولُونَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ قَلْمَبَ يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ)) (البخاری: ۱۸۹۶، مسلم: ۱۱۵۲)

”بے شک جنت میں ایک دروازہ ہے جسے باب الریان کہا جاتا ہے، اس سے قیامت کے دن صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے اور ان کے علاوہ کوئی اور اس سے داخل نہیں ہوگا اور پاکار کر کہا جائے گا: کہاں ہیں روزے دار؟ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے اور ان کے علاوہ اور کوئی اس سے جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جب وہ سب کے سب جنت میں چلے جائیں گے تو اس

دروازے کو بند کر دیا جائے گا۔“

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَنْفَقَ رُزْجِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ نُوْدِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ: يَا عَبْدَ اللَّهِ هَذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاهِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرِّيَانِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ))

”جو شخص اللہ کے راستے میں جوڑا (ایک نہیں بلکہ دو) خرچ کرتا ہے اسے جنت کے دروازوں سے پکار کر کہا جائے گا: اے اللہ کے بندے! یہ (دروازہ) تمہارے لئے بہتر ہے۔ لہذا نمازی کو باب الصلاۃ سے پکارا جائے گا، مجاہد کو باب الجہاد سے پکارا جائے گا، روزہ دار کو باب الریان سے پکارا جائے گا اور صدقہ کرنے والے کو باب الصدقہ سے پکارا جائے گا۔“

چنانچہ حضرت ابو مکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے مال باپ آپ پر قربان ہوں، جس شخص کو ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا اسے تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہو گی۔ تو کیا کوئی ایسا شخص بھی ہو گا جسے ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((نَعَمْ، وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ)) (صحیح مسلم: ۱/ ۳۵۰) ہاں اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی ان لوگوں میں سے ہوں گے۔ (البخاری: ۱۸۹۷، مسلم: ۱/ ۲۷)

روزہ شفاعت کرے گا:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((الصَّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلنَّبِيِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصَّيَامُ: أَيُّ رَبٍّ مَنِعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَةَ فَشَفَعْتُنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنِعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفَعْتُنِي فِيهِ، قَالَ: فَيَشْفَعُانِ))

از رواہ احمد والحاکم وغیرہما وصححه الألبانی فی صحيح الترغیب والترہیب: ۱۹۸۴

”روزہ اور قرآن دونوں بندے کے حق میں روز قیامت شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: ابے میرے رب امیں نے اسے کھانے سے اور شہوت سے روکے رکھا، اس لئے تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول کر لے اور قرآن کہے گا: میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا، لہذا تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول کر لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چنانچہ ان دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔“

روزہ دار کے منہ کی بواللہ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ اچھی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ يَبْيَدِه لَخَلُوقٌ فِيمَا صَائِمٌ أَطْيَبٌ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ)) (البخاری: ۱۹۰۴؛ مسلم: ۱۱۵۱)

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بواللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ اچھی ہے۔“

روزے کی حالت میں خاتمه ہو جائے تو وہ سید حاجت میں جائے گا

حضرت حدیثہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ، خُتِمَ لَهُ بِهَا، دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ صَامَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ، خُتِمَ لَهُ بِهَا، دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ، خُتِمَ لَهُ بِهَا، دَخَلَ الْجَنَّةَ)) (مسند احمدج ۳۸ ص ۳۹۱)

”جس شخص نے لا إله إلا الله کہا اور اسی پر اس کا خاتمه ہو گیا وہ سید حاجت میں جائے گا اور جس شخص نے اللہ کی رضا کی خاطر ایک دن کا روزہ رکھا اور اسی حالت میں اس کا خاتمه ہو گیا تو وہ بھی سید حاجت میں جائے گا، اور جس شخص نے اللہ کی رضا کی خاطر صدقہ کیا اور اسی وقت اس کا خاتمه ہو گیا تو وہ بھی سید حاجت میں جائے گا۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ عَبْدٍ يَصُومُ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا بَاعَدَهُ اللَّهُ بِذَالِكَ الْيَوْمِ
وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ حَرِيفًا))

(مسلم، کتاب الصیام، حدیث نمبر: ۲۷۱۱)

”جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے ایک دن کا روزہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے ستر سال کے فاصلے تک دور کر دے گا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس پر میں عمل کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ الْمُكْتُوبَةَ، وَتُؤْذِي
الزَّكَاةَ الْمُفْرُوضَةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ))

”تو اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کوشش کی موت بنا۔ فرض نماز قائم کر، فرض زکاۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ۔“

یہ سن کر دیہاتی نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ہمیشہ نہ اس سے زیادہ کروں گا اور نہ اس سے کم۔ پھر جب وہ چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلِنَظُرْ إِلَى هَذَا))

(البخاری، الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ: ۱۳۹۷؛ مسلم، الایمان: ۱۴)

”جو آدمی اہل جنت میں سے کسی شخص کو دیکھنا چاہتا ہو وہ اسے دیکھ لے۔“

حج بیت اللہ

حج کے معنی قصد اور زیارت کے ہیں، اسلامی محاورہ میں اللہ تعالیٰ کی مخصوص عبادت اور اس کے گھر کی مخصوص طریقے سے زیارت کرنے کو حج کہتے ہیں، اسلام کے پانچ رکنوں میں سے حج بھی ایک رکن ہے جو ہر مستطیح پر فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَهُجُّوْا))

(مسلم: ۱/۴۳۲، کتاب الحج)

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، لہذا تم حج کرو۔“

اور فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے، (۱) اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے اور اس کے بنہے ہونے کی شہادت دینا (۲) نماز پڑھنا (۳) بیت اللہ کا حج کرنا (۴) رمضان کے روزے رکھنا، (۵) زکوٰۃ دینا۔

(بخاری: ۱/۶، کتاب الایمان)

فرضیت حج کی پانچ شرطیں ہیں:

(۱) اسلام، یعنی حج صرف مسلمان پر فرض ہے، کافر فرض نہیں ہوتا اور اگر کافر حالت کفر میں حج کر لے تو وہ کافی نہیں ہو گا کیونکہ حج سے پہلے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ لہذا اسلام قبول کرنے کے بعد اگر وہ صاحب استطاعت ہے تو دوسرا حج فرض ہو گا۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مکن روانہ کیا تو فرمایا:

”تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، اس لئے تم انہیں (سب سے پہلے) اس بات کی طرف دعوت دینا کوہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی

معبد برحق نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں آگاہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں

فرض کی ہیں.....“ (بخاری: ۱۴۹۶، مسلم: ۱۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنا ضروری ہے اور دوسرے وابستہ دین کا رتبہ اس کے بعد ہے۔

(۲) عقل، یعنی حج عاقل، با شعور مسلمان پر ہی فرض ہوتا ہے، مجنون پر نہیں، کیونکہ مجنون کو رسول اللہ ﷺ نے مرفع القلم (غیر مکلف) قرار دیا ہے۔

(۳) بلوغت، فرضیت حج کے لئے بلوغت شرط ہے کیونکہ نابالغ بچہ مکلف نہیں ہوتا، البتہ نابالغ بچہ حج کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنا ایک بچہ بلند کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ حج کر سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نعم، ولک آنجرز "ہاں، اور تمہیں بھی اجر ملے گا۔" (مسلم: ۱۳۳۶)

لیکن اس کا یہ حج فرض حج سے کفایت نہیں کرنے گا، نابالغ ہونے کے بعد اگر وہ مستطیع ہو تو اسے فرض حج دوبارہ کرنا پڑے گا۔

(۴) آزادی، یعنی حج آزاد مسلمان پر ہی فرض ہوتا ہے، غلام پر نہیں، البتہ غلام حج کر سکتا ہے لیکن یہ حج فرض حج سے کفایت نہیں کرنے گا اور اسے آزاد ہونے کے بعد بحال استطاعت فرض حج دوبارہ کرنا پڑے گا۔

(۵) استطاعت، یعنی وہ حج کرنے کی قدرت رکھتا ہو، مالی طور پر حج کے اخراجات اٹھا سکتا ہو اور جسمانی طور پر سفر حج کے قابل ہو۔ راستہ پر اس کے لئے آزاد ہونے کے بعد حج کے ایام تک مکہ مکرمہ میں پہنچنا اس کے لئے ممکن ہو۔ فرمانِ الہی ہے:

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾

(۹۷/آل عمران: ۹۷)

"حج بیت اللہ کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کی طرف جانے کی طاقت رکھتے ہوں۔"

اور جب رسول اللہ ﷺ سے استطاعت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: (الزَّادُ وَالرَّاجِلَةُ) یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس زاد راہ اور سوری م موجود ہو (یا سواری کا کرایہ ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہو)۔

(ابن ماجہ، صحیح الترغیب والترہیب للألبانی: ۱۱۳۱)

اور اگر کوئی شخص مالی طاقت تو رکھتا ہو لیکن جسمانی طور پر سفر حج کے قابل نہ ہو تو اس پر

لازم ہے کہ وہ اپنی جانب سے کسی ایسے شخص کو حج کرانے جو پہلے اپنی طرف سے فریض حج ادا کر چکا ہو۔

عورت کے لئے ان شرائط کے علاوہ ایک اور شرط یہ ہے کہ سفر حج کے لئے اسے محروم یا خاوند کا ساتھ میر ہو، اگر ایسا نہ ہو تو اس پر حج فرض نہیں۔ ارشاد بنوی ہے:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَأٍ أَنْ تُسَافِرَ ثَلَاثًا إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ مِنْهَا))
(بخاری: ۱۰۸۶، مسلم: ۱۳۲۸)

”کسی عورت کے لئے حال نہیں کہ وہ تین دن کی مسافت کا سفر اپنے محروم کے بغیر کرے۔“

حج کی فرضیت کے ساتھ ساتھ اس کی بڑی فضیلت بھی ہے کہ اس کے کرنے سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس کے بعد جنت بھی ملتی ہے۔ اپنی ذمہ داری بھی ادا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اور پوری دنیا کے مسلمانوں سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ دین و دنیادوں کے فائدے حاصل ہو جاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا:

((أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ قَالَ إِيمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ قِيلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قِيلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجَّ مَبْرُورٌ))

(بخاری: ۶/۱، کتاب الایمان)

”کون ساعمل سب عملوں سے افضل ہے؟ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پھر عرض کیا گیا، اس کے بعد کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پھر عرض کیا گیا اس کے بعد کون ساعمل ہے، فرمایا حج مقبول ہے۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَقْسُقْ رَجَعَ كَيْوِمٍ وَلَكَدْتَهُ أَمَّهٌ))

(بخاری: ۶/۱، کتاب الایمان)

”جس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے حج کیا اور جماع اور عدول حکمی اور اللہ کی نافرمانی نہیں کی وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹتا ہے جس طرح

محکم دلائل و برائین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس کی ماں نے اس کو پیدا کیا تھا۔“

یعنی گناہوں سے وہ اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے اس کو آج ہی مخصوص جتنا ہے، سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا:

((إِنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ)) (مسلم: ٧٦/١، کتاب الایمان)

”حج ان تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے جو پہلے سے سرزد ہو گئے تھے۔“

((الْحَجَّ جِهَادٌ لِكُلِّ ضَعِيفٍ)) (مسند احمد: ٢٩٤/٦)

”ہر کمزور کا جہاد حج ہے یعنی حج کرنے سے جہاد کا ثواب ملتا ہے۔“

((جِهَادُ الْكَبِيرِ وَالضَّعِيفِ وَالْمَرْأَةُ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ))

(نسائی: ٢٦٢٧)

”بوزٹھے، کمزور اور عورت کا جہاد حج اور عمرہ کرتا ہے۔“

((الْحَجَّ الْمُبَرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجُنَاحُ))

(بخاری: ٣٣٨/١)

”حج مبرور کا بدله جنت ہی ہے۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج عمرہ دونوں کو ملاؤ، کیونکہ یہ دونوں محتاجی اور گناہوں کو ایسا دور کر دینے ہیں جس طرح بھی لو ہے، چاندی اور سونے کی میل کو دور کر دیتی ہے اور مقبول حج کا بدله جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (جامع ترمذی: ٧٨/٢)

حج پر جتنا بھی روپیہ پیسہ خرچ ہوتا ہے وہ باعث خیر و برکت اور سعادت دارین کا ذریبہ ہے۔

النَّفَقَةُ فِي سَيِّلِ اللَّهِ الدِّرْهَمِ بِسَيِّعِ مَا فِيهِ۔

(مسند احمد: ٣٥٥/٥)

”حج میں خرچ کرنا ایسا ہے جیسا جہاد میں خرچ کرنا۔ جہاد میں ایک درہم خرچ کرنے کا ثواب سات سورہم خرچ کرنے کے برابر ہے۔“

حضرت عائشہ ؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

((إِنَّ لَكَ مِنَ الْأَجْرِ عَلَى قَدْرِ نَصِيبِكَ وَنَفْقَتِكَ))

(مستدرک ۱/۴۷۱)

”جتنی تم کو تکلیف ہوگی اور جتنا تم خرچ کرو گی اتنا ہی ثواب تم کو ملے گا۔“
اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعوت دی اور اس کی دعوت کو آپ نے قبول فرمایا اور مہمانی کے لئے اور حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں یہ بڑی فضیلت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مہمان نواز ہے اور آپ اس کے مہمان ہیں اس کی تائید بزار اور ترغیب کی حدیث سے ہوتی ہے۔ (مجمع الزوائد: ۳/۲۱۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حج اور عمرہ کرنے والے دونوں اللہ کے مہمان ہیں، خدا نے ان کو بلا یا، اور وہ آئے اور جو کچھ انہوں نے مانگا خدا نے ان کو دیا، اللہ آپ کو بھی بخشنے اور اگر اپنے خویش و اقارب کی مغفرت کے لئے سفارش اور دعا کریں گے تو خدا انہیں بھی بخش دے گا۔

آپ اس مقدس سفر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ شرافت سے پیش آیا تھے اور ہر ممکن طریقے سے ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتے رہے اور خدمت کرتے رہے، ان کو تکلیف پہنچانا اور ان سے لڑائی جھگڑا کرنا انسانیت کے خلاف ایک جرم عظیم ہے خصوصیت سے اس مبارک سفر میں اللہ تعالیٰ نے جھگڑا کرنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿الْحَجَّ أَشْهُرٌ مَعْلُومٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَعَ وَلَا فُسُوقٌ وَلَا جَدَالٌ فِي الْحَجَّ﴾ (البقرة: ۲/۱۹۷)

”حج کے چند گنتی کے میانے معلوم ہیں جو ان مہینوں میں حج کا احرام باندھے، وہ اپنی بیوی سے ہم بستر نہ ہو اور خش اور لڑائی جھگڑا نہ کرے۔“

سفر حج کے دوران موت آجائے تو انسان جنتی ہوتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ خَرَجَ حَاجًا فَمَا كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْحَاجَّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَمَا كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْمُعْتَمِرِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

(رواہ أبو یعلیٰ، صحیح الترغیب والترہیب: ۱۱۱۴)

”جو شخص حج کے لئے نکلے، پھر اسی دورانِ اس کی موت آجائے تو یوم قیامت تک اس کے لئے حاجی کا اجر لکھ دیا جاتا ہے اور جو شخص عمرہ کے لئے نکلے، پھر اسی دورانِ اس کی موت آجائے تو یوم قیامت تک اس کے لئے عمرہ کرنے والے کا اجر لکھ دیا جاتا ہے۔“

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی، جس نے رسول اللہ ﷺ سے ساتھ عرفات میں وقوف کیا اسے اچانک اس کی اونٹی نے نیچے گرا دیا جس سے اس کی گرد انٹ گئی اور وہ فوت ہو گیا۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((أَغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسَدِّرُ، وَكَفِنُوهُ بِثَوْبَيْهِ، وَلَا تُخَمِّرُ وَارَّاسَهُ،
وَلَا تُحِيطُهُ، فَإِنَّهُ يَعْثُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلْبِسًا))

(بخاری: ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، مسلم: ۱۲۰۶)

”اسے پانی اور بیری سے غسل دو اس کی دو چادروں میں ہی اسے کفن پہنا دو۔ اس کا سرمت ڈھانپو اور اسے خوشبو بھی مت لگا، کیونکہ قیامت کے روز اسے اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ یہ تلبیہ پڑھ رہا ہو گا۔“

مناسک حج کی فضیلت میں ایک عظیم حدیث

”جب تم اپنے گھر سے بیت اللہ کا قصد کر کے نکلتے ہو تو تمہاری اونٹی کے ایک ایک قدم پر اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایک میکل لکھ دیتا ہے اور تمہارا ایک گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اور طواف کے بعد تمہاری دور رکعات حضرت امام علی علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتی ہیں۔ اور صفا اور مرود کے درمیان تمہاری سی ستر غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ہوتی ہے اور یوم عرفہ کی شام کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر آ کر تم پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے: دیکھو یہ میرے بندے ہیں جو دور راز سے پر اگنہے حالت میں اور غبار آ لود ہو کر میرے پاس آئے ہیں، یہ میری رحمت کے امیدوار ہیں۔ اگر تمہارے گناہ ریت کے ذارت کے برابر، یا بارش کے قطروں کے برابر، یا سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں تو میں ان تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے اور (أَفِيضُوا عَبَادِنِي! مَغْفُورًا لَكُمْ وَلِمَنْ شَفَعْتُمْ

لئے) ”سن اومیرے بندو اب تم مزدلفہ کی طرف لوٹ جاؤ، میں نے تمہاری اور جن کے لئے تم نے دعا کی ہے سب کی مغفرت کر دی ہے۔“ اور جب تم مجرمات کو کنکریاں مارتے ہو تو ہر کنکری کے بد لے میں ایک بکیرہ گناہ منادیا جاتا ہے اور جب تم قربانی کرتے ہو تو اس کا اجر تمہارے رب کے ہاں تمہارے لئے ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔ اور جب تم سرمنڈ داتے ہو تو ہر بال کے بد لے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور ایک گناہ منادیتا ہے۔ پھر جب تم طواف کرتے ہو تو اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتے ہو جیسا کہ تم اپنی ماں کے پیٹ سے گناہوں سے بالکل پاک پیدا ہوئے تھے اور ایک فرشتہ آتا ہے اور تمہارے کنڈھوں کے درمیان ہاتھ درکھ کر کہتا ہے: جاؤ اب مستقبل کے لئے عمل کرو کیونکہ تمہارے پچھلے تمام گناہ منادیے گئے ہیں۔“

(الطبرانی، صحیح الترغیب والترہیب للألبانی: ۱۱۱۲)

سفر حج سے پہلے چند آداب

(۱) عازم حج پر لازم ہے کہ وہ حج و عمرہ کے ذریعے صرف اللہ کی رضا اور اس کا تقرب حاصل کرنے کی نیت کرے کیونکہ ہر عمل صالح کی قبولیت کے لئے اخلاص شرط ہے۔ فرمائیں الہی ہے:

﴿وَمَا أَمْرُوا إِلَّا يَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينُ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا

الصَّلَاةَ وَيَوْمُوا الزَّكُوَةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيمَةِ﴾ (البینة: ۵)

”انہیں اس کے سوال کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اور یکسو ہو کر۔ اور نماز قائم کریں

اور زکاۃ دیتے رہیں اور یہی نہایت درست دین ہے۔“

(۲) وہ حج کے اخراجات رزقی حلال سے کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبُ وَلَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا** ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک چیز کو قبول کرتا ہے۔“ پھر آپ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کر کے پر اگنڈہ اور غبار آلو دجالت میں (حج کرنے جاتا ہے) اور آسمان کی طرف ہاتھوں کو بلند کر

کے دعا کرتا ہے: اے میرے رب، اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، اس کا پینا اور اس کا بیس حرام کمائی سے تھا اور اس کے جسم کی پروردش حرام رزق سے ہوئے تو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟“ (مسلم: ۱۰۱۴)

حجاج کرام پر خصوصاً لازم ہے کہ وہ حرام کمائی سے بچیں اور سفرِ حج کے اخراجات حلال کمائی سے کریں۔

(۳) تمام گناہوں سے بچی تو بے کر لے اور اگر اس پر لوگوں کا کوئی حق (قرض وغیرہ) ہو تو اسے ادا کر دے۔ اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تلقین کرے اور اگر کچھ حقوق وہ ادا نہ کر سکا ہو تو انہیں ان کے متعلق وصیت کرے۔

(۴) قرآن و سنت کی روشنی میں حج و عمرہ کے احکامات کو سیکھ لے اور سنی سنائی باقوں پر اعتماد نہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جبتوالوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

((لَا تَأْخُذُوا مَنَا سِكْنُمْ، فَإِنَّى لَا أَدْرِي لَعَلَى لَا أَحْجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هَذِهِ)) (مسلم: ۱۲۹۷)

”تم حج کے احکام سیکھ لو کیونکہ مجھے معلوم نہیں، شاید میں اس حج کے بعد دوسرا حج نہ کر سکوں۔“

لہذا جس طرح باقی تمام عبادات کے لئے رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ سے مطابقت ضروری ہے، اس طرح حج کے احکام بھی آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ہی ادا ہونے چاہیے۔

دورانِ سفر اور دورانِ ادائیگی حج چند ضروری آداب

(۱) احرام کی نیت کرنے کے بعد زبان کی خصوصی طور پر حفاظت کریں اور فضول گفتگو سے پرہیز کریں، اپنے ساتھیوں کو ایڈاء نہ دیں اور ان سے برادرانہ سلوک رکھیں اور اپنے تمام فارغ اوقات اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گذاریں۔ اللہ تعالیٰ کافرمان ہے:

”حج کے مہینے مقرر ہیں، اس لئے جو شخص ان میں حج لازم کر لے وہ اپنی بیوی سے میں ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے سے بچتا رہے۔

تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور انپرے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو اور سب سے بہتر تو شہ اللہ تعالیٰ کا ذر ہے۔ لہذا اے عظیمندو! تم مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔” (۲/ البقرۃ: ۱۹۷)

اور رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَقْسِقْ رَاجِعَ كَيْوُمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ))

(بخاری: ۱۸۱۹، مسلم: ۱۳۵۰)

”جس نے حج کیا اور اس دوران بے ہودگی اور اللہ کی نافرمانی سے بچا رہا وہ اس طرح واپس لوئے گا جیسے اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔“

(۲) حاج کے رش میں خصوصاً حالت طواف و سعی میں اور نکریاں مارتے ہوئے کوشش کریں کہ کسی کو آپ کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ سے جب یہ پوچھا گیا کہ سب سے اچھا نومون کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَلَمَ الْمُسِلِّمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ))

(بخاری: ۱۱، مسلم: ۴۲)

”سب سے اچھا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“

اگر کسی وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچ تو اسے درگذر کر دیں اور جھگڑا نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((وَالَّذِينَ يَحْجُّونَ كَثِيرًا إِلَّا هُمْ وَرَادُوا مَا عَصَبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ)) (۴۲/ الشوری: ۳۷)

”اور وہ (موسیٰ) کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں غصے کے وقت معاف کر دیتے ہیں۔“

نیز فرمایا:

((وَجَزَّوْا سَيِّئَةً سَيِّئَةً مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَ وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ أَنَّهُ

لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ》 (٤٢/ الشوری: ٤٠)

”برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی (تکلیف پہنچانا) ہے۔ اور جو معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔“

(۳) باجماعت نماز پڑھنے کی پابندی کریں اور اس سلسلے میں کسی قسم کی سستی نہ بر تیں۔

(۴) خواتین غیر حرم مردوں کے سامنے بے پرده نہ ہوں اور ان کے سامنے دوپٹے یا چادر وغیرہ سے پرده کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ أَذْوَاجِكَ وَبَنِتَكَ وَنِسَاءُ الْمُؤْمِنِينَ يُدْعَنْ
عَلَيْهِنَّ مِنْ حَلَالٍ يُبَيِّهُنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفَنَ فَلَا يُؤْذَنُونَ﴾

(۵۹/ الأحزاب: ۳۲)

”اے نبی! اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکایا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی، پھر انہیں ستایا گئیں جائے گا۔“

احرام باندھنے کا طریقہ

احرام باندھنے کا طریقہ یہ ہے (۱) اول جامت بنوالو (رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھنے سے پہلے غسل فرمایا تھا)

اور وضو کرلو، اس کے بعد سلے ہوئے کپڑے اتار دو اور ایک کپڑا تہبند کے طور پر باندھلو، اور ایک چادر اوڑھلو، احرام کے یہی دو کپڑے ہیں، اس کے بعد خوشبو گالو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كُنْتُ أُكَيِّبُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حُرَّامَهُ قَبْلَ أَنْ يُحِرِّمَ وَلِحِلَّةٍ
قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبُيُّوتِ)) (بخاری: ۱/ ۳۰۸ کتاب الحج)

”رسول اللہ ﷺ کو میں احرام کے وقت خوشبو گاتی تھی، احرام باندھنے سے پہلے، اور طواف سے پہلے حلال ہونے کے وقت خوشبو گاتی تھی۔“

اگر عمرہ کرنا ہو تو عمرہ کی نیت کرو، اور یوں کہو (لَبَيْكَ عُمْرَةً) اور اگر صرف حج کرنے کا ارادہ ہے تو حج کا ارادہ کرو یعنی یوں کہو (لَبَيْكَ اللَّهُمَّ لَبَيْكَ بِالْحَجَّ) اور اگر قرآن یعنی حج و عمرہ دونوں ساتھ ساتھ ادا کرنا مقصود ہے تو دونوں کا ارادہ کرو، اور یوں کہو: (لَبَيْكَ عُمْرَةً وَ حَجَّاً) حج فرض ادا کرنا ہے تو فرض حج کی نیت کرو، نفل ادا کرنا ہے تو نفل کی نیت کرو، نیت کرنا فرض ہے بغیر نیت کے کسی عمل کا اعتبار نہیں ہے اگر مرد ہے تو احرام کے وقت سے قبلی تک سر کھولے رکھے۔

اس کے بعد زور زور سے تلبیہ پڑھو رسول اللہ ﷺ اس تلبیہ کو پڑھا کرتے تھے۔

جس کے الفاظ یہ ہیں:

((لَبَيْكَ اللَّهُمَّ لَبَيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ

وَالنِّعْمَةُ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ)) (بخاری: کتاب الحج ۲۱۰)

”اللہ! میں تیری خدمت اور عبادت کے لئے حاضر ہوا ہوں تیرا کوئی شریک

نہیں ہے میں تیری خدمت کے لئے حاضر ہوا ہوں، یقیناً تعریف اور نعمت

صرف تیرے لئے ہے اور بادشاہت صرف تیرے لئے خاص ہے تیرا کوئی

شریک نہیں ہے۔“

احرام کی قسمیں

احرام کی چار قسمیں ہیں:

(۱) افراد، یعنی صرف حج کا احرام باندھنا، اور صرف حج کا احرام باندھنے والے کو ”مفروذ“ کہتے ہیں (بخاری)۔

(۲) ثنتیں یعنی پہلے حج کے میں میں عمرہ کا احرام باندھ کر طواف سمی ادا کرنے کے بعد حلال ہو جائے پھر حج کا احرام باندھ کر حج کے افعال کو ادا کیا جائے ایسا کرنے والے کو ”ممتتع“ کہتے ہیں (بخاری)۔

(۳) قرآن، یعنی حج و عمرہ دونوں کا ساتھ ساتھ احرام باندھنا ایسا کرنے والے کو ”قارون“ کہتے ہیں (بخاری)۔

(۲) حج کے مہینے کے علاوہ دوسرے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھنا ایسا کرنے والے کو معتمر کہتے ہیں (بخاری)۔

یہ سب جائز ہیں یعنی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ نے ان کو ادا کیا جیسا کہ کتب ستہ میں ہے۔

احرام کے کپڑے

مرد کے احرام کے کپڑے ایسے ہونے چاہئیں: نیایا دھلا ہوا تہہ بند چادر اور جوتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک لگی اور چادر اور جوتا میں احرام باندھو“، اگر تہہ بند نہ ہو تو پائچامہ میں بھی احرام بندھ سکتا ہے۔

مردوں کو احرام کی حالت میں ملے ہوئے کپڑے، زعفران اور درس کی رنگی ہوئی چادر منع ہے اور مرد احرام کی حالت میں اپنے سر کو کھلا رکھئے اور عورتیں عام لباس میں احرام باندھیں لیکن لباس با پردہ ہو جانا چاہیے اور احرام کی حالت میں عورتیں اپنے چہرے کو کھلا رکھیں چھپا کیں نہیں البتہ اگر اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو کھونگھٹ نکال لیں، احرام کی حالت میں بال ناخن کا تراشنا، جنگلی جانوروں کا شکار کرنا، نکاح کرنا اور کرانا، بیوی سے جماع کرنا اور لڑائی جھکڑا کرنا اور خوشبو لگانا جائز نہیں ہے۔

حرم شریف میں داخل ہونے کے آداب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ هَذَا الْبُلْدَةَ حَرَامٌ لَا يُعْصَدُ شَوْكَهُ وَلَا يُخْتَلِي خَلَاهُ وَلَا يُنْقَرُ صَيْدُهُ وَلَا تُلْتَقَطُ لُقْطَتُهُ إِلَّا لِمُعْرِفَةٍ))

”یہ شہر مکہ حرم ہے یہاں کا کائنات کا ناٹا جائے اور نہ یہاں کی گھاس سوائے از خر کے کائی جائے اور نہ شکار بھیگایا جائے اور نہ گری پڑی چیز اٹھائی جائے البتہ اعلان کرنے والا اٹھا سکتا ہے۔“

حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت سے یہ شہر مکہ حرم ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے حرام بنا یا ہے یہاں قتل و قتال اور جنگ و جدال حلال

اسلامی تعلیمات

228

نہیں ہے یہ بھاں شکار کرنا جائز ہے یہ کائنات کا مٹا جائز ہے۔ (بخاری: کتاب جزا الصید)
اس حرم میں داخلہ کے وقت رسول اللہ ﷺ سے کوئی خاص دعا صحیح حدیث سے ثابت نہیں البتہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حرم میں داخلہ کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَةٌ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ))

”اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں،

اسی کا ملک ہے، اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے اللہ کے گھر کی زیارت کرنے کی کوشش کرو۔

مسجد حرام میں داخل ہونے کی دعا

مسجد حرام میں مقام ابراہیم کی طرف آؤ مقام ابراہیم کے پاس باب بنی شیبہ ہے اس دروازے سے داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں:

بِسْمِ اللَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ رَبِّ الْعَفْرَانِ

ذُؤُوبِي وَأَفْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (ابن ماجہ)

”میں اللہ کے نام سے داخل ہوتا ہوں اور اس کے رسول پر درود وسلام بھیجتا

ہوں اے اللہ تو میرے گناہوں کو معاف کر دے اور اپنی رحمت کے

دروازے کھول دے۔“

طواف

طواف کے معنی گھومنے اور چکر لگانے کے ہیں، خانہ کعبہ کے ارد گرد گھومنے اور چکر لگانے کو ”طواف“ کہتے ہیں۔

طواف کی فضیلت حدیث میں بہت آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ وَصَلَّى رَسُوتَيْنِ كَانَ كَعْتَقِ رَقَبَةِ))

(ابن ماجہ کتاب المناک: ۲۹۵۶)

”جو بیت اللہ کا طواف کرے اور دور کعت نماز پڑھے تو اس کو ایک غلام آزاد

کرنے کا ثواب ملے گا۔“

طواف کی فتمیں

طواف کی چھ فتمیں ہیں۔ (۱) طواف قدوم جو آنے کے وقت سب سے پہلے کیا جاتا ہے، اس کو طواف الورود اور طواف اللقاء اور طواف الخیریہ بھی کہتے ہیں یہ آفاقی یعنی مکہ سے باہر والوں کے لئے (۲) طواف التیارت جو دسویں تاریخ کو کیا جاتا ہے یہ حج کا رکن ہے اس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں (۳) طواف صدر جو بیت اللہ سے واپسی کے وقت کیا جاتا ہے، اس کو مطواط الدواع بھی کہتے ہیں (۴) طواف العمرہ جو عمرہ کی ادائیگی کے وقت کیا جاتا ہے، یہ عمرہ کا رکن ہے۔ (۵) طواف نذر، جونذر مانند والے پر ضروری ہے (۶) طواف انفل جو نفلی طور پر ہر وقت کیا جاتا ہے۔

طواف قدوم کی ترکیب

(۱) خصوکر کے مرد اپنے احرام کی چادر دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں شانہ پر ڈال دیں (دایاں شانہ کھلا رکھیں) مجرم اسود کے پاس آ کر اس کا بوسہ لیں یا استلام کریں، استلام کے وقت بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ (منداحمد) کہیں یعنی اللہ کے نام سے طواف کرتا ہوں اللہ بہت بڑا ہے۔ طواف کے دوران ذکر و اذکار اور دن یا آخرت کی بھلائی کے لئے دعاویں میں مشغول رہیں۔
رکن یہمانی کی دعا

اس کو نے کو صرف چھوٹا چاہیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اس کو نے پرست ہزار فرشتے مقرر ہیں جب ذیل کی دعا پڑھی جاتی ہے تو اس پر وہ آمیں کہتے ہیں رکن یہمانی پر استلام کے بعد اس دعا کو دونوں رکنوں کے درمیان پڑھو، نبی کریم ﷺ اس کو اس جگہ پڑھتے تھے:

((رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقَنَا عَذَابَ النَّارِ))

”اے میرے رب! تو مجھے دنیا میں نیکی عطا فرماء، اور آخرت میں بھی بھلائی فرم اور دوزخ کے عذاب سے مجھے بچائیو۔“

اس دعا کو پڑھتے ہوئے جبراں سود پر آئیں، اب یہ ایک چکر ہوا، اگر جبراں سود کو بوسہ لینے کا موقع ملے تو بوسہ لیں ورنہ ہاتھ سے اشارہ کر کے ذکرداذ کار کرتے ہوئے دوسرا پھیرا شروع کر دیں اس میں بھی آہستہ دوڑ کر چال چلیں اور نذکورہ دعا میں پڑھیں، تیسرا پھیرا بھی اسی طرح کریں، رمل واخطباء نہ کریں جب سات پھیرے پورے ہو جائیں تو ایک طواف پورا ہو گیا، جبراں سود سے طواف شروع کیا تھا اور جبراں سود پر ہی ختم کریں اگر جبراں سود پر بوسہ لینا ممکن ہو تو بوسہ لیں ورنہ استلام کر کے مقام ابراہیم کی طرف آ جائیں۔

حدیث شریف میں ہر چکر اور پھیرے کی الگ الگ دعا میں نہیں ہیں، اور اس کے علاوہ بھی قرآن و حدیث سے دعا میں پڑھی جاسکتی ہیں آج تک کے معلمین نے طواف کے ہر پھیرے کے لئے الگ الگ دعا میں ترتیب دے رکھی ہیں اور حاجیوں کو وہی پڑھاتے ہیں ہر کام میں سنت کی پیروی ضروری ہے قرآن و حدیث کی دعاؤں میں جوتا شیر ہے وہ مصنوعی دعاؤں میں نہیں ہے۔

طواف کے ساتوں پھیرے کو ختم کر کے آیت «وَاتَّبِعُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلَّى» پڑھتے ہوئے مقام ابراہیم پر آ جائیں۔ مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر کے طواف کی دور کعت نماز پڑھیں پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد «قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَفَرُونَ» اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد «قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ» پڑھیں سلام پھیرنے کے بعد نہایت عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے اور اپنے لا حلقین کے لئے نیک دعا میں کریں کیونکہ یہ قبولیت کی جگہ ہے اس کے متعلق خاص طور پر کوئی صحیح دعا حدیث مرفوع سے ثابت نہیں قرآن و حدیث کی جو مناسب دعا میں سمجھ کر آپ پڑھ سکتے ہیں۔

دعاؤں سے فارغ ہونے کے بعد پھر جبراں سود کے پاس آ کر اس کو بوسہ دے کر یا استلام کر کے چاہ زم زم کی سبیل کے پاس آ کر زم زم پیش۔

تنبیہ: یہ طواف قدوم کا بیان تھا اس میں رمل اور اخطباء ہے اس کے سوا کسی میں رمل اور اخطباء نہیں کرنا چاہیے اور عورتیں طواف قدوم میں بھی رمل اور اخطباء نہ کریں باقی طواف ایسا ہی کریں جیسا مرد کرتے ہیں حتی الامکان مردوں سے الگ ہو کر طواف کریں مرد

بھی ان کو مال، بیٹی، بہن بھیجیں۔
سمی کی ترکیب

اب آپ صفا کی طرف روانہ ہوں پھر پھاڑی کے قریب پہنچ کر آیت (إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ) پڑھیں ”صفا اور مرودہ اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں“ اس کے بعد (أَبَدِأْ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ) پڑھیں، میں اس چیز کے ساتھ شروع کرتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے یہ کہہ کر پڑھیوں سے صفا پھاڑی کے اوپر اتنا چڑھیں کہ بیت اللہ دکھائی دینے لگے، رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا، (ابوداؤد، مسلم) پھر قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر پہلے تین بار اللہ اکبر کہیں پھر یہ دعا پڑھیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو یہاں پڑھا تھا:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَةٌ لَا شَرِيكَ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَةٌ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأُحْزَابَ وَحْدَةً)) (صحیح مسلم: ۳۹۵ / ۱)

”اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ ایک اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ ملک کا مالک ہے، اس کے لئے تعریف ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی امداد کی، اس اکیلے نے کافروں کی تمام فوج کو بھگا دیا۔“

قرآن و حدیث کی دعائیں پڑھتے ہوئے مرودہ کی طرف آہستہ آہستہ چلیں۔ صفا اور مرودہ کے درمیان مرودہ کو جاتے ہوئے باکیں جانب دو بزرگان ہیں جن کو میلین اخضرین کہتے ہیں جب ان میں سے پہلے کے قریب پہنچو تو دوڑنا شروع کر دو، جب دوسرا نے شان پر پہنچو تو دوڑنا ترک کر دو پھر آہستہ آہستہ چلو یہاں تک کہ جب مرودہ پر پہنچ جاؤ اور مرودہ پر اتنا چڑھ جاؤ کہ اگر سامنے دیوار نہ ہو تو بیت اللہ شریف نظر آنے لگے اب بیت اللہ ناظر نہیں آتا اور وہ انہی جانب مائل ہو کر خوب بیت اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور مرودہ کی دعائیں اور یہاں بھی اس طرح پڑھو، جس طرح صفا میں پڑھی تھیں اور دریتک ذکر کرو دعائیں

مشغول رہو، کیونکہ یہاں پر دعا مقبول ہوتی ہے یہ صفائی سے مردہ تک ایک پھیرا ہوا، اسی طرح آپ سات چکر مردہ پر کمل ہو جائیں گے۔ سعی سے فراغت کے بعد مرد اپنی جامات کرائیں اور مستورات اپنے بالوں کا تھوڑا سا شروع کا حصہ ایسی عورت سے کتر والیں جو احرام میں نہ ہو یا اُس کا اپنا محروم یا خاوند طالب ہونے کے بعد یہ کام سرانجام دے سکتا ہے۔

مختصر احکام حج

۸ ذوالحجہ: اپنی رہائش گاہ سے حج کی نیت کر کے حج کا احرام باندھ لیں اور تلبیہ شروع کر دیں۔ (بخاری و مسلم)

۹ ذوالحجہ: میدان عرفات کا وقف حج کا سب سے اہم رکن ہے یعنی آپ غروب آفتاب کے بعد مزادلفہ کو روانہ ہو جائیں اور مغرب اور عشاء کی نماز مزادلفہ میں جمع کریں۔ رات کو آرام کریں۔ پختے کے برابر نکریاں اٹھائیں۔

۱۰ ذوالحجہ: فجر کی نماز مزادلفہ میں ادا کریں پھر طلوع شمس سے قبل منی کو روانہ ہو جائیں۔ راستے میں ”وادی محسر“ سے تیزی کے ساتھ نکل جائیں۔ چاشت کے بعد بڑے شیطان کو نکریاں مارنے سے قبل تلبیہ بند کر دیں اور بڑے شیطان کو نکریاں ماریں۔ قربانی کریں (آپ ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ کو بھی قربانی کر سکتے ہیں)۔ احرام کھول دیں۔ جامات بنوائیں۔ کعبہ کا طواف ”اقاضہ“ اور سعی کریں۔ ان امور کے لئے ”تقدیم و تاخیر“ کی اجازت ہے۔ منی واپس آجائیں۔

۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ: منی میں گذارنا واجب ہے۔ اگر ۱۲ ذوالحجہ کو مکہ واپس آنا چاہیں تو جمرات (شیطانوں) کو نکریاں مارنے کے بعد غروب شمس سے پہلے منی کی حدود سے نکل جائیں۔ مکہ مکرم سے واپسی سے پہلے ”طواف الوداع“ کرنا واجب ہے۔ (مسلم)

نوٹ: تفصیلات کے دیکھنے کے لئے کتاب ”مسنون حج“ از مکتبہ دارالسلام، لاہور۔

جہاد فی سبیل اللہ

لغوی معنی: لغوی اعتبار سے جہاد کے دو معانی ہیں:

★ (جَهَدٌ) اس نے پوری طاقت کو صرف کیا۔ اس لحاظ سے جہاد کا معنی ہے:

”پوری طاقت و قوت کو کھپار بینا یا مشقت برداشت کرنا۔“ (القاموس)

★ ”وشکن کے ساتھ کرنا،“ (ایضاً)

شرعی اور اصطلاحی معنی: جہاد کا شرعی معنی خود رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے سیدنا عمر و بن عبّاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْجِهَادُ؟ قَالَ : أُنْ تُقَاتِلَ الْكُفَّارَ إِذَا لَقِيْتَهُمْ۔ (مسند احمد)

”ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ! جہاد کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

جہاد یہ ہے کہ تو کفار کے مقابلہ میں جنگ کرے۔“

جہاد فی سبیل اللہ: قرآنی آیات کی روشنی میں

﴿يَا يَاهَا النَّبِيُّ جَاهِدُ الْكُفَّارِ وَالْمُنَفِّقِينَ وَأَغْلُظُ عَلَيْهِمْ طَوْمًا وَهُمْ طَوْمٌ﴾

جهنم و بُشَّرَ الْمُصَيْرِ﴾ (۹/التوبۃ: ۷۳)

”اے نبی! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر خوب سختی برو تو (یعنی

مقام کرو) کیونکہ سختی کا استعمال جنگ اور قتال ہی میں ہوتا ہے) ان کا تمہکانہ

جهنم ہے جو بہت ہی براٹھ کا نہ ہے۔“

﴿لَا يَسْتُوْى الْقَعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولَى الضرَرِ وَالْمُجْهِدُونَ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَأْمُوْلِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ﴾ (۴/النساء: ۹۵)

”مؤمنوں میں سے گھروں میں بیٹھ رہنے والے، مساوئے معزور اور نابینا

کے، اور اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والے کبھی

برابر نہیں ہو سکتے۔“

اسلامی تعلیمات

234

﴿إِنْفِرُوا إِحْقَافًا وَنَقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلٍ﴾

اللَّهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۹/التوبۃ: ۴۱)

”مسلمانو! تم بہلے ہو یا بھاری ہر حالت میں نکلو اور اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ (یعنی قاتل کرو کیونکہ بہلے یا بھاری پن کے ساتھ نکلنا اور جان و مال کھا دینا صرف جنگ و قاتل کے لیے ہی ہوا کرتا ہے) یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جان لو۔“

”رسول اللہ سے پیچھے چھوڑے گئے لوگ پیچھے بیٹھ رہے پر بہت خوش ہوتے ہیں اور انہوں نے اپنے والوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد (قاتل کرنا) ناگوار سمجھا اور لوگوں کو کہنے لگے گری میں مت نکلو۔ کہہ دیجئے جہنم کی آگ کرم ترین ہے اگر وہ سمجھتے۔“ (۹/التوبۃ: ۸۱)

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونُ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (۸/الانفال: ۳۹)

”اور تم کفار سے فتنہ فساو ختم ہونے تک اور پورا دین اللہ کے لیے خالص ہو جانے تک قاتل کرو۔ اگر وہ (کفار) باز آ جائیں تو بے شک اللہ تعالیٰ جو وہ عمل کرتے ہیں دیکھنے والا ہے۔“

﴿الَّذِينَ إِنْ مَعَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكُوَةَ وَأَمْرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورُ﴾

(۴۱/الحج: ۲۲)

”وہ لوگ (یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کرنے والے) اگر ہم ان کو زمین میں قوت و اقتدار عطا کریں تو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، بلاسیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے باز رکھیں گے۔ اور تمام معاملات کا نجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْأَخِيرِ وَلَا يُحِرِّمُونَ مَا

**حَرَمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتَابَ
حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدِهِ وَهُمْ صَفَرُوْنَ** ﴿٩﴾ (التوبہ: ٢٩)

”ان لوگوں سے قال کرتے رہو جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں جانتے اور دین حق کو اختیار نہیں کرتے، وہ لوگ جو اہل کتاب سے ہیں، حتیٰ کہ وہ ذیل ہو کر ہاتھوں کے ساتھ جزیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔“

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا أَسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ ﴿٨﴾ (الفاطمۃ: ١٦٠)

”دشمنان دین کے لیے ہر ممکن قوت جمع کرو اور گھوڑے باندھو جس سے تم اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو خوفزدہ رکھو گے اور کچھ دوسرے لوگوں کو جو ان (ظاہری دشمنوں) کے علاوہ ہیں جن کو تم نہیں جانتے اللہ خوب جانتا ہے اور تم جو بھی چیز اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تمہارے اوپر ظالم نہیں کیا جائے گا۔“

**وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقُرْبَاهِ
الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ
نَصِيرًا** ﴿٤﴾ (النساء: ٧٥)

”اور تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مزدوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر قال کیوں نہیں کرتے ہو؟ جو بے بی میں پکارتے ہیں؛ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے باہر نکال لے جس کے باشندے خالم و جابر ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حماقتی اور مد و گار عطا فرم۔“

**وَلَوْ لَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بِعْضَهُمْ بِيَعْضٍ لَفَسَادٍٰتِ الْأَرْضُ
اللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَلَمِينَ** ﴿٢﴾ (آل عمران: ٢٥١)

”اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں (کفار و مشرکین) کو بعض لوگوں (مسلم

مجاہدوں) کے ساتھ (جنگ و قتال کے ذریعے) سے نہ روکتا تو ساری زمین پر فساد برپا ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو اہل دنیا پر بہتر افضل کرنے والا ہے۔“
 ﴿وَلَوْلَا دَفْعَ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِعَصْبَهُمْ لَهُدَمْتُ صَوَامِعَ وَبَيْعَ وَصَلَوَاتٍ وَمَسَاجِدٍ يُذَكِّرُ فِيهَا اسْمَ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوْيٌ عَزِيزٌ﴾ (۲۲/ الحج: ۴۰)

”اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے بذریعہ جنگ و قتال دور نہ ہشاتا تو خانقاہیں، گرجے، یہود کے عبادت خانے اور مساجد۔ جن میں کثرت سے اللہ کو یاد کیا جاتا ہے۔ گردابیے جاتے اور البتہ اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مد کرتا ہے جو اللہ (کے دین) کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَأَبِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۳/ آل عمران: ۲۰۰)

”اے ایمان والو! صبر کرو اور جنگ و قتال میں ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور سورچوں پر ڈالے رہو اور اللہ سے ڈروتا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“
 ﴿وَلَيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَخَذَّلُ مِنْكُمْ شَهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّلِيمِينَ﴾ (۳/ آل عمران: ۱۴۰)

”(غزوہ احمد میں مسلمانوں کا کثرت سے زخمی ہونا اور قتل ہونا) اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو دیکھ لے اور تم میں سے چند لوگوں کو شہداء کے مرتبے پر فائز کروے اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

﴿وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءً عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَزَّقُونَ﴾ (۳/ آل عمران: ۱۶۹)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو ہرگز مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں۔“

جہاد، احادیث کی روشنی میں

((اَنْذِبَ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا إِيمَانُ بِهِ
وَتَصْدِيقُ بِرُسُلِيْ، أَنْ أَرْجُعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ أَوْ
أُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ)) (بخاری)

”اللہ تعالیٰ اس شخص کو ذمہ اٹھاتا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کے لئے نکلتا ہے۔ اس کو اللہ پر ایمان اور رسولوں کی تصدیق کے سوا کوئی چیز نہیں نکالتی۔ (اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ) میں اس کو اجر یا غنیمت کے ساتھ داپس (اس کے اہل خانہ میں) لوٹاؤں گا یا پھر اس کو جنت میں داخل کر دوں گا۔“

میر غوث میں اعمال ناموں کے تو لے جانے سے قبل ہی سبز رنگ کے پرندوں میں رو جیں ڈال کر اللہ تعالیٰ شہدا کو بیشتوں کی سیر و سیاحت کراتا ہے۔ شہداء ان بیشتوں کی بیش قیمت نعمتوں سے لذت حاصل کرتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقةٌ بِالْعَرْشِ
تَسْرُحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتُ)) (مسلم)

”شہداء کی رو جیں سبز پرندوں کے جسموں میں ہوتی ہیں۔ جہاں جا ہتی ہیں جنت کی سیر و سیاحت کرتے ہیں (اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی رہتی ہیں)۔“

”محظی لوگوں کے ساتھ مسلسل قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے وحدہ لا شریک معبود ہونے اور محمد کے رسول ہونے کی شہادت دیئے گئیں، نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کر دیں۔ ایسا کر کے وہ اپنے خون اور مال مجھ سے محفوظ کر لیں گے سوائے کسی اسلامی حق کے۔“ (بخاری)

((الْقُتْلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَكْفِرُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الدِّينَ)) (مسلم)

”اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا قرض کے علاوہ تمام گناہوں کا کفارہ ہے۔“

((جَاهِدُوا مُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَالْإِسْتِغْمَمْ))

(ابو داؤد)

”مشرکین کے ساتھ اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ساتھ
جنہا درکتے کرتے رہو۔“

((مَنْ قَاتَلَ لِتَعْكُونَ كَلِمَةَ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
عَزَّوَ جَلَّ)) (بخاری)

”جس نے کلمۃ اللہ کی سر بلندی کے لیے قاتل کیا تو وہ ہی مجاہد فی سبیل اللہ
ہے۔“

کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے؟

سیدنا عمر بن الخطاب علیہ السلام و شوکت اور رعب و بد بردے والے خلیفہ تھے وہ کسی سے پوشیدہ
نہیں۔ آپ کا ایک غلام اسبق نامی عیسائی تھا۔ وہ چونکہ سجادہ اور ہوشیار آدمی تھا الہذا سیدنا
عمر بن الخطاب نے اسے کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم مسلمانوں کے کام میں تم سے مدد لیں
گے۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ آپ اسے کوئی اچھا منصب دینا چاہتے تھے۔ لیکن جب اس پر
اسلام پیش فرماتے تو وہ انکار کر دیتا اور آپ لا اکر راہ فی الدین کہہ کر چپ ہو جاتے
(اجہاد فی الاسلام ص ۱۲۳) گویا تلوار یا دباؤ کے ذریعہ تو سیدنا عمر بن الخطاب علیہ السلام اپنے غلام کو بھی
مسلمان نہ بنائے پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وسیع و عریض مفتوحہ علاقہ میں انہوں نے
مفتوجین کو تلوار کے ذریعہ مسلمان بنایا ہو گا؟ اور عقلی اعتبار سے یہ مفروضہ اس لیے غلط ہے
کہ تلوار کے ذریعہ کسی سے کوئی بات منوائی جا سکتی اور کوئی شخص وقٹ طور پر دباؤ کے تحت کوئی
بات مان بھی جائے تو اس بات پر قائم و دائم نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ
مسلمان ہوئے وہ دل و جان سے اسلام کے اس طرح فدائی و شیدائی بن گئے کہ کفار کے ظلم
اور مصائب برداشت کرتے رہنے کے باوجود اس دین سے بازنہیں آتے تھے اور یہ اس
بات کا واضح ثبوت ہے ہے کہ تلوار یا دباؤ سے بات منوائی نہیں جا سکتی۔ کیونکہ اس وقت تلوار
یا دباؤ کفار کے ہاتھ میں تھا اور آج بھی اگر کوئی شخص یا کوئی حکومت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ

- دین کو توارکے ذریعے پھیلانا ممکن ہے تو اپنادین پھیلا کر دکھادے۔ اور تاریخی لحاظ سے یہ اس لیے غلط ہے کہ اگر اس نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے تو متدرجہ ذیل سوالات ذہن میں ابھر آتے ہیں:
- ۱۔ ابتداء میں جو لوگ مسلمان ہوئے اور ۱۳۱۳ سال تک مکہ میں ظلم و ستم کی پچکی میں پتے رہے، انہیں کونسی تکوار نے مسلمان بنایا گیا تھا؟
 - ۲۔ مکہ میں مسلمانوں کے دشمن صرف قریش مکہ تھے لیکن مدینہ میں دشمنوں کی تعداد ایک سے چار ہو گئی تھی۔ قریش مکہ یہود مدینہ منافقین اور عرب بھر کے مشرک قبائل اور مسلمان ان کے مقابلہ میں انہائی کمزور تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ غزوہ بدر میں شامل ہونے والوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی جب کہ ایک سال بعد جنگ احمد میں خاص مسلمانوں کی تعداد سات سو تھی یعنی دنی سے بھی زیادہ۔ اس عرصہ میں مسلمانوں کے پاس کونسی تکوار تھی کہ اسلام اس تیزی سے بڑھنے لگا تھا؟
 - ۳۔ مزید دو سال بعد جنگ خندق میں لڑنے والے مسلمانوں کی تعداد تین ہزار یعنی چار گنا سے زیادہ ہو گئی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کے پاس کونسی تکوار یا قوت تھی جو لوگوں کو مسلمان بنائے جا رہی تھی؟
 - ۴۔ صلح حدیبیہ میں کون سی تکوار چلائی گئی تھی جس کے نتیجہ میں لوگ دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہونے لگے تھے؟
 - ۵۔ فتح مکہ میں تکوار تو چلائی ہی نہیں گئی تاہم فتح کے بعد جب لوگوں کو عام معافی دی گئی تھی تو انہیں اسلام لانے پرم کونسی تکوار نے مجبور کیا تھا؟
 - ۶۔ یہود سے جو جنگیں ہوئیں تو ان کے نتیجہ میں کوئی یہودی مسلمان بناتھا؟
 - ۷۔ محاصرہ طائف میں حاصلہ اٹھائیں کے بعد اہل طائف کو کونسی مجبوری پیش آگئی تھی کہ وہ از خود اسلام لے آئے تھے؟
- اشاعت اسلام کے اصل اسباب
مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تکوار کے ذریعہ اسلام پھیلنے کا

نظریہ غلط ہے لیکن اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ ”اسلام واقعی نہایت کثرت سے پھیلا تھا۔“ لہذا ہمیں وہ اسباب تلاش کرنے چاہئیں جو اس کثرت اشاعت کا سبب بنے۔ ہمارے خیال میں یہ اسلام کی ذاتی خصوصیات ہیں۔ (تيسیر القرآن ص ۲۰۷ / ۲۰۶)

رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا مکلف ٹھہرایا گیا کہ وہ زندگی بھر اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں اور پھر اسلام کی طرف دعوت کا طریقہ کار بھی متعین کر دیا۔ سب سے پہلے یہ فرمایا کہ آپ ﷺ لوگوں کو وعظ، ارشاد اور تبلیغ کے ذریعے حلقہ اسلام میں داخل کریں۔ اگر اس پر بھی لوگ آپ ﷺ کی بات نہ مانیں تو پھر ان کفار اور مشرکین کی حاطر (جہنم کا ایندھن نہ بننے کے لئے) ان کے خلاف توارکے ساتھ جہاد کا حکم دیا تاکہ وہ اس طرح حلقہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے“ یہ نہیں فرمایا کہ میں یہ کام خود اپنی مرضی سے کر رہا ہوں بلکہ فرمایا کہ ”مجھے اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں کے خلاف جہاد کروں جب تک کہ مجھے اس بات کا یقین ہو جائے کہ یہ لوگ دین اسلام کو قبول کر لیں گے۔“

جهاد کے بہت سے طریقے ہیں اور ان میں ترتیب و ترتیج بھی ہے۔ زبان سے بھی جہاد ہوتا ہے، مال سے بھی، قلم سے بھی اور تکوار سے بھی اور اسلام میں تکوار سے جہاد سب سے آخری صورت ہے۔ اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَقْاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكُوْنَةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ فَقَدِ اعْتَصَمُوا وَعَصَمُوا دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ عَزَّوَ جَلَّ)) (مسند احمد)

اس حدیث سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے مجاہدین کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اسلام پیش کریں اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ہم سب ایک ہو گئے ان کے وہی حقوق ہوں گے جو کہ مسلمانوں کے ہیں اور ان کے وہی فرائض

ہوں گے جو کہ مسلمانوں کے فرائض ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے جس قدر خطوط غیر مسلم بادشاہوں کو لکھے ان سب میں اس بات کی گارنٹی ان الفاظ میں دی جاتی تھی "اَسْلِمْ تَسْلِمْ" (تم اسلام قبول کرم اور تمہاری جان و مال محفوظ ہو جائیں گے) اور اس طریقہ سے ان کے جان و مال کی ذمہ داری بھی اسلامی ریاست پر ہوگی اور اگر غیر مسلم مسلمان ہونے سے انکار کریں تو پھر وہ ذمی بن کر رہیں اور جزیہ دینا قبول کریں۔ اس لحاظ سے بھی ان کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ ریاست پر ہوگا اس سے ممکن ہے کہ وہ اسلام کے عدل و انصاف اور اسلام نظام کی برکتوں کو دیکھ کر آہستہ آہستہ خود اداڑہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ لیکن اگر غیر مسلم کسی بھی صورت میں داڑہ اسلام میں داخل نہ ہوں یا ذمی بن کر رہنے کی شرط کو قبول نہ کریں اور اسلام کے خلاف معاند انہوں نے رکھیں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ان کے خلاف انہی کی بہتری کے لئے جہاد کیا جائے۔

اس پر قرآن مجید کی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں:

﴿فَإِن تَابُوا وَأَقامُوا الصَّلَاةَ وَأَتَوْا الزَّكُوْةَ فَإِخْرَجُوكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾

(۱۱/التوبۃ)

”اگر وہ (کفر سے) توبہ کر لیں نماز قائم کریں (اور) زکوٰۃ ادا کرنے لگ جائیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔“

﴿وَقَتْلُوْهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَسْكُونَ الَّذِينُ لِلَّهِ﴾

(۲/ البقرۃ: ۱۹۳)

”تم ان کافروں سے اس وقت تک جہاد کرو جب تک فتنہ و فساد کی آگ مٹھنڈی نہ ہو جائے اور اللہ کا دین مکمل طور پر غالب نہ آ جائے۔“

﴿وَمَا أُمِرْوُا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الَّذِينَ حَنَفَاءٌ وَقَيْمِمُوا الصَّلَاةَ وَبَيُوتُوا الزَّكُوْةَ وَذَلِكَ دِيْنُ الْقِيَمَةِ﴾ (۹۸/ البینہ: ۱۹۳)

”اور مسلمانوں کو خالصتاً اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے اور وہ نماز ادا کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی پختہ دین ہے۔“

ای وجد سے اس حدیث میں کلمہ طیبہ، نماز اور زکوٰۃ کو اسلام کی شرائع تھبہ ریا گیا ہے اگرچہ دوسرے دوار کان حج اور روزہ بھی اسی کا حصہ ہیں مگر یہاں ان کا ذکر اس لئے نہیں کی گیا کہ روز مرہ کے اعمال سے ہی انسان کے اسلام کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ رمضان شریف سال میں ایک مرتبہ آتا ہے اور وہ زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے اور بخششیت مسلمان، سوڈ کے لئے صرف کلمہ طیبہ، نماز اور زکوٰۃ کا ادا کرنا ہی کافی تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کسی قوم کے خلاف جہاد کے لئے نکلتے تو صحیح تک اس قوم پر حملہ آور نہ ہوتے اور اگر صحیح کی اذان سنائی دے دیتی تو پھر اس احتمال پر کہ یہ لوگ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرتے۔ اس کے ساتھ آپ ﷺ کی تمام پسالاروں کو ہدایت تھی کہ جب وہ کسی بستی کی طرف بڑھیں تو نماز کے وقت تک کسی پر حملہ آور نہ ہوں۔ اگر کسی بستی سے اذان سنائی دے یا مسجد نظر آجائے تو پھر ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کی ممانعت تھی۔

حضرت ابو بکر ؓ کے دور سے بھی ہمیں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ جب آپ ؓ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا، حضرت عمر ؓ نے خلیفۃ المسلمين سے عرض کیا:

”آپ لوگوں سے کس طرح لڑیں گے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا کہہ اس وقت تک کہ وہ کلمہ طیبہ نہ پڑھ لیں اور اگر وہ کلمہ طیبہ پڑھ لیں تو ان کے جان و مال مجھ سے نج جائیں گے سوائے اسلام کی خاطر اور باقی ان کا معاملہ اللہ عزوجل کے ساتھ ہے۔“

اس سے حضرت عمر ؓ کی مراد یہ تھی کہ اس مقام پر رسول اللہ ﷺ نے نماز، زکوٰۃ کا ذکر نہیں کیا تو پھر آپ ان کے خلاف جہاد کیسے کریں گے؟ حضرت ابو بکر ؓ نے فرمایا:

((وَاللَّهِ لَا فَرَقَ بَيْنَ الْمُصْلِحَةِ وَالرَّكْوَةِ فَإِنَّ الرَّكْوَةَ حَقٌّ الْمَالِ وَاللَّهِ لَوْ مَنْعَوْنِي عِقَالًا كَانُوا يُؤْدُونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ))

لَقَاتُهُمْ عَلَىٰ مَنِعَهَا) (بخاری، مسلم)
 ”اللہ کی قسم! جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا، میں اس کے خلاف ضرور لڑوں گا۔ بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! انہوں نے اونٹ کے پاؤں کی رہی بھی مال زکوٰۃ میں سے مجھے ادائے کی، جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیا کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے ضرور لڑوں گا۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی آغوش تربیت میں پلے بڑھے۔ جو بصیرت ایمانی آپ رضی اللہ عنہ کو میسر تھی کوئی صحابی اس معاملے میں ان کے ہم پلہ و ہم پایہ نہ تھا۔
 حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں حضور ﷺ کی یہ حدیث موجود تھی:

(لَا صَلَاةٌ لِّمَنْ لَا زَكْوَةَ لَهُ)

”جوز کوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کی نماز بھی قابل قبول نہیں ہے۔“

اس حدیث کی بنیاد پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کو منکرین صلوٰۃ سے تعبیر کیا۔ اور منکرین صلوٰۃ اور منکرین کلمہ شہادت تسلیم کرتے ہوئے مرتد جانا اور ان کے خلاف اعلان جھاؤ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں اس بات کو تسلیم کیا:

فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ قَدْ شَرَحَ صَدَرَ أَبِي بَكْرٍ لِِلْقَتَالِ
 فَعَرَفَتْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔

”اللہ کی قسم میں نے جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ جہاد کے لئے کھول دیا ہے اور میں نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ وہ حق پر ہیں۔“

جہاد اسلام اور دہشت گردی.....؟

جہاد ”جهد“ سے مشتق ہے جس کے معنی ”کوشش“ ہیں۔ اسلام میں ”جہاد“ وسیع تر مقاومت اور معنوں میں مستعمل ہے لہذا ہر مسلمان کاریٰ و اصلاحی تمام تر عمل جہاد کے زمرے میں آتا ہے اور اعلائی کلمۃ اللہ کے لئے ”قال“ آخري چوتی کا عمل ہے۔ قرآن حکیم نے یوں وضاحت فرمائی:

﴿إِذْنَ لِلَّهِ دِينُ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلْمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ﴾

لَقَدِيرُونَ، الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا
اللَّهُ ﴿٤٠، ٣٩﴾ (الحج: ٢٢)

”جن مسلمانوں سے (خواہ نواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ (ان کی مدد کرے گا وہ) یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناقص نکال دیئے گئے ہیں (انہوں نے کوئی قصور نہیں کیا) ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے.....“

قرآن نے اجازت جہاد میں سب سے اہم بات یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جہاد کی اجازت اس لئے عنایت فرم رہا ہے کہ ”مظلوموں کو مظالم کے پنج استبداد سے نجات دلانا مقصود ہے“ کہ وہ اپنے گھروں سے ناقص دلیں نکالا دیئے گئے اور یہ ظلم اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ”کہ ہمارا پروردگار صرف اکیلا اللہ ہی ہے۔“ اس طرح جہاد ایک مقدس فریضہ ہے، امن ہے، دعوت و ارشاد ہے اور مظلوموں کے لئے ”حفظ و امان“ ہے۔ فتنہ و فساد کے خاتمے کا ذریعہ اور ”نماہب باطلہ“ کی عبادات گاہوں کی حفاظت کا ضامن ہے۔ تم ظریفی یہ ہے کہ مسیحی مشنوں کی سرگرمیوں کا ایک بڑا، ہم مقصود سادہ لوح تعمیم یافتہ مسلمانوں کو اپنے دین سے برگشته کرنا ہے کہ اگر وہ اسلام سے بدظن ہو جاتے ہیں تو یہ ”باطل قولیں اس میں اپنی کامیابی بمحضی ہیں۔ خاص طور پر (امریکہ میں 11 ستمبر 2001ء کے واقعہ کے بعد) ”جہاد کے خلاف زہر بیلا اور گمراہ کن پروپیگنڈہ مسلسل کر رہے ہیں کہ (خاکم بدھن) اسلام نے جہاد کے ذریعے دنیا میں وہشت گردی پھیلائی گئی ہے۔ اس سفید جھوٹ کا جواب ہم آئندہ سطور میں دیتے ہیں:

☆ مسلمان صرف ”اعلائے کلمۃ اللہ“ یعنی ان کی جنگ صرف دین کے لئے ہوتی ہے نہ کہ حصول دنیا و جاہ و حشمت کے لئے بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مال کا بہترین حصہ اور اپنی قیمتی جانیں رضاۓ الہی کے لئے خرچ کیں اور جو قوم اس عظیم مقصود کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتی ہیں اسے قرآن و سنت میں فتح و نصرت کا وعدہ اور بشارتیں دی گئی

ہیں۔ جہاد میں نصرتِ اللہی کا وعدہ دوسرے تمام وعدوں کی طرح برق ہے۔ جیسا کہ مسلمانوں نے عہد رسالت مآب علیتیہ کیلئے میں عرب کی فتوحات میں دیکھا اور بعد کی فتوحات جو خلافت راشدہ میں ہوئیں یا اس کے بعد قیامت تک ہوں گی۔

☆ اسلام کے سوا دنیا کے کسی اور مذہب میں اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کا بصور مفقود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے مذاہب نے شہید کا لفظ مسلمانوں سے مستعار لے رکھا ہے۔ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے جنگ کرتے ہوئے مسلمان مارا جائے تو شہید اور زندہ رہے تو غازی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فتنہ و فساد، قتل سے بدتر ہے اس لئے جہاد ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو فتنہ و فساد پر مائل ہوں اور اسلام کو ختم کر دینے کی سازشیں اور تدبیریں کرتے ہوں اور جنگ سے باز نہیں آتے۔ اسی لئے حالت جنگ میں دشمن کے قتل کا حکم ہے۔ جنگی قیدیوں کو صلح ہو جانے کے بعد احسان رکھ کر یافدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ دشمن کے ہتھیار ڈال دینے پر مفتوحہ علاقے میں امن و امان بحال کرنے کے لئے شہری آبادی کے جان و مال کو امان ملتی ہے۔ بلکہ ان کی حفاظت کا ذمہ فاتح مسلمان لے لیتے ہیں۔ اس کے عوض مفترح رعایا سے جو ذمی کہلاتی تھی قابل برداشت حد تک معاوضہ لیا جاتا ہے۔ اس تجھیکیں کو جزیہ کہتے ہیں۔ ذمی رعایا کی حفاظت کی ذمہ داری نہ لے سکنے کی صورت پیدا ہونے پر جزیہ کی وصول کی گئی رقم واپس کر دی جاتی تھی۔ قرآن مجید میں جنگی احکام اس طرح ہیں:

۱۔ ”جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو۔ مگر زیادتی نہ کرنا اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“ اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو۔ اور فساد قتل و خوزیری سے بڑھ کر ہے اور جب تک وہ تم سے مسجد محترم کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا۔ وہاں اگروہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کر دا، کافروں کی یہی سزا ہے۔ اور اگر وہ بازا آ جائیں تو خدا بخششے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے اور ملک میں خدا کا ہی دین (امن و سلامتی) ہو جائے اور اگر وہ فساد سے بازا آ جائیں تو ظالموں کے

اسلامی تعلیمات

246

سو اسکی پر زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ (۲/ البقرۃ: ۱۹۰، ۱۹۳)

۲۔ ”جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گرد نیس اڑا دو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو جو زندہ پکڑے جائیں ان کو مضبوطی سے قید کرو۔ پھر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینا چاہیے یا کچھ مال لے کر، یہاں تک کہ فریق مقاوم لڑائی کے ہتھیار رکھ دے یہ حکم یاد رکھو اور اگر خدا چاہتا تو اور طرح سے ان سے انتقام لیتا۔ لیکن اس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش ایک دوسرے سے لڑا کر کرے اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کے عملوں کو خدا ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ (محمد: ۳۲) ان آیات میں ”تمہاری آزمائش ایک دوسرے سے لڑا کر کرنے سے مراد یہ معلوم کرنا ہے کہ جگ میں فتح حاصل کر لینے پر مسلمان مغلوب دشمن کے ساتھ ظلم و زیادتی کا سلوک کرتے ہیں یا خدا کا حکم مانتے ہوئے امن و آشتی کا پیغام دیتے ہیں۔ نیز لوٹدی غلام بنانے کے بر عکس جنگی قیدیوں کو چھوڑ دینے کی ہدایت کی گئی ہے۔

۳۔ ”وین اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت صاف طور پر ظاہر اور گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی نوٹے والی نہیں۔“ (البقرۃ ص: ۲۵۶)

آج دنیا نے میسیحیت امن عالم کا ڈھنڈو را پیشی کیا ہے حالانکہ دشمن سے کوئی انتقام نہ لینے کی درج ذیل درمندانہ نصیحت کرنے والا یہ نوع کہ ”تم من چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بد لے آنکھ اور دانت کے بد لے دانت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریعہ کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طما نچھے مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجوہ پر ناش کر کے تیرا کرتا یہاں چاہے تو تجوہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجوہ ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جائے۔“

لیکن شاگردوں کو تسلیعی مشن پر بصیرتی وقت یہ نصیحت کی کہ ”یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں صلح کرانے نہیں بلکہ تکوار چلوانے آیا ہوں کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں۔“

(مئی: ۳۵، ۳۳)۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرنے آیا ہوں میں کہتا ہوں نہیں بلکہ جدائی کرانے" (لوقا: ۱۲: ۲۹)۔ تو معلوم ہوا کہ مسیحیت اقوام عالم میں باعثیل کی رو سے جنگ و جدل کرانے کا نام ہے جیسا کہ آج ان کے عمل سے واضح ہے (افسیوں ۱۰: ۶ تا ۱۰) (لوقا: ۱۹: ۱۰)

انکار جہاد پر بنی اسرائیل کو سزا
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

«قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتَبَاهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا
تَأْسِ عَلَى الْقَوْمِ الْفُسِيقِينَ» (۵ / المائدہ: ۲۶)

"فرمایا کہ یہ سرزی میں ان پر چالیس سال کے لئے حرام ٹھہری یہ لوگ زمین
یں بھکتے پھریں گے پس تو ان نافرمان لوگوں کا غم نکھا۔"

تورات نے بھی اس کا ذکر کیا ہے "اور خداوند نے موی اور ہارون سے کہا میں کب
تک اس خبیث گروہ کو جو میری شکایت کرتا رہتا ہے برداشت کرو۔ بنی اسرائیل جو
میرے برخلاف شکایتیں کرتے رہتے ہیں" میں نے سب شکایتیں شیش "سو تم ان سے کہہ
دو خداوند کہتا ہے مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ جیسے تم نے میری سختی کہا میں تم سے ضرور ایسا
ہی کروں گا۔ تمہاری لاشیں اس بیابان میں پڑی رہیں گی اور تمہاری ساری تعداد میں سے
یعنی شیش برس سے لے کر اس سے اوپر اوپر کی عمر کے تم سب جتنے گئے اور مجھ پر شکایت
کرتے رہے ان میں سے کوئی اس ملک میں جس کی بابت میں نے قسم کھائی تھی کہ تم کو وہاں
بساؤں گا، جانے نہ پائے گا، سوائے یقینہ کے بیٹھے کالب اور نون کے بیٹھے یثوع کے اور
تمہارے بال پیچے جن کی بابت تم نے یہ کہا کہ وہ تولوث کامال ٹھہریں گے، ان کو میں وہاں
پہنچاؤں گا اور جس ملک کو تم نے حقیر جانا وہ اس کی حقیقت پہنچائیں گے اور تمہارا یہ حال ہو گا
کہ تمہاری لاشیں اس بیابان میں پڑی رہیں گی اور تمہارے لڑکے با لے چالیس برس تک
بیابان میں پھرتے اور تمہاری زنا کاریوں کا پھلن پاتے رہیں گے، (گنتی باب ۱۲: ۲۷، ۲۸)

در اصل قتل و غارت گری اور ظلم و زیادتی کے ذریعے مسیحیت پھیلنے کی حقیقت کو

نظرؤں سے او جمل رکھنے اور مسیحیوں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھنے کی مسیحیت کے پیرو کاروں کا یہ شیوه رہا ہے کہ اپنے بد انعام کو مسلمانوں کے ساتھ منسوب کر دیا جائے اور کثرت کے ساتھ اور تسلسل کے ساتھ جھوٹ بولنے کے فن سے اسے پچ بنادیا جائے۔

صلیبی جنگیں

آج کے گلوبل دور میں مسیحیت کی مسلمانوں کے خلاف فکری اور ثقافتی یلغار کی تباہی جنگوں اور گولہ پارو دکی تباہی سے کہیں زیادہ خوفناک ہے۔ یہی وہ سب سے بڑا چیخنہ ہے جو اس وقت عالم اسلام کو درپیش ہے۔ اب عیسائی تقویں کی ساری جدوجہد کا رخ اس طرف ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں شکوہ و شہادت پیدا کر کے انہیں ان کے دین سے تنفس کر دیا جائے۔ انہیں وہنی طور پر اس قدر مروعوب کر دیا جائے کہ وہ عیسائیت قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گویا آج عیسائیوں کا سب سے بڑا ہدف مسلمانوں کو عیسائی بنانا ہے!

عیسائی مشنری دین اسلام کو اب دیگر ادیان سے پہلے اپنا نشانہ بناتے ہیں کیونکہ ان کی تاریخ انہیں بتاتی ہے کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے انہیں ہمیشہ شکست و ریخت سے دو چار کیا اور انہیں اپنا مغلوب بنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ صلیبی عیسائیوں نے اسلام کا سامنا کرنے اور مسلمانوں سے نکر لینے سے ہمیشہ گریز کیا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ مسلمان جب ایک ہاتھ میں تکوا ر اور دوسرے ہاتھ میں گھوڑے کی لگام تھام کر گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جاتا تو پھر وہ اس عزم سے نکلتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔

جب بھی کفر اور اسلام کی جنگ ہوئی اور مسلمانوں نے اپنے مقصد کو سامنے رکھا، اللہ کی نصرت پر بھروسہ کیا تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں ہریت سے دو چار نہ کر سکی۔ جب بھی مسلمان اپنے دین کی طرف لوئے تو وہ ایک ناقابل شکست قوت بن کر اُبھرے اور صلیبی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔

عیسائی منصوبہ سازوں نے اسلامی ممالک میں اپنی سازشوں کے جال بچھا رکھے ہیں کیونکہ وہ تھا اسلام کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں اس لیے انہیں بدھ مت، ہندو مت اور یہودیت سے کوئی خطرہ نہیں درحقیقت یہ تمام مذاہب قومیت پرستی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اپنی

قوم اور اپنے ماننے والوں کے حصار سے باہر نکلنا ان مذاہب کی فطرت میں شامل نہیں ہے۔ دیے گئی یہ تمام مذاہب ترقی کے لحاظ سے نظر ایسیت سے بہت بچھے ہیں۔ لیکن اسلام کو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک عالمگیر متحرک دین ہے۔ عیسائیوں کی ذہنیت کا نقشہ قرآن حکیم نے یوں کھینچا ہے:

﴿وَذَكَّرَهُ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرَدُونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا
حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾

(۱۰۹/ البقرة)

”اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پٹا لے جائیں، اگر چہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے نفس کے حسد کی بنا پر (تمہارے لئے ان کی یہ خواہش ہے)“

اسلام کو پھیلنے سے روکنے کے لئے رکاوٹیں کھڑی کرنا۔

عیسائی مشرقی کاللم اور زبان اسلام کے خلاف زہراگل رہے ہیں، کیونکہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے سے زیادہ انہیں یہ فکر لاحق ہے کہ کہیں ان کی اپنی قوم اسلام کی حقانیت سے آشنا ہو کر وارثہ اسلام میں داخل نہ جو جائے۔ (اسلام سے خوف) ہر وقت ان کے ذہنوں پر سوار رہتا ہے اور وہ ہمیشہ یہ شور مچاتے ہیں کہ دین اسلام ان کے لئے خطرہ ہے اور وہ اسلام کو اس قدر بد نہایا کر پیش کر رہے ہیں کہ مغربی معاشرہ، لا دینیت، الحاد اور کلیسا سے شدید نفرت کے باوجود عیسائی ہونا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہے۔

اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو روکنے کے علاوہ وہ ایمان و ہدایت کی بنیادوں کو بھی مضخل کر رہے ہیں اور مغرب جس چیز پر سب سے زیادہ اسلام کو مطعون ٹھہراتا ہے، وہ یہ الزام ہے کہ اسلام توارکے زور سے پھیلا ہے۔ اسلام نے بڑی خوزیری کی ہے، حالانکہ یہ سر اسر دروغ گوئی اور بد نیتی ہے اور اس خلاف حقیقت پروپیگنڈے اور جعل سازی کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ خود تواریخ کر مسلمانوں کو تدقیق کرنے کا قانونی جواز پیدا کیا جاسکے۔ مغرب اسلام کی وسعت کے روکنے کی اہمیت نہیں دیتا جتنی اس بات کو

اہمیت دیتا ہے کہ لوگوں کو عیسائی بنانے کے پرودہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کرنے کا قانونی جواز پیدا کیا جائے۔ درحقیقت مغرب یہ سمجھتا ہے کہ خواہ کتنے ہی عیسائی مراکز قائم کرنے جا کیں لیکن تو اس استعمال کے بغیر لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے نہیں روزا جا سکتا کیونکہ لوگوں کے سامنے اسلام میں داخل ہونے کے موقع عیسائیت کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔

عیسائی مشتریز جس طرح آج سیاسی وحدت کے نظریہ کے زیر سایہ نصرانیت کی تشویش اشاعت میں کوشش ہیں، اسی طرح اس سے پہلے انہوں نے یورپی عسکری استعماریت کے ذمہ بیٹھ نصرانیت کو پھیلایا اور اس سے پہلے صلیبی جنگوں میں انہوں نے مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا اور وہ ہر بے استعمال کئے جس کے ذکر سے جسم پر کچھی طاری ہو جاتی ہے۔ پھر تجھ بہے کہ یہ لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ اب صلیبی جنگیں ختم ہو چکیں۔ ایسا ہر گز نہیں، صلیبی جنگیں ختم نہیں ہوئیں۔ صرف ان جنگوں کا انداز اور طریق کا تبدیل ہو گیا ہے۔

میدان جنگ میں عیسائیوں کو ہونے والی مسلسل ناکامیوں نے ان کی جنگ کا رخ شافتی اور علمی و تہذیبی انتقالات کی طرف موڑ دیا ہے۔ صلیبیوں نے اسلامی ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کو ہمیشہ جاری رکھا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو شکوہ و شبہات کا شکار کرنا عیسائی مشتریوں کا خاص ہدف ہے اب وہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے یا انہیں عیسائیت کی ترغیب دینے کی بجائے اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ بس انہیں دین اسلام سے بیگانہ کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کا غالب نظریہ یہ ہے کہ عیسائیت کو قبول کرنا اس قدر بڑا شرف ہے جس مسلمان متحق نہیں ہو سکتا۔ دنیا بے میحیت کے سرخیل یہ لوگ شاطرانہ طریقوں سے یہیں پالی عیسائیت کو دلکش بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اس کام کے لئے میڈیا کے تمام جدید ذرائع کو بروئے کار لاتے ہیں وہ کھلم کھلا شعائر اسلام پر ناروا تقدیم کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسلام کو رجحت پسندی اور دہشت گردی کام طعنہ دیتے ہیں حالانکہ دہشت گرد دراصل وہ خود ہیں۔ امریکہ اور اس کے حواری جو "Humen rights" کے نام نہاد پیش کر دیا ہے ہوئے ہیں ان کے ہاتھ انسانی خون سے نگین ہیں۔ ناگا ساگی، ہیر و شیما، افغانستان اور عراق ان کی خونخواری کی زندہ مثالیں ہیں۔ عیسائیوں کی یہ حکومتوں چند مٹھی بھری ہو دیوں

کے مکمل کنٹرول میں ہیں۔ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ عیسائی حکومتیں ڈرپُک اور کندڑ ہن ہیں کہ حکومتیں ان کی ہیں اور ریبووٹ کنٹرول یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ افغانستان اور عراق کو تباہ و بر باد کرنے کے بعد اب ان کی نگاہ ہیں عالم اسلام کی زندہ مملکتوں پر ہیں۔ ان کے نشریاتی ادارے Zee News, BBC, CNN اور Fox News و دیگر ادارے وسیع پیمانے پر یہی راگ الاپ رہے ہیں کہ اسلام ایک "False and Terrible Religion" خطرے کا باعث ہے۔ ان اداروں نے مساجد و مدارس میں مسلمانوں کو نماز پڑھتے اور درس و تدریس کرتے ہوئے دکھاتے ہیں اور تبصرہ کچھ یوں کرتے ہیں کہ "دہشت گردی کا اڈا" اسلامی ممالک میں مرکز اسلامی کے خلاف یہ مہم چلائی کہ یہ "زمبی جنگ" کے منصوبہ بندی" کے مرکز ہیں اور یہ کہ یہودیت و عیسائیت کے مظالم کی داستان اوائل اسلام سے جاری ہے۔ خاص طور پر یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کو متعدد مرتبہ قتل کرنے کی بار بار سازشیں کیں جن میں وہ ناکام ضرور ہوئے مگر اپنی ان کارروائیوں کو کبھی بھی بند نہیں کیا اور اہل کلیسا بھی اس "ظلم" کے کاروبار میں شامل ہو گئے جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

لا اکراه فی الدین

تاریخ عالم شاہد ہے کہ سلمان فاتحیں نے کبھی دوسری اقوام کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا، جب تک وہ مسلمانوں کے زیر نگمین رہے، انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ یہ صرف حکمت و دانش ہی نہیں تھی بلکہ ایک اللہ کی طرف سے ایک (دستورِ حیات) تھا جو ان سے تقاضا کر رہا تھا کہ: «لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ» (البقرة: ٢٥٦) "دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے" ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اہل حرص پر جزیہ فرض کرنے کے بعد یہ موک کی طرف بڑھتے تو حرص کے عیسائیوں نے روئے ہوئے کہا کہ: "اے مسلمانوں کی جماعت! اردوی اگرچہ ہمارے ہم مذہب ہیں لیکن اس کے باوجود آپ ہمیں ان سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ عہد وفا کرتے ہیں، نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں، انصاف و مساوات برئے ہیں۔ آپ کی حکمرانی

خوب ہے لیکن رومیوں نے ہمارے اموال پر قبضہ کیا اور ہمارے گھروں کو

لوٹا۔” (فتوح البلدان، ص: ۱۳۷)

اللہ کا فرمان ہے ”کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرا سے کابو جھنپیں اٹھائے گا“، اگر کوئی حکم سب سے زیادہ لاکت اتباع ہو سکتا ہے تو وہ اللہ کا ہی حکم ہے۔ اگر کوئی وصیت سب سے زیادہ حفاظت و نگہبانی کی متحقق ہے تو وہ رسول اللہ کی ہی وصیت ہے۔ چنانچہ پیغمبر ﷺ کا فرمان۔ ”جو کسی ذمی پر ظلم کرے گا، اس کی طاقت سے زیادہ اسے تکلیف دے گا، میں روز قیامت اس سے جھگڑوں گا۔“ (سنن ابن داود: ۲۶۲۶)

جب عیسائیوں نے مسلمانوں سے اندرس چھینا تو ان کے لئے عیسائیت کو مقبول کرنا لازمی قرار دیا اور ارض اندرس سے مسلمانوں کے وجود کو مٹانے کے لئے انہیں لرزہ خیز مظالم سے دوچار کیا۔ پھر صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف وحشت کی وہ داستانیں رقم کیں جن کا اعتراض یورپ کی آئندہ نسلوں کو بھی کرنا پڑا۔ اس کے بعد استعمار کا زمانہ آیا جس میں مسلمانوں کو سامراجیت کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا..... مذکورہ بالامتنام تاریخی حقائق یہ ثابت کرتے ہیں کہ اگر دنیا کا کوئی قانون انصاف و امن مہیا کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے اس سے انحراف کرہ ارض کے چپ پہنچ پہنچ کو ظلم و فساد سے بھروسے گا۔

ہندوستان میں اسلامی حکومت کی مثال

انگریزوں سے پہلے مسلمانوں نے بر صیری پاک و ہند میں ایک ہزار برس تک حکومت کی تھی۔ آگرہ اور دہلی پایہ تخت تھے۔ اس کے باوجود نہ صرف ان شہروں میں بلکہ سارے ہندوستان میں مسلمان اقلیت کی صورت ہی میں رہے۔ جس طرح سے سات سو سال تک حکومت کرنے کے باوجود پیش میں مسلمان اسلامی رواداری کی وجہ سے اکثریت نہ بن سکے۔ قرآن کریم کا حکم ہے کہ ”دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔“ اس حکم اور جہاد کے احکام کی پیروی میں ہر جگہ مسلمانوں نے اپنی غیر مسلم رعایا پر وسیع القسمی، رواداری اور حسن سلوک کے ساتھ حکومت کی تھی۔

غزوہ ہند: جیسا کہ اس بات کی وضاحت ہم کرچے ہیں کہ جہاد کا مقصد نہ حکومت و دولت

کا حصول ہے اور نہ دنیاوی اقتدار و بالادستی کے لئے جنگ کرنا ہے بلکہ اس کا مقصد وحید دنیا کی قوموں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اسلام کو عام کرنا اور انسانوں کو فلاح و نجات کی دعوت دینا ہے۔ اسی حوصلہ اور جذب کے ساتھ مجاہدین اسلام اپنے جان و مال کی بے دریغ قربانی کر کے غزوہات و فتوحات میں شریک ہوتے ہیں۔ اور اسے افضل عبادت سمجھتے ہیں۔ اور اس راہ کی موت کو شہادت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اسلامی فوجیں جس قوم کے پاس جاتی تھیں انہیں اسلام اصول حرب کی رو سے تین باتیں پیش کرتی تھیں سب سے پہلی بات یہ کہ وہ اسلام قبول کر کے ان کے بھائی بن جائیں اور جو حقوق و مراعات ہر مسلمان کے لئے ہیں وہی ان لوگوں کے لئے بھی ہوں گی، اسی طرح ذمہ داری بھی یکساں ہوگی، اور اسلامی عقائد و اعمال کے تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ تو دوسری بات یہ کہ تم جزیہ ادا کر کے ہماری امان و حفاظت میں آ جاؤ۔ نابالغ بچے عورتیں اور معذور قسم کے لوگ اس سے مستثنی ہوں گے۔ اگر اس حقیر قسم پر ہماری خطری خدمت بھی نامنظور ہے تو پھر تیسرا اور آخوندی بات یہ ہے کہ جنگ ہمارا تمہارا فیصلہ کرے گی اور ہم تم سے مقابلہ کریں گے اور دیگر ممالک کی طرح ہندوستان کے تمام غزوہات و فتوحات ان ہی اصولوں کے ماتحت ہوئے ہیں۔

جیسا کہ امام نسائی نے سنن کے باب غزوة الہند میں امام طبرانی نے مجمم میں سند جید

سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((عَصَيَّتَانَ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللَّهُ مِنَ النَّارِ عَصَابَةً تَغْزُو الْهِنْدَ،

وَعَصَابَةً تُكُونُ مَعَ عِيسَىٰ بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ))

”میری اہنت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے نار جہنم سے محفوظ رکھا ہے ایک

وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کریگا اور دوسرا وہ گروہ ہو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

کے ساتھ ہوگا۔“

امام ابن کثیر نے البدایہ والنهایہ میں اسی حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

”غزوہ ہند کے بارے میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے جسے حافظ ابن عساکر

وغیرہ نے روایت کیا ہے۔“

اور اسی غزوہ ہند کی پیشین گولی اور نار جہنم سے آزادی کی بشارت کوں کر حضرت ابو ہریرہ رض نے اس میں شرکت کی آرزو بایں الفاظ کی تھی۔ کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا ہے، اگر میں اس میں شریک ہو سکا تو اپنے جان و مال کو خرچ کروں گا اس کے بعد اگر شہید ہو گیا تو فضل شہادت اقرار پاؤں گا، اور اگر واپس ہوا تو میں نار جہنم سے آزاداً ابو ہریرہ رہوں گا۔ (سنن نسائی / ایضاً)

دعوت تو حیدور سالت

ہندوستان میں مجاہدین اسلام کی آمد تو حیدور سالت کی تبلیغ کے لئے تھی۔ ان کو خوب معلوم تھا کہ مکران و طوران اور سندھ کا علاقہ زندگی کے وسائل سے محروم ہے چنانکہ وہاں سے مال غنیمت کی توقع کی جائے اس لئے یہاں کے غیر متمدن اور قبائلی انسانوں کو دولت اسلام دے کر ایک جوان بخت اور بلند اقبال قوم میں شامل کرنا ان کا اصلی مقصد تھا چنانچہ مجاہدین اسلام نے اپنے ان دینی و اسلامی جذبات کا انہیاں بھی کیا۔

حضرت عبدالرحمن بن سرہ رض نے داور کو فتح کر کے اس کے بت خانہ زور میں رکھے ہوئے سونے کے بت کا ایک ہاتھ توڑ دیا اور اس کی یاقوت کی دونوں آنکھیں نکال کر وہاں کے حاکم سے کہا:

دُونَكَ الْذَّهَبُ وَالْجَوَاهِرُ وَإِنَّمَا أَرْدُتُ أَنْ أَعْلَمَكَ لَا يَضُرُّ
وَلَا يَنْفَعُ۔ (فتح البلدان ص: ۳۸۶)

”یہ سونا اور جواہر تم لے لو، میں نے صرف اس ارادہ سے اس کو توڑا ہے کہ تم کو دکھا دوں کہ یہ بت نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“

اس واقعہ میں اہل ہند کو دکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز میں نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں ہے اور معبد و صرف اللہ تعالیٰ ہے، یہ کام ایک مسلمان مجاہد و مبلغ ہی کر سکتا ہے کہ یاقوت و جواہر اور سونے چاندی سے مٹھی بھر کر اسے پھیل دے اور ان کے پیچاریوں سے کہے کہ تم اسے لے لو مجھے تو تمہاری چیز سے اپنا عقیدہ ثابت کرنا تھا مال و دولت کی حریص قوم سے ایسے بلند کروار کاظموں نہیں ہو سکتا۔

سیرت محمد یہ

ہمارے نبی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ عدنان سے اکیسویں پشت میں ہوئے۔ عدنان چالیسویں پشت میں حضرت اسماعیل، حضرت ابراہیم خلیل الرحمن (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بڑے بیٹے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمہ میں دو شنبہ کے دن نورتیق الاول کو پیدا ہوئے۔ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے کہ باپ کا انتقال ہوا۔ جب چھ سال کی عمر ہوئی تب ماں نے انتقال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مکرمہ کا نام آمنہ ہے۔ ان کا نسب تین پشت اوپر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھیاں سے جاتا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ سال دو مہینے دس دن کے ہوئے تو دادا فوت ہوئے۔ ابو طالب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ کا حقیقی بھائی ایک ماں سے تھا، سر پرست معین ہوا، تیرھویں سال میں شام کے سفر کو پچھا کے ساتھ گئے تھے مگر راہ میں سے واپس آگئے، جوان ہو کر کچھ دنوں تجارت کرتے رہے۔ پھر سال کی عمر پوری ہونے پر خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ شادی کی۔ پھر حضور اپنے اوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت یا لوگوں کی بھلائی میں پورا کرتے رہے۔ پہنچتیں سال کی عمر میں جب قریش میں کعبہ کی عمارت میں حجر اسود کی تنصیب پر جھگڑا ہوا۔ سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امانت والا جان کر منصف بنایا۔

نبوت

چالیس سال ایک دن کی عمر ہوئی تو اللہ کی وحی ہوئی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) (بیوی) علی مرتضی (رضی اللہ عنہ) (بھائی عمر دس سال) ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) (دوست) زید بن حارث (رضی اللہ عنہ) (مولیٰ آنحضرت) فوراً مسلمان ہوئے۔ پھر حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی ہدایت سے عثمان غنی، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی دقادس، طلحہ، زیبر (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمان ہوئے۔ ابو عبیدہ، ابو سلمہ، ارقم، عثمان بن مظعون اور عبد اللہ بن مسعود، عبیدہ بن الحارث، سعید بن زید، یاسر، عمار، بلال (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے بعد مسلمان ہوئے۔ عورتوں میں حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کے بعد امام افضل (رضی اللہ عنہ) (حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی بیوی) مسلمان

ہوئیں۔ پھر اسماءؓ (ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی) پھر فاطمہؓ (عمر فاروقؓ کی بیٹی)۔

تین برس تک آنحضرتؐ کے لئے لوگوں کو اسلام سکھلاتے رہے۔ پھر کھلا سکھلانے لگے جہاں کوئی کھڑا بیٹھا مل جاتا یا مجھ نظر آتا تو ہیں جا کر بدایت فرماتے تھے۔ مکہ والے اب مسلمانوں کو ستانے لگے۔ ان کو رنج یہ تھا کہ جو کوئی مسلمان ہو جاتا ہے، وہ بت پوچنا چھوڑ دیتا ہے۔ مسلمان دو برس تک بڑی بربی تکلیفیں سمجھتے رہے پھر انہوں نے شگ آ کر مکہ سے چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔

مسلمانوں کا وطن چھوڑنا

سنہ ۵ نبوت: رجب میں سب سے پہلے عثمان غنیؓ کا گھر بار چھوڑ کا اپنی زوجہ رقیہؓ کو (جو نبیؐ کی دوسری بیٹی ہیں) ساتھ لے کر جس کو روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”حضرت اوطاعؓ پیغمبر کے بعد عثمان پہلا شخص ہے جس نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑا ہے۔“ ان کو سمندر تک پانچ عورتیں اور بارہ مرد مزید جاتے ان کے پیچھے بہت سے مسلمان جوش گئے۔ ان میں حضرت جعفر طیارؓ بھی تھے جو حضرت علیؓ کے سکے بھائی ہیں۔

سنہ ۶ نبوت: حمزہؓ (آنحضرتؐ کے چچا) اور ان سے تین دن پیچھے حضرت عمر فاروقؓ مسلمان ہوئے۔ مسلمان اس وقت تک چھپ چھپ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ اب کعبہ میں جا کر پڑھنے لگے۔

سنہ ۷ نبوت: قریش نے آپس میں ایک عہد نامہ لکھا کہ ”کوئی شخص مسلمانوں کے ساتھ لیں دین اور رشتہ ناطہ نہ کرے۔ ہاشمی قبیلہ کے ساتھ بھی لیں دین دین، رشتہ ناطہ بند کیونکہ وہ آنحضرتؐ کا ساتھیں چھوڑتا۔“

اس ظلم کی وجہ سے آنحضرتؐ اور ہاشمی قبیلے کے سب لوگ ایک پہاڑی کی کھوہ میں (شعب ابی طالب) میں بذریعہ ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں بھی دشمن اندر نہ جانے دیتے۔ گڑھی کے اندر بچے جب بھوک کے مارے روتے تو ان کے رو نے کی آواز شہر تک

سنائی دیتی۔ کوئی شخص ترس کھاتا تو تھوڑا بہت اناج چھپ چھپا کر رات کو پہنچادیتا تھا۔ ان سب سختیوں پر بھی آنحضرت ﷺ کے پاک نام اور سچے دین کو برابر پھیلاتے رہے۔

سنہ ۱۰ نبوت: آنحضرت ﷺ طائف پہاڑ پر اسلام کا وعظ فرمانے لگے۔ جب آنحضرت ﷺ وعظ کے لئے کھڑے ہوتے تو لوگ پھر مارا کرتے جحضور ﷺ لہو میں تر بہتر ہو جاتے، لہو بہہ کر جوتے میں جم جاتا، پاؤں سے جوتا اتنا رہا مشکل ہو جاتا۔ ایک دن آنحضرت ﷺ کے اتنی چوٹیں لگیں کہ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو ساتھ تھے۔ حضور ﷺ کو اٹھا کر بستی سے باہر لے گئے۔ منه پر پانی چھڑ کنے سے ہوش پایا، پھر نبی اکرم ﷺ وہاں سے چلے آئے اور یہ فرمایا کہ ”اگر یہ لوگ مسلمان نہیں ہوتے تو ان کی اولاد تو ضرور اللہ پاک کو ایک ماننے والی ہو جائے گی۔ (آٹھ برس کے بعد سارا طائف مسلمان ہو گیا تھا)۔

سنہ ۱۱ نبوت: آنحضرت ﷺ راستوں اور گزر گاہوں پر جایا کرتے۔ آتے جاتے کو وعظ سناتے۔ ایک دن آنحضرت ﷺ کو ایک طرف سے کچھ آدمیوں کی بات چیت کی آواز سنائی دی۔ اُدھر ہی گئے۔ وہاں مدینہ کے چھ آدمی اترے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے وعظ فرمایا۔ اسلام سمجھایا تو وہ مسلمان ہو گئے۔

سنہ ۱۲ نبوت:

- (۱) ۲۷ ربیع کو ۵/ سال ۵۰ مہینہ کی عمر میں آنحضرت ﷺ کو مراجح ہوئی۔ مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اس سے پہلے دونمازیں فجر اور عصر کی پڑھی جاتی تھیں۔
- (۲) موسم حج میں اٹھاڑہ شخص مدینہ سے مکہ آئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمير رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیج دیا کہ لوگوں کو اسلام سکھائیں۔ اس پاک زمین میں اسلام کو خوب ترقی ہوئی۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے وعظ سے بنجگار اور بنوا شہل کے قبیلے اور دوسرے قبیلوں کے بہت سارے لوگ ایک ہی سال کے اندر مسلمان ہو گئے۔

سنہ ۱۳ نبوت:

(۱) آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ مدینہ چلیں۔ آنحضرت ﷺ نے منظور فرمایا کہ مدینہ رہا کریں گے۔ انہوں نے اقرار کیا کہ ہم اسلام پر کپڑہ کر حضور ﷺ کی اطاعت اور نصرت کیا کریں گے۔

(۲) جب مکہ کے دشمنوں نے سنا کہ اسلام مکہ سے باہر پھیل رہا ہے تو انہوں نے ارادہ کر لیا کہ آنحضرت ﷺ کو قتل کر دیں۔ ایک رات انہوں نے آنحضرت ﷺ کے گھر کو گھیر لیا۔ آنحضرت ﷺ ان کے گھرے میں سے صاف نکل گئے۔

ہجرت

نبی کریم ﷺ گھر سے نکل کرتین دن رات غار ثور کے اندر رہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ دو شنبہ کیم ربيع الاول / ۱ جو غار سے نکلے۔ دو اونٹ سفر کے لئے موجود تھے۔ ایک پر نبی ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سوار ہوئے۔ دوسرے اونٹ پر عامر بن فہیرہ صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام اور ایک راستہ کا واقف شخص تھا، یہ سب مدینہ کو روانہ ہوئے۔ جب دشمنوں نے آنحضرت ﷺ کا جانا سنا تو انہوں نے اس شخص کے واسطے بڑے بڑے انعام مقرر کئے جو آنحضرت ﷺ کو پکڑ لائے یا سرکاث لائے۔ انعام کے لائق سے بہت سے لوگ پیچھے لگے۔ مگر دو شخص حضور ﷺ تک پہنچے۔ ایک سراقدہ بن مالک یہ تو اپنے قصور کی معافی لے کر واپس آگیا۔ دوسرا بریڈہ اسلامی اس کے ساتھ ستر سوار بھی تھے۔ یہ چہرہ مبارک کو دیکھتے اور کلام پاک سنتے ہی مسلمان ہو گیا اور حضور ﷺ کے ساتھ آگے گئے کوچلا گیا۔

سنہ اہجری یا ۱۳ انبوث

۱) آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی اللہ کی عبادت کے لئے مسجد بنائی۔ دیواریں کچی اینٹوں کی اور چھت پر بھجور کے پٹھے ڈالے گئے۔

۲) ظہر، عصر، عشاء کی نماز میں اب تک دور کعت فرض کے تھے، یہاں چار چار رکعتیں مقرر ہوئیں۔

۳) مدینہ کے بہودیوں اور آس پاس کے رہنے والے قبیلوں سے امن اور دوستی کے عہد نامے ہوئے۔

۲) جو مسلمان مکہ سے آئے تھے (مهاجرین) ان کا مدینہ نکے رہنے والے مسلمانوں (النصار) سے بھائی چارہ (مؤاخات) قائم کیا گیا۔ یہ دین کے بھائی سے بھائیوں سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ اپنی جائیدادیں برابر باشت لیتے تھے۔

سنہ ۲: ہجری یا ۱۵ انبوث

۱) نماز کے لئے اذان دینے لگے۔

۲) اللہ کے حکم سے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ اب تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔

۳) ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔

سنہ ۳: ہجری یا ۱۶ انبوث: زکوٰۃ فرض ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ جو مالدار مسلمان ہے، سال بعد اپنی کمائی میں سے چالیسوائی حصہ غریبوں کو ضرور خیرات دیا کرے۔

سنہ ۴: ہجری یا ۱۷ انبوث: مسلمانوں پر شراب کا پینا حرام ہوا۔

سنہ ۵: ہجری یا ۱۸ انبوث: عورتوں کو پرده کرنے کا حکم ہوا۔

سنہ ۶: ہجری یا ۱۹ انبوث: آنحضرت ﷺ کعبہ کی زیارت کے لئے مکہ آئے، جب مکہ سے سات کوں رہے تو قریش نے آنحضرت ﷺ کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ آنحضرت ﷺ تھہر گئے مگر یہاں پر تھہر نے کافائدہ یہ ہوا کہ قریش کے ساتھ (ان باتوں پر) عہد ہو گیا۔

۱) دس برس تک صلح رہے۔ آپس میں آنا جانا، یعنی دین جاری رہے۔ جو قبیلہ چاہے مسلمانوں سے مل جائے جو چاہے قریش سے ملا رہے۔

۲) مسلمان اگلے سال آ کر کعبہ میں نماز پڑھ سکیں گے۔

۳) اگر قریش کا کوئی شخص مسلمان ہو کر جی کریم ﷺ کے پاس جا پہنچ تو اسے قریش کے پاس واپس بھیج دیا جایا کرے اور اگر کوئی مسلمان اسلام چھوڑ کر قریش سے جا ملے تو وہ واپس نہیں دیا جائے گا۔ یہ بات سن کر مسلمان گھبرا اٹھے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے نہ کر اسے بھی منظور فرمایا۔

قریش کا خیال تھا کہ اس شرط نے ڈر کر آئندہ کوئی شخص مسلمان نہ ہو گا لیکن ابھی عہد نامہ کو لکھا جا رہا تھا کہ سہیل (جو کل والوں کی طرف سے عہد کرنے آیا تھا) کا پینا ابو جندل وہاں پہنچ گیا، یہ مسلمان ہو گیا تھا، قوم نے قید کر کر کھا تھا۔ اب موقع پا کر بھاگ آیا تھا۔ لو ہے کی زنجیر ابھی تک اس کے پاؤں میں تھی۔

سہیل نے کہا ”عہد کے موافق اسے واپس کر دو۔“

مسلمانوں نے کہا کہ ”ابھی عہد نامے پر دخنٹ نہیں ہوئے، اس کی شرطوں پر عمل نہیں ہو سکتا۔“ سہیل نے بگڑ کر کہا ”تب ہم صلح ہی نہیں کرتے۔“

نبی ﷺ نے ابو جندل ﷺ کو ان کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اس کو پھر قید میں ڈال دیا۔ اس نے جیل ہی میں اسلام سکھلانا شروع کر دیا اور اس طرح تین سو آدمی ایک سال کے اندر مکہ ہی میں مسلمان ہو گئے۔ ہر شخص جسے ٹھوڑی بہت سمجھ ہے اس بات سے جان سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سچائی اور اسلام کی خوبی کس طرح دلوں کو اپنا بنا رہی تھی کہ عزیزوں پیاروں کی جدائی، وطن کی دوری اور تکفیروں کا ڈر اور قید کا ڈر بھی لوگوں کو مسلمان ہونے سے نہیں روک سکتا تھا۔

دعوت اسلام شاہی درباروں میں

سنہ ۶ ہجری: نبی ﷺ نے اپنے وقت کے مشہور مشہور بادشاہوں کے پاس سفر بھیجے ان کو اسلام لانے کی ہدایت فرمائی۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

۱) جشن کا بادشاہ احمد بن جماش تھا۔ وہ حضور ﷺ کے خط پر مسلمان ہو گیا۔

۲) بحرین کا بادشاہ منذر تھا۔ مسلمان ہوا۔ اس کی بہت سی رعایا بھی مسلمان ہو گئی۔

۳) عمان کا بادشاہ جیفر تھا وہ اور اس کا بھائی مسلمان ہو گئے۔

۴) خسرو ایران کا بادشاہ تھا۔ اس نے حضور ﷺ کا مراسلہ چاک کر دیا اور یہیں کے حاکم کو لکھا کہ ”آنحضرت ﷺ کو قید کر کے بچ ج دے“، حاکم کا نام باذان تھا۔ ان نے نبی ﷺ کے ٹھیک ٹھیک حالات معلوم کئے اور مسلمان ہو گیا۔ ملک بھی مسلمان ہو گیا۔

۵) اسکندر یہ کا بادشاہ مقصوس تھا۔ مسلمان نہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے لئے قیمتی قیمتی

تحقیق
بیچجے۔

- ۶) ملک شام کا حاکم حارث تھا، مسلمان نہ ہوا۔
- ۷) ملک بیمامہ کا حاکم ہو ذہ تھا، اسلام نہ لایا۔
- ۸) روم کا قیصر ہرقل تھا اس نے پہلے تو آنحضرت ﷺ کے حالات معلوم کئے۔ پھر اپنے درباریوں سے کہا کہ مسلمان ہو جانا چاہیے لیکن جب اس نے دیکھا کہ سردار لوگ نہیں مانتے اور سارا دربار بگڑ جانے کو تیار ہے تو ڈر گیا کہ میرا ختنت بھی نہ جاتا رہے، اس لئے مسلمان نہ ہوا۔

قیصر نے آنحضرت ﷺ کے حالات اس طرح دریافت کئے تھے، حکم دیا کہ جو کوئی شخص مکہ سے آیا ہو اشام میں ملے اسے دربار میں حاضر کیا جائے۔ تلاش کرنے والوں کو ابو سفیان اموی ملا۔ اس کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی تھے۔ یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کئی لڑائیاں بھی لڑ چکا تھا اور ان دونوں میں بھی وہ حضور ﷺ کا ختنت دشمن تھا۔

ابوسفیان کا بیان ہے کہ ”اسے شہر ایلیا میں لے گئے، دربار سرداروں سے بھرا ہوا تھا اور ہرقل تاج پہنے بیٹھا تھا، ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا ”پوچھو کرم میں سے اس شخص کا قریبی کون ہے جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے؟“

ابوسفیان: ”میں قریبی ہوں۔“

www.KitaboSunnat.com

قیصر: ”کیا قربابت ہے؟“

ابوسفیان: ”وہ میرا چھیرا بھائی ہے۔ یہ اس لئے کہا کہ قافلہ میں میرے سوا اور کوئی عبد مناف کی نسل سے نہ تھا۔“

قیصر: ”اسے آگے بلاؤ اور اس کے ساتھیوں کو اس کے موئندھے کے برابر کھڑا کر دو۔ میں اس سے کچھ با تین پوچھوں گا۔ ساتھیوں کو سمجھا دو کہ اگر یہ جھوٹ بولے تو بتلادیں۔“

ابوسفیان کہتا ہے کہ مجھے شرم آئی کہ میرے ساتھی مجھے جھلائیں گے۔ نہیں تو میں بہت با تینیں بناتا۔

قیصر: "اس کا نسب کیسا ہے؟"

ابوسفیان: "وہ عالی نسب ہے"

قیصر: "کسی اور نے بھی پہلے ایسا دعویٰ کیا ہے؟"

ابوسفیان: "نہیں"

قیصر: "اس شخص کو کبھی جھوٹ کی تہمت بھی دی گئی ہے؟"

ابوسفیان: "نہیں"

قیصر: "اس کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟"

ابوسفیان: "نہیں"

قیصر: "سردار لوگ اس کا نامہب مان رہے ہیں یا غریب لوگ؟"

ابوسفیان: "غریب لوگ"

قیصر: "وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟"

ابوسفیان: "بڑھ رہے ہیں"

قیصر: "کوئی شخص بیزار ہو کر اس کے دین کو چھوڑ بھی دیتا ہے؟"

ابوسفیان: "نہیں"

قیصر: "وہ عہد شکنی بھی کرتا ہے؟"

ابوسفیان: "نہیں۔ ہاں اب ہمارا عہد ہوا ہے اور ڈر ہے کہ وہ توڑ دے گا"

(ابوسفیان کہتا ہے کہ میں اتنی بات سے زیادہ کوئی پاتا یہی نہ کہہ سکا۔ جس سے آنحضرت ﷺ کی شان میں کمی نکلتی اور میرے ساتھی

مجھے نہ جھلاتے)

قیصر: "کبھی تمہاری اس کی جنگ ہوئی؟"

ابوسفیان: "ہاں"

قیصر: "پھر نتیجہ کیا رہا؟"

ابوسفیان: "کبھی وہ جیتا اور کبھی ہم"

قیصر: ”وہ کیا تعلیم دیتا ہے؟“

ابوسفیان: ”وہ کہتا ہے ا کیلے اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔

باپ دادا کے ٹھاکروں بتوں کی پوجانہ کرو، نماز پڑھو، صدقہ دو، پرہیز گار

رہو، عہد پورا کرو، امانتیں ادا کرو۔“

قیصر نے ترجمان سے کہا اسے بتا دو:

”تو کہتا ہے کہ وہ عالی نسب ہے، پیشک نبی ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

تو کہتا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا

کہ وہ اسی کی نقل کر رہا ہے۔

تو کہتا ہے کہ دعویٰ سے پہلے کوئی بھی اسے جھوٹا ہونے کی تہمت نہ دیتا تھا۔ تو اب یہ

کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص نے کبھی انسان پر جھوٹ نہیں باندھا وہ اللہ پر جھوٹ باندھے۔

تو کہتا ہے کہ اس کے باپ دادا میں سے کوئی پادرشاہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ

اس بہانے سے باپ دادا کا ملک چاہتا ہے۔

تو کہتا ہے کہ اس کے مذہب میں غریب مسکین داخل ہو رہے ہیں۔ بے شک یہی

لوگ پہلے پہل نبیوں کے ماننے والے ہوتے ہیں۔

تو کہتا ہے کہ مسلمان بڑھ رہے ہیں۔ پیشک ایمان کی یہی تاثیر ہے کہ وہ بڑھتا رہتا

ہے۔ جب تک وہ پورا کمال حاصل نہ کر لے۔

تو کہتا ہے کہ اس کے دین سے کوئی بیزار نہیں ہوتا۔ پیشک ایمان کی یہی حالت ہے

کہ جب دل کے اندر جا پہنچتا ہے تو پھر دل سے جدا نہیں ہوتا۔

تو کہتا ہے کہ وہ کبھی عہد سے نہیں پھرتا۔ بے شک نبی ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

تو کہتا ہے کہ ہم میں جگ ہوئی ہے۔ ایک دفعہ وہ غالب رہا اور ایک دفعہ تم۔

ہاں نبیوں کی بھی آزمائش ہوتی ہے۔ مگر آخر نبی کی فتح ہوتی ہے۔

تو کہتا ہے کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کو کہتا ہے۔ وہ باپ

داداوں کے جھوٹے معبودوں سے روکتا ہے۔ نماز، سچائی، پرہیز گاری، وفایے عہد اور

ادائے امانت کا حکم دیتا ہے۔ پیشک نبی کے یہی طریقے ہیں۔“
قیصر نے پھر کہا: ”میں جانتا تھا کہ ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ مگر یہ گمان نہ تھا کہ ملک عرب میں ہو گا۔ دیکھ! اگر تیرے جواب پچھے ہیں تو وہ اس جگہ کا بھی مالک بن جائے گا۔ جہاں میں بیٹھا ہوں۔ کاش! میں اس تک پہنچ سکتا۔ کاش میں اس کے پاؤں دھویا کرتا۔“
۶/ بھری کے بعد اور بھی بہت سے نامی گرامی رئیس مسلمان ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے پہلے اسلام کی بابت سنایا۔ پھر خود بھی پڑتال کی اور جب سچائی کا پتہ لگ گیا تب مسلمان ہوئے۔ مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں:

☆ ثماںہ ولی نجد۔ (۷ھ) میں مسلمان ہوا۔

☆ جبلہ شاہ غسان۔ بھی (۷ھ) میں مسلمان ہوا۔

☆ فروہ بن عمر و جذاہی قیصر کی طرف سے ملک شام کا گورنر تھا۔ (۷ھ) میں مسلمان ہوا۔ جب قیصر نے سنا کہ وہ مسلمان ہو گیا تو فروہ کو بلا یا اور حکم دیا کہ اسلام چھوڑ دے، اس نے نہ مانا۔ قیصر نے قید کر لیا۔ پھر بھی وہ پکارہاتب پھانسی چڑھا دیا۔ وہ پھانسی پر چڑھتا ہوا بھی شکر کرتا تھا کہ اسلام پر مرتا ہوں۔

☆ خالد بن ولید، عثمان بن ابو طلحہ، عمر و بن عاصی رضی اللہ عنہم مکہ کے مشہور سردار تھے۔ خود مدینہ پہنچ اور (۸ھ) میں مسلمان ہوئے۔

☆ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کا بیٹا عکرمہ برا بہادر نامی سردار تھا۔ (۸ھ) میں مسلمان ہوا۔

☆ عذری اپنے علاقے کا رئیس تھا۔ مشہور تجھی ہاتم طالی کا بیٹا تھا۔ برا بہادر تھا۔ (۹ھ) میں مسلمان ہوا۔

☆ اکید رومنہ الجندل کا ولی تھا۔ (۹ھ) میں مسلمان ہوا۔

☆ ذی الکلاع یہ طائف اور کچھ حصہ یمن اور قبلہ حسیر کا بادشاہ تھا۔ خدا کہلایا کرتا۔ سجدے کرایا کرتا۔ جب مسلمان ہوا تو سلطنت چھوڑ کر غریب اپنے رہا کرتا۔ (۹ھ) میں مسلمان ہوا تھا۔

قبائل کا مسلمان ہونا

بادشاہوں، حکمرانوں کے سوا عرب کے بڑے بڑے قبیلے جو اسلام کی ہدایت سے دل کے شوق اور محبت سے مسلمان ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی زیارت کو دور دور سے مدینہ آئے وہ بھی بہت ہیں۔ ان کے حالات کو کتاب ”رمۃ للعالمین“ میں پڑھنا چاہیے۔

سنہ ۸ ہجری یا ۴۰ نبوت: مکہ جہاں سے کافروں نے حضور ﷺ کو نکالا تھا۔ جہاں کسی غریب مسلمان کا زندہ رہنا مشکل تھا۔ جہاں اسلام کی بات کرنا بھی کسی کے لئے آسان نہ تھا۔ اس سال فتح ہو گیا۔ کعبہ جہاں تین سو ساتھ بت رکھے تھے۔ توں سے پاک ہوا اور جس کام کے لئے یہ مسجد چار ہزار سال سے بنائی گئی تھی۔ یعنی خدائے واحد کی عبادت۔ اب وہی اس میں جاری ہوئی۔

سنہ ۹ ہجری یا ۴۱ نبوت

- ۱) اس سال حج فرض ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے ابو بکر ضدیق رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کے قافلے کا امیر بنایا اور کئی سو مسلمانوں نے حج ادا کیا۔
- ۲) حضرت علی الرضا رضی اللہ عنہ نے میدان حج میں نبی ﷺ کے حکم سے اعلان کیا کہ اب آئندہ کوئی مشرک خانہ کعبہ کے اندر داخل نہ ہوگا۔ کوئی عورت یا اسرد نہ کاہو کہ کعبہ کا طواف نہ کر سکے گا۔ جن لوگوں نے عہد شکنی کی ہے، ان کے ساتھ کوئی عہد باقی نہ سمجھا جائے گا۔

غزوات

نبی ﷺ جب مدینا بے تحفظ دشمنوں نے فوجیں آئیں اور کئی دفعہ مسلمانوں پر چڑھ چڑھ کر گئے تھے۔ چار برس تک مسلمانوں نے صبر کیا۔ پھر انہوں نے بھی کافی دفعہ آگے یہ چڑھ کر شمن کی حملہ آور فوجوں کو تتر بتر کیا۔ یہ جنگوں سے شروع ہوئے اور ۹/ہجری تک سال رہے مشہور غزوات یہ ہیں۔

- ۱) غزوہ بدر۔۲ھ
- ۲) غزوہ احد۔۳ھ
- ۳) غزوہ خندق۔۵ھ
- ۴) غزوہ خیبر۔۷ھ
- ۵) غزوہ فتح مکہ۔۸ھ
- ۶) غزوہ حنین۔۸ھ
- ۷) غزوہ تبوك۔۹ھ

سنه ۱۱ ہجری یا ۲۲ نبوت: نبی ﷺ نے حج کیا۔ ایک لاکھ چواں مسلمان شامل حج تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر اسلام کے سارے اصول سمجھائے۔ جاہلیت کی رسوم، شرک کی باتوں کا ملیا میث کیا۔ امت کو الوداع کہا۔

۱۱ ہجری: نبی ﷺ نے ۲۳ برس پانچ دن تک اللہ کے حکم بندوں کو پہنچا کر خدا کا سچا، سیدھا راستہ دکھا کر تریٹھ (۲۳) برس پانچ دن کی عمر میں بارہ ربع الاول کو دو شنبہ کے دن دنیا سے کوچ فرمایا۔

○ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○

خطبہ

وفات سے ایک مہینہ پہلے سب کو بلا کر حضور ﷺ نے فرمایا "مسلمانو! خدا تم کو سلامتی سے رکھے، تمہاری حفاظت فرمائے، تمہیں بچائے۔ تمہاری مدد کرے۔ تم کو بلند کرے۔ ہدایت اور توفیق دے۔ اپنی پناہ میں رکھے۔ آنکھوں سے بچائے۔ تمہارے دن کو تمہارے لئے محفوظ بنائے۔ میں تم کو تقویٰ کی اور اللہ سے ذرنے کی وصیت کرتا ہوں، تم کو خدا کے پر درکرتا ہوں اور تم کو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔"

امید ہے کہ تم بھی لوگوں کو اس سے ڈراؤ گے۔ تم کو چاہیے کہ خدا کے بندوں اور بستیوں میں سرکشی، تکمیر، اور اکڑ کر چلنے کو نہ پھیلنے دو۔ آخرت کا گھر انہی کے لئے ہے جو دنیا میں اکڑ کر نہیں چلتے اور فساد نہیں کرتے، اچھی عاقبت صرف متفقین کی ہے۔ فرمایا "جو بڑی بڑی حکومتیں تم کو ملیں گی، میں ان کو دیکھ رہا ہوں، مجھے ڈر نہیں رہا کہ تم مشرک بن جاؤ گے۔ لیکن ذریعہ ہے کہ دنیا کی رغبت اور فتنہ میں پڑ کر کہیں ہلاک نہ ہو جاؤ۔ جیسے پہلی امتیں ہلاک ہو گئیں۔"

انتقال سے کچھ دن پہلے پھر سب مسلمانوں کو بلایا۔ انصار و مہاجرین کی بابت ہدایتیں اور نصیحتیں فرمائیں۔

پھر فرمایا "اگر کسی شخص کا حق مجھ پر ہوتا تادے۔" ایک نے کہا کہ حضور ﷺ نے ایک مسکین کو مجھ سے تین درہم دلائے تھے، وہ نہیں ملے۔ یہ درہم آنحضرت ﷺ نے اسی وقت ادا کر دیئے۔ پھر بہت سے لوگوں کے حق میں دعا میں کیں۔ بیماری کے دنوں میں فرمایا "لوگو! لوٹڑی، غلام کی بابت خدا کو یاد رکھو۔ ان کو خوب پہناؤ، خوب کھلاؤ، ان کے ساتھ بہیشہ زری سے بابت کرو۔"

نزع کی حالت میں فرمایا "نماز، نماز، غلام کے حقوق، آخری لفظ جو آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر فرمائے یہ تھے:

"اللہ برتر بر رفیق!"

کنبہ کے حالات

نبی ﷺ کے نوچا تھے۔ ان میں سے حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہما مسلمان ہوئے۔ ابوطالب آنحضرت ﷺ کے فدائی اور ناصر تھے۔ چھ پھوپھیاں تھیں، جن میں صفیہ رضی اللہ عنہما مسلمان ہوئیں۔ بارہ غلام تھے، سب کو آزاد فرمادیا تھا۔ لونڈیاں تین۔ ان میں ایک ام ایکن رضی اللہ عنہما تھی جس نے حضور ﷺ کو گود کھلایا تھا۔ آنحضرت ﷺ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ بیٹی تین، قاسم، عبداللہ، ابراہیم سب بچپن ہی میں فوت ہوئے۔ بیٹیاں چار (۱) نسب رضی اللہ عنہما ان کے شوہر ابو العاص بن ریع تھے۔ (۲) رقیہ رضی اللہ عنہما اور کلثوم ان دونوں کے شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔ (ام کلثوم کا نکاح رقیہ کی وفات کے بعد ہوا تھا) (۳) فاطمہ رضی اللہ عنہما ان کے شوہر حضرت علی مرضی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ان ہی کے بطن سے ہیں۔

بیویاں

نبی ﷺ کی ہر ایک بیوی کا لقب خدا کے حکم سے ام المؤمنین (مومنوں کی ماں) ہے، ہر ایک کا مختصر حال لکھا جاتا ہے۔

(۱) ام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہما: نبی ﷺ کی پہلی بیوی ہیں۔ حضور ﷺ کی دیانت، کمال اور برکت کو دیکھ کر انہوں نے شادی کی درخواست خود کی تھی۔ ابراہیم کے سوا آنحضرت ﷺ کی کل اولاد ان ہی سے ہے۔ ان کی سچائی اور عگداری کو آنحضرت ﷺ ان کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ یاد فرماتے رہے۔ (۱۰/نبوت میں وفات ہوئی)

(۲) ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہما: یا اپنے پہلے شوہر سکران کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں۔ ان کی ماں بھی مسلمان ہو گئی تھی۔ پھر تینوں بھرت کر کے جب شعلے گئے تھے۔ وہاں ان کا شوہر مر گیا۔ نبی ﷺ نے ان سے اپنا نکاح ۱۰/نبوت میں (سیدہ الکبریٰ رضی اللہ عنہما) کی وفات کے بعد) کر لیا۔ (۵۵۲ھ میں وفات پائی)

(۳) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہما: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دل و

جان، زر و مال سے آنحضرت ﷺ اور اسلام کی خدمتیں ایسی کیں کہ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”میں سب کی خدمتوں کا بدلہ دے چکا ہوں۔ لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمتوں کا صلہ خدا ہی دے گا۔“ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی نبی ﷺ کو دینی چاہی اور کہا کہ ”میری زندگی بھر کی تین آرزوئیں ہیں۔ اور ایک یہ ہے کہ میری بیٹی نبی ﷺ کے گھر میں ہو۔ نبی ﷺ کو حضور ﷺ کے گھر آئیں۔ جیسی باپ نے اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں کی تھیں۔ بیٹی بھی ایسی ہی عالمہ و فاضلہ ہوئی کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم علم کی مشکل باتیں ان سے پوچھا کرتے تھے۔ دو ہزار دو سو دس حدیثوں کی روایت ان سے منقول ہے۔ (۷۵ھ میں فوت ہوئیں)۔

(۴) ام المؤمنین حصہ رضی اللہ عنہا: عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ جو شہ کی طرف بھرت کی تھی اور پھر مدینہ کی طرف بھرت فرمائی۔ ان کا شوہر غزہ وہ احمد میں رخی ہوا اور انہی زخموں سے فوت ہوا تھا۔ نبی ﷺ نے حصہ رضی اللہ عنہا سے ۳۰ھ میں شادی کر لی۔ یہ اللہ کی بندی عبادت گزار بھی حدود رج کی تھی۔ (۳۵ھ میں انتقال ہوا)۔

(۵) ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا: کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے، پھر عبیدہ بن حارث سے ہوا تھا۔ یہ دونوں نبی ﷺ کے حقیقی چھیرے بھائی تھے۔ تیرا نکاح عبد اللہ بن جحش سے ہوا تھا۔ یہ نبی ﷺ کے پھوپھی زاد تھے۔ وہ جنگ احمد میں شہید ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے ۳۰ھ میں نکاح کر لیا وہ نکاح کے بعد صرف تین مہینے زندہ رہیں، یہ بی بی غریبوں کی اتنی مدد اور پروردش کیا کرتی تھیں کہ ان کا القب ام المساکین پڑ گیا تھا۔ (۳۲ھ میں شہادت پائی)۔

(۶) ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا: ان کا پہلا نکاح ابو سلمہ عبد بن الاسد سے ہوا تھا۔ جو نبی ﷺ کی پھوپھی کے بیٹی اور دودھ کے بھائی تھے۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ جو شہ کی بھرت کی تھی اور پھر بھرت مدینہ۔ مکہ سے مدینہ تک تھا سفر کیا تھا۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے جنگ احمد کے زخموں سے وفات پائی تھی۔ چار بچے تیتم چھوڑے۔ نبی ﷺ نے بے کس

بچوں اور ان کی حالت پر حکما کران سے ۳۵ میں نکاح کر لیا۔ (تمام امہات المؤمنین سے آخر میں ۹۵۶ھ میں وفات پائی)۔

(۷) ام المؤمنین نسب بنت جحش رضی اللہ عنہا : یہ نبی ﷺ کی سگی پھوپھی کی بیٹی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح کوشش کر کے اپنے آزاد کئے ہوئے غلام زید رضی اللہ عنہ سے کرا دیا تھا۔ لیکن شوہر کی نسب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نہ بنی اور یہوی کو چھوڑ دیا۔ اگرچہ حضور ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو سمجھایا بھی، بہت کہ یہوی کو نہ چھوڑے۔ نسب رضی اللہ عنہا کی اس مصیبت اور ذلت کا بدله خدا نے یہ دیا کہ نبی ﷺ کے ساتھ ان کا نکاح ۵۵ھ میں کروادیا۔ اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک دن یا کام کیک نسب رضی اللہ عنہا کو دیکھایا تھا۔ اس لئے منہ بولے سے چھڑا کر ان کا نکاح اس سے کیا۔ یہ لوگ تین باتیں بھول جاتے ہیں:

۱) نسب رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی سگی پھوپھی کی بیٹی ہیں۔ آنکھوں کے سامنے پلی اور بڑھی۔ ان کی شکل و صورت کی بات آنحضرت ﷺ سے کچھ بھی چھپی نہ تھی۔

۲) ان کا پہلا نکاح زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ خود نبی ﷺ نے بڑی سعی سے کرایا تھا۔

۳) اسلام متعینی (منہ بولا ایسا) بنانے کو باطل نہ ہراثا ہے۔

(نبی ﷺ کی وفات کے بعد تمام امہات المؤمنین سے قبل ۲۰ھ میں وفات پائی)

(۸) ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا : لڑائی میں کپڑی گئی تھیں اور ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ وہ بیس سالہ جوان تھے۔ مگر انہوں نے کچھ روپیہ ان کو لگا دیا (مکاتب کر دیا) جس کے ادا کرنے سے وہ چھوٹ جاتی۔ جویریہ چندہ مانگنے کے لئے نبی ﷺ کے پاس آئی اور یہ بھی ظاہر کیا میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا سارا روپیہ ادا کر دیا۔ (آزاد ہو گئی) پھر فرمایا: ”بہتر یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ نکاح کرلوں“ (یہ اس خیال سے فرمایا کہ اگر اور اسیر آئے انہوں نے بھی چندہ مانگا تو کیا کیا جائے گا۔ جب لشکر نے یہ سننا کہ یہ قیدی اب آنحضرت ﷺ کے رشتہ دار بن گئے تو انہوں نے سب قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ اس چھوٹی سی تدبیر سے آنحضرت ﷺ نے ایک سو سے زیادہ انسانوں کو لوٹنڈی غلام بنائے جانے سے بچا دیا۔ یہ نکاح ۵۵ھ میں ہوا۔ ۵۶ھ میں وفات پائی۔

(۹) ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا: ابوسفیان اموی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ جن دنوں ان کا باپ نبی ملکیت کے ساتھ لڑائی کر رہا تھا۔ یہ مسلمان ہوئی تھیں۔ اسلام کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ پھر شوہر کو لے کر جوش کی بھرت کی۔ وہاں جا کر ان کا شوہر مرتد ہو گیا۔ ایسی تجھی اور ایمان میں پکی بی بی کے لئے یہ کتنی بڑی صیبیت تھی کہ اسلام کے واسطے باپ، بھائی، خاندان قبیلہ اور اپنا ملک وطن چھوڑا تھا۔ پر ویسیں میں خاوند کا سہارا تھا، اس کی بے دینی سے وہ بھی جاتا رہا۔ نبی ملکیت کے ساتھ ۵ھ میں خود نکاح کر لیا۔ یہ نکاح جوش ہی میں پڑھا گیا۔ تاکہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی صیبیتوں کا جلد خاتمه ہو جائے۔ (۴۳ھ میں فوت ہوئیں)۔

(۱۰) ام المؤمنین سیمونت رضی اللہ عنہا: ان کے دونوں پہلے ہو چکے تھے۔ ان کی ایک بہن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے، ایک بہن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اور ایک بہن حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی۔ ایک بہن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ماں تھی۔ آنحضرت ملکیت کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے آنحضرت ملکیت سے ان کی بابت کہا اور آنحضرت ملکیت نے چچا کے کہنے پر ۷ھ میں ان سے نکاح کرنیا۔

یہ سب نکاح اس آیت سے پہلے ہو چکے تھے۔ جس میں ایک مسلمان کے واسطے بیویوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ (بشرط عدل) چار تک مقرر کی گئی ہے۔ (۱۵ھ میں وفات ہوئی)۔

(۱۱) ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا: آپ بنو نصریر کے سردار حبیب بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ آپ کی ماں کا نام ضرہ تھا۔ آپ کا اصل نام نسبت تھا۔ پہلی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی تھی۔ جس نے آپ کو طلاق دے دی۔ دوسرا نکاح کنانہ سے ہوا۔ غززادہ نصیر میں قید ہو کر رسول اکرم ملکیت کے حصہ میں لوٹدی کی حیثیت سے آئیں تو آپ ملکیت نے آزاد فرما کر ان سے نکاح کر لیا اور آپ کا نام صفیہ رکھا۔ (۵۰ھ میں انتقال ہوا)۔

خلق محمدی

نبی ملکیت نے فرمایا ”خدانے مجھے اس لئے نبی بنایا ہے کہ میں پاکیزہ اخلاق اور

تینک اعمال کی تمجیل کروں۔۔۔ صدیقہ شیخنا سے کسی نے پوچھا ”آنحضرت ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟“ فرمایا ”قرآن مجید ان کا خلق ہے“ مطلب یہ ہے کہ درخت پھل سے اور انسان اپنی تعلیم سے بیچانا جاتا ہے۔ تم قرآن مجید سے نبی ﷺ کی شناخت کرو۔ قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو رحمۃ للعالمین کہا ہے اور زمانہ کی سچی تاریخ بتلاتی ہے کہ حضور ﷺ کا وجود بالکل رحمت تھا۔ ایک حدیث سے نبی ﷺ کے اخلاق یہ معلوم ہوتے ہیں:

آنحضرت ﷺ شاہدِ خلق ہیں۔ حکم نامنے والوں کو خوبخبری سناتے اور نافرمانوں کو ڈراتے ہیں۔ انجانوں کی پناہ، اللہ کے بندے اور رسول، سب کام کو اللہ پر چھوڑ دینے والے۔ نہ عادت کے سخت اور نہ بول چال میں کرخت، چیز کرنہیں بولتے۔ بدی کا بدله دیا ہی نہیں دیتے۔ ان کا کام قوم اور مذہب کی خامیوں کو درست کر دینا ہے۔ اور ایک اللہ کی وحدائیت کو قائم کر دینا۔ ان کی تعلیم انہوں کو آئندھیں، بہروں کو کان، دیتی ہے اور غافل دلوں سے پردہ اخہادیتی ہے۔ ہر ایک خوبی سے آراستہ، ہر ایک خلق کریم سے عطا یافت، سکینہ ان کا لباس ہے، نکوئی ان کا شعار ہے۔ ان کا ضمیر (پاک دل) تقویٰ ہے۔ ان کا کلام حکمت ہے۔ صدق و وفا ان کی طبیعت ہے۔ عفو و احسان ان کی عادت ہے۔ عدل ان کی سیرت ہے۔ سچائی ان کی شریعت ہے اور ہدایت ان کی راہ نما ہے۔ ملت ان کی اسلام ہے اور احمد ﷺ ان کا نام ہے۔

وہ ضلالت کے بعد ہدایت دینے والے اور بہالت کے بعد علوم سکھانے والے ہیں۔ گمناموں کو رفت دینے والے، مجھوں کو نامور کر دینے والے، قلت کو کثرت اور نگ دستی کو غنا سے بدل دینے والے ہیں۔ خدا نے ان کے ذریعے سے اختلاف کی بجائے اتفاق بخواہ۔ پھٹے ہوئے دلوں کو الافت عطا فرمائی۔ گونا گون خواہشوں اور بوقلموں قوموں کو وحدت ارزانی فرمائی۔ ان کی امت بہترین امت ہے۔ اس کا کام لوگوں کو ہدایت کرنا ہے۔

صرہ و حلم

۱) طائف والوں نے نبی ﷺ کو پتھر پتھر مار کر زخمی اور بیہوش کر دیا تھا۔ فرشتہ نے آ کر کہا کہ حکم ہوتا یہ بستی ایسے دوں؟ فرمایا ”نہیں نہیں۔ اگر یہ مسلمان نہیں ہوتے تو امید ہے۔

- کہ ان کی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔“
- ۳) ایک یہودی کا قرض دینا تھا۔ وہ دے کے دن باقی تھے۔ اس نے راہ چلتے آنحضرت ﷺ کا گریبان آ کر پکڑ لیا کہ ”میرا قرض ادا کر دو“ فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ”یہ گستاخ قتل ہونا چاہیے“ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”نہیں تم مجھے خوبصورتی سے ادا کرنے کو کہو اور اسے تقاضے کا اچھا ڈھب بتلو۔“ پھر اسے نہیں کر فرمایا ”ابھی تو وعدے کے دن باقی ہیں۔“
- ۴) ایک گنوانے چیچھے سے آ کر زور سے آنحضرت ﷺ کی چادر کھینچی، گروہ سرخ ہو گئی۔ نبی ﷺ نے لوٹ کر دیکھا تو وہ بولا کہ ”میری مدد کرو۔ میں غریب ہوں“ فرمایا ”ایک اونٹ جو کا، ایک سمجھو رکلا دیا دو۔“

ادب اور تواضع

- ۱) لوگوں کے اندر پاؤں پھیلائ کر بھی نہ بیٹھتے۔
- ۲) اپنی تعظیم کے لئے مسلمانوں کو چڑھنے ہونے سے روکا کرتے۔
- ۳) دست مبارک کو کوئی شخص پکڑ لیتا تو آپ اس سے کبھی نہ چھڑاتے۔
- ۴) کسی کی بات نہ کانتے۔
- ۵) سوار ہو کر پیدل کوسا تھا نہ لیتے یا تو سوار کر لیتے یا واپس کر دیتے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ”ایک دن نبی ﷺ خپر پر بلاپالان کے سوار تھے۔ میں مل گیا۔“ فرمایا ”سوار ہو جاؤ۔“ میں حضور ﷺ کو پکڑ کر چڑھنے لگا۔ آپ تو نہ چڑھ سکا۔ میں حضور ﷺ کو گرا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے سوار ہو کر دوبارہ فرمایا، میں پھر نہ چڑھ سکا اور حضور ﷺ کو پھر گرا دیا۔ تیسرا بار آنحضرت ﷺ نے سوار ہو کر فرمایا ”سوار ہو جاؤ، میں نے کہا“ مجھ سے تو چڑھانہیں جاتا۔ حضور کو کہاں تک گراؤں گا۔“

جوود و سخاوت

- ☆ سوالی کو کبھی رد نہ فرماتے زبان پر انکار نہ لاتے۔ اگرچہ کچھ بھی دینے کو نہ ہوتا تو سوالی سے عذر کرتے، جیسے کوئی معافی مانگتا ہے۔
- ۲) ایک نے آ کر سوال کیا۔ فرمایا ”میرے پاس تو ہے نہیں۔ تم بازار سے میرے نام پر

قرض لے لوا، فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: ”خدا نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی۔ نبی ﷺ میں چپ کر گئے۔ ایک نے پاس سے کہہ دیا کہ ”خدا کی راہ میں دینا ہی اچھا ہے۔“ اس پر حضور ﷺ خوش ہو گئے۔

شرم و حیا

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ میں پرده نشین لڑکی سے بڑھ کر حیا تھی۔

- ☆ اپنے کام میں اپنی جان پر تکلیف اٹھایتے، مگر وسرے کو شرم کی وجہ سے نہ فرماتے۔
- ☆ کسی کو کوئی کام کرتے دیکھ لیتے تو جو پسند نہ ہوتا تو اس شخص کا نام لے کے کچھ نہ فرماتے۔ عام طور پر لوگوں کو اس کام سے روک دیا کرتے۔

مہربانی اور محبت

- ۱) نفلی عبادت چھپ کر کیا کرتے کہ امت پر اتنی عبادت کا کرنا مشکل نہ بنے۔
- ۲) ہر کام میں آسان صورت کو پسند فرماتے۔
- ۳) فرمایا ”میرے سامنے کسی کی چغلی نہ کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کی طرف سے میری صاف دلی میں فرق آجائے۔“
- ۴) دعاظ اور نصیحت کبھی بھی کیا کرتے، تاکہ لوگ اکٹانہ جائیں۔
- ۵) بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ ساری ساری رات امت کے لئے دعا کیا کرتے اور زار زار روتے۔

صلہ رحم

- ۱) فرمایا ”میرے دوست تو ایمان والے ہیں لیکن صلہ رحم سب کے ساتھ ہے۔“
- ۲) ایک جنگ میں ایک عورت قیدی ہو کر آئی۔ اس نے کہا کہ ”میں آپ کی دایہ کی بیٹی ہوں،“ نبی ﷺ نے اپنی چادر اوپر سے اتار کر اس کے بچھا دی۔
- ۳) مکہ والوں نے حضور ﷺ کو اور مسلمانوں کو بیکڑوں و کھرنخ دے کر وطن سے نکالا تھا۔ بیسیوں سچے مسلمانوں کو قتل کیا تھا کہ کیوں یہ لوگ خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور ﷺ نے سب کو بلا کر کہہ دیا کہ ”تمہارے سب قصور معاف کئے جاتے ہیں۔“

عدل و اعتدال

- ۱) جو جھگڑا و شخصوں میں ہوتا۔ اس میں عدل فرماتے۔ اگر کسی کا حضور ﷺ کے ساتھ

کوئی معاملہ ہوتا تو وہاں رحم فرماتے۔

۲) مکہ میں ایک عورت کا نام فاطمہ تھا۔ اس نے چوری کی۔ لوگوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے، جو نبی ﷺ کو بہت پیارے تھے، سفارش کرائی۔ فرمایا ”کیا تم تعزیرات الہی میں سفارش کرتے ہو۔ سنو! اگر میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ایسا کرتی تو میں تعزیر ہی دینا۔“

۳) اعتدال کی بابت حضور ﷺ کا ارشاد ہے: خَيْرُ الْأُمُورُ أَوْسَطُهَا اس سے ہر ایک بات میں درمیانہ پن رکھنے کی ہدایت ملتی ہے۔

صدق و امانت

۱) جانی دشمن بھی حضور ﷺ کی سچائی اور امانت کا اقرار کرتے تھے۔

۲) بچپن ہی سے سارا ملک حضور ﷺ کو صادق (سچا) اور امین کہہ کر پکارا کرتا تھا۔

۳) ایک دن ابو جہل نے کہا ”اے محمد (ﷺ) میں تجھے جھوٹا نہیں سمجھتا، لیکن تیرے دین پر میرا دل نہیں جلتا۔“

۴) جس رات نبی ﷺ گھر سے مدینہ کے لئے تھے دشمنوں نے اس رات حضور ﷺ کے قتل کا سامان پورا بنا�ا تھا۔ مگر حضور ﷺ نے پیارے بھائی علی الرضی رضی اللہ عنہ کو اس لئے مکہ میں پیچھے چھوڑا تھا کہ جو امانتیں لوگوں کی میرے پاس ہیں وہ دے دینا۔

عفت و عصمت

۱) نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”مکہ میں لوگ کہانیاں کہا کرتے تھے۔ مجھے بھی سننے کا شوق ہوا۔ اس وقت عمر دس برس سے کم تھی۔ میں اس ارادہ سے چلا۔ راستہ میں آرام کے لئے ذرا بیٹھ گیا۔ وہیں نیڈ آگئی۔ جب سورج لکھاں آنکھ کھلی۔“

۲) ”اس عمر کا ذکر ہے، کسی کے ہاں بیاہ تھا۔ عورتیں گارہی تھیں۔ دف بھتی تھی۔ میں سننے کے لئے چلا۔ چلتے چلتے نیڈ نے غلبہ کیا سو گیا۔ دن چڑھے اٹھایا بیدار ہوا۔ ان دونوں باتوں کے سوا کبھی کسی مکروہ کام کا میں نے ارادہ بھی نہیں کیا۔“

زہد

۱) نبی ﷺ کی دعا تھی۔ الہی ایک دن بھوکار ہوں۔ ایک دن کھانے کو ملنے۔ بھوک

- میں تیرے سامنے گڑگڑایا کرو۔ کھا کر تیر اشکر کرو۔
- ۲) صدیقہ خلیفہ کہتی ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ کا کنبہ مہینہ و مہینہ تک پانی اور بھجور پر گذران کرتا۔ چولہے میں آگ تک نہ جلانی جاتی۔
- ۳) صدیقہ خلیفہ کہتی ہیں ”میرے گھر میں آنحضرت ﷺ کا بستر بھجور کے پھلوں سے بھرا ہوا تھا۔
- ۴) حضصہ خلیفہ کہتی ہیں ”میرے گھر میں آنحضرت ﷺ کا ستر صرف ثابت تھا۔ اسے دو تہہ کر کے بچھا دیا جاتا۔ ایک دن ہم نے چار تہہ کر دیا۔ فرمایا بستر زرم ہو گیا۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔“
- ۵) ابن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ”آنحضرت ﷺ نے ساری زندگی میں جو کی روٹی بھی پیٹھ بھر کر نہیں کھائی۔
- ۶) آنحضرت ﷺ نے جو آخری رات دنیا میں کاٹی، اس رات صدیقہ خلیفہ نے چماغ کے لئے تیل ایک پڑون سے ادھار لیا تھا۔
- ۷) وفات کے بعد حضور ﷺ کی زرد یہودی کے پاس تھی جوانا ج کے بد لگ روئی تھی۔
- ۸) آنحضرت ﷺ جیسا زہد خود فرماتے، ایسی ہی نصیحت کنبہ والوں کو فرماتے۔ حضور ﷺ کی بیٹی فاطمہ زہر اخی خلیفہ نے اپنے ہاتھ دکھائے۔ تو وکی آگ سے جعلنے ہوئے، چکلی پینے سے چھالے پڑے ہوئے اور ایک لوٹڈی مانگی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اللہ کو خوب یاد کرو۔ دنیا کی تکلیفیں کیا ہیں۔“
- ۹) دعا فرمایا کرتے ”اللہ! آں محمد کو صرف اتنا دے، جسے پیٹھ میں ڈال لیں۔
- ۱۰) زہد کی یہ سب صورتیں اختیاری تھیں۔ لاچاری کچھ نہ تھیں۔
- ### عبادت
- ۱) نفلی نماز میں اتنی دریکھڑے رہتے کہ پاؤں سوچ جاتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ تو بخشے ہوئے ہیں پھر اتنی تکلیف کیوں فرماتے ہیں؟ فرمایا ”کیا اب میں اس کا شکر نہ کروں۔“

- ۲) سجدہ میں اتنی اتنی دریک پڑے رہتے کہ دیکھنے والوں کو انتقال کر جانے کا وہم ہو جاتا۔
- ۳) مناجات کے وقت سیدنا مبارک دیگ کی طرح جوش مارتا ہوا معلوم ہوا کرتا۔
- ۴) آیت رحمت پڑھ کر دعا مانگتے اور آیت عذاب پڑھ کر کانپ اٹھتے۔
- ۵) کئی کئی دن کا برابر روزہ رکھا کرتے اور وہ کوایسے روزہ سے منع فرماتے۔

عام برتواد

- ۱) سب سے نہیں بکھر ہو کر ملتے۔
 - ۲) قیمتوں کو پالتے، بیواؤں کی مدد کرتے۔
 - ۳) غریبوں مسکینوں سے پیار کرتے، ان میں جا کر بیٹھا کرتے۔
 - ۴) سفیدیز میں پر بیٹھ جاتے۔ اپنے لئے کوئی سامان اتنا یا ز کا پسند نہ فرماتے۔
 - ۵) لوگوں کی خبریں بھی بیمار ہو جاتے تو خود جا کر ان کی خبر لیتے۔
 - ۶) کوئی مسلمان مر جاتا اس پر قرض ہوتا تو بیت المال سے اس کا قرض دفن کرنے سے پہلے ادا کرتے۔
 - ۷) کوئی مخلص مرنا تو اس کی تجھیز و تکشیں میں شامل ہوتے۔
 - ۸) منافق لوگ ہنسانے آ کر گستاخیاں کیا کرتے۔ دشمنوں کو مدد دیا کرتے۔ مگر آنحضرت ﷺ کبھی ان سے بدلہ نہ لیا کرتے۔
 - ۹) ایک دفعہ نجران کے عیسائی آ گئے۔ ان کو اجازت دے دی کہ مسجد نبوی میں اپنے طریقہ کی نماز پڑھ لیں۔
 - ۱۰) جنگل میں ایک بکری ذبح کرنے لگے۔ ایک بولا "میں ذبح کر دوں گا" ایک بولا "میں گوشت کاٹ دوں گا" ایک بولا "میں پکا دوں گا" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میں لکڑیاں لے آؤں گا" عرض کی گئی "ہم سب خدمت کو حاضر ہیں۔ حضور ﷺ کیوں تکلیف کریں۔ فرمایا: "میں بھائیوں میں نکمانہیں رہنا چاہتا۔"
- عفو و رحم
- ۱) آنحضرت ﷺ کے پیارے پچھا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو حشی نے مارا۔ ناک کان وغیرہ

کاٹے، کلیجہ نکلا تھا۔ پھر بھی جب اس نے معافی کی بابت عرض کیا تو معاف کر دیا۔
 ۲) ہمارے آنحضرت ﷺ کی بڑی بیٹی نبیت ﷺ کے نیزہ مارا، وہ ہودج سے گر گئیں۔ حمل جاتا رہا۔ وہی صدمہ ان کی موت کا سبب بنا۔ ہمارے سامنے آ کر معافی مانگی معاف فرمادیا۔

۳) ایک دفعہ آنحضرت ﷺ ایک درخت کے نیچے سو گئے، تکوار ہنسی سے لٹکا دی۔ ایک دشمن آیا۔ تکوار اٹھا لی اور آنحضرت ﷺ کو گستاخی سے جگایا اور پوچھا ”اب کون تم کو پچائے گا۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”اللہ“ وہ شخص چکر کھا کر گر پڑا۔ تکوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے تکوار اٹھا لی۔ فرمایا ”اب تجھے کون بچا سکتا ہے“ وہ حیران ہو گیا۔ فرمایا ”جاوہ میں بد لہ نہیں لیا کرتا۔“

۴) فرمایا ”جالیت کے جن باتوں پر قیدی لڑا کرتے تھے، میں سب باتوں کو مٹاتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے خون کا دعویٰ چھوڑتا ہوں۔ اور جن لوگوں سے میرے چچا نے قرض لیا ہے ان کو قرض بھی معاف کرتا ہوں۔“

تعلیمات مصطفویہ

نبی ﷺ کی پاک تعلیم، اعتقدات، عبادات، عادات، معاملات، مہلکات، منجیات، ریاضیات، احسانیات کے بارے میں بھرنا پیدا کنارا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بزرگی اور اسلام کی برتری اسی تعلیم پر ہے۔ میرا مطلب اس چھوٹی سی کتاب میں اس پاک تعلیم کا نمونہ دکھلا دینا ہے۔

تہذیب نفس، اپنے آپ کی درستی

- ۱) دانا وہ ہے جو خود کو چھوٹا سمجھتا ہے اور کام وہ کرتا ہے جو مرنے کے بعد کام آئے۔ نادان وہ ہے جو نفس کا کہنا مانتا ہے اور خدا پر امیدیں باندھتا ہے۔
- ۲) پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دیتا ہے۔ پہلوان وہ ہے جو نفس کو اپنے بس میں کر لیتا ہے۔

۳) قناعت وہ خزانہ ہے جو کبھی خالی نہیں ہوتا۔

۴) غیر ضروری کام چھوڑ دینا عمدہ دینداری ہے۔

۵) مشورہ بھی امانت ہے۔ جھوٹی صلاح دینا خیانت ہے۔

۶) شر (بدی یا فساد) کو چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے۔

۷) حیا سراپا خیر ہے۔ (شرم و حیا میں نیکی ہی نیکی ہے)

۸) صحت اور فراغت ایسی نعمتیں ہیں جو ہر ایک کو میرنیں۔

۹) گذران میں میانہ روی رکھنا نصف بروزی ہے۔ (کبھی سوچ کر خرچ کرنا آدمی کماں کے برابر ہے)۔

۱۰) تدبیر جیسی کوئی داتائی نہیں۔

۱۱) جو عہد کا پکا نہیں، وہ دیندار نہیں۔

۱۲) عقل سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔

۱۳) مرد کی خوبصورتی اس کی فضاحت ہے۔

- (۱۴) جہالت سے بڑھ کر کوئی تنگی نہیں۔
- (۱۵) جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔
- (۱۶) اچھے غلق کے برابر محبت کی کوئی تدبیر نہیں۔
- (۱۷) تواضع سے درجہ بلند ہوتا ہے۔
- (۱۸) خیرات سے مال میں کمی نہیں آتی۔
- (۱۹) اپنے بھائی کو طعنہ نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی حال میں پھنس جاؤ۔
- (۲۰) جس طرح سرکہ سے شہد خراب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بد غلقی سے ساری خوبیاں جاتی رہتی ہیں۔

مال بابکی اطاعت

- (۱) خدا کی خوشی بابکی خوشی میں ہے۔ خدا کا غضب بابک کے غضب میں ہے۔
- (۲) سب عملوں سے بہتر نماز کا وقت پر پڑھنا ہے، پھر مال بابکی اطاعت۔
- (۳) سب گناہوں سے بڑھ کر گناہ شرک ہے اور مال بابکی نافرمانی۔ پھر جھوٹی گواہی اور جھوٹ بولنا۔

رشته داروں سے برتاو

رحم (قربت) رحم سے نکلا ہے، جو قربت کو قائم رکھتا ہے۔ خدا سے ملاتا ہے، جو اسے چھوڑتا ہے۔ خدا اس کو چھوڑتا ہے۔

لڑکیوں کا پالنا

- (۱) اگر کسی کی تین یادو بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور اللہ سے ڈر کران کی اچھی تربیت کرے وہ بہشتی ہے۔ (خواہ ایک ہی ہو)۔

تینیوں کا پالنا

- (۲) تینیم کی پرورش ایک امتحان ہے جو اس میں پورا اُتراء، دوزخ سے بچا رہے گا۔

تینیوں کا پالنا

- تینیم کی پرورش کرنے والا بہشت میں میرے ساتھ یوں رہے گا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں۔

بادشاہ وقت کی اطاعت

- ۱) بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔
- ۲) اگر جبشی غلام بھی حکم ہو جائے تو اس کی اطاعت تم پر فرض ہے۔
- ۳) سلطنت کفر سے نہیں جاتی، بلکہ ظلم سے جاتی ہے۔

رحم دلی

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہ کیا جائے۔

بھیک مانگنے کی برائی

- ۱) جو کوئی لوگوں سے بھیک مانگتا ہے وہ اپنے لئے آگ اکٹھی کر رہا ہے۔ اب بہت اکٹھی کر لے یا تھوڑی۔
- ۲) سب سے بُرا آدمی وہ ہے جو خدا اوس طے کہہ کر مانگتا ہے اور پھر بھی اسے کچھ نہیں ملتا۔

دیکھو خدا کا واسطہ دے کر لوگوں سے مت مانگو۔ خدا ہی سے مانگو۔

باہمی برداشت

- ۱) جو چھوٹوں پر رحم اور بزرگوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں نہیں۔
- ۲) تم اہل زمین پر مہربانی کرو۔ خدا آسمان پر مہربان ہو گا۔
- ۳) ایک مومن دوسرے کے لئے آئینے ہے۔ اگر کسی بھائی میں کوئی نقص دیکھو تو اسے بتلا دو۔
- ۴) آپس کی محبت اور ہمدردی میں دیوار سے مثال سیکھ، جس کی ایک اینٹ دوسری کو مضبوط بناتی ہے۔

۵) نہ کر ملنا، نیک بات کہنا، بڑی بیات سے ہشادینا، بھولے بھٹکے کو راستہ بتا دینا، تھوڑی نظر دالے کو راستہ بتانا، راستہ میں سے کاشنا، پتھر، ہڈی ہشادینا، کسی کو پانی کا ڈول نکال دینا۔
یہ سب کام صدقہ جیسے ہیں۔

۶) سلام کرنا، (غیریوں کو) کھانا کھلانا، رات کو چھپ کر نماز پڑھنا، اسلام کی اچھی نشانیاں ہیں۔

۷) جس کا خلق اچھا ہے۔ قیامت کے دن وہی مجھے پیارا اور میرے پاس ہو گا۔ جس کا

خلق بُرا ہے میں اس سے بیزار اور دور رہوں گا۔ جو لوگ بیہودہ بکتے، گپیں لگاتے، تکبر کرتے ہیں، میں ان سے بیزار رہوں۔

(۸) اچھی حالت میں رہنے کا نام تکبر نہیں، لوگوں کو تغیر جانا، سچائی کو رد کر دینے کا نام تکبر ہے۔
 (۹) سب سے محبت رکھوائی میں آدمی عقل ہے۔

(۱۰) یہ مت کہو کہ اگر لوگ ہم سے اچھا برداشت کریں گے تو ہم بھی اچھا برداشت کریں گے۔ اور اگر وہ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ بلکہ ایسی عادت بناؤ کہ اگر لوگ تم سے اچھا برداشت کریں تو تم ان سے احسان کرو اور اگر وہ تم سے برائی کریں تو تم ان پر ظلم نہ کرو۔ علم کی بزرگی

(۱) جو کوئی علم کی تلاش میں چلتا ہے اسے بہشت کی راہ آسان ہو جاتی ہے۔

(۲) تم جب تک علم کی تلاش میں ہو راہ خدا میں ہو۔

(۳) علم کی تلاش پچھلے گناہوں کا کفارہ ہے۔

(۴) تحقیقات کا شوق آدھا علم ہے۔

(۵) عبادت کی بزرگی سے علم کی بزرگی بہتر ہے۔

(۶) حکمت و دانائی کو اپنی گم شدہ چیز بھجو، جہاں مل جائے لے لو۔

(۷) جو کوئی علم کو چھپاتا ہے اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

(۸) جہاں علم اور حلم اکٹھے ہوں ان سے بہتر کوئی دو چیزیں کہیں ایک جگہ اکٹھی نہ ملیں گی۔

لوئڈی، غلام اور خادم سے سلوک

(۱) لوئڈی غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے ان کو تمہارا ماتحت بنا دیا ہے۔ جس کے پاس لوئڈی یا غلام ہو وہ اسے برابر کا کھلانے، برابر کا پہنانے۔ طاقت سے بڑھ کر اس سے کام نہ لے۔ مشکل کام میں آپ اس کو مدد دیں۔

(۲) لوئڈی یا غلام کو آزاد کرنا اپنے آپ کو دوزخ سے چھڑایا ہے۔

(۳) ایک نے پوچھا ”خدمت کا روکہاں تک معاف کیا جائے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”دون میں ستر فغم۔“

(مہربنوت، صفحات ۹۔۳۶، از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری بَرَّةَ اللَّهِ)

محکم دلائل و برایین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

منتخب آیات کا ترجمہ

اخلاقیات

یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت (کو دیکھو گے کہ) ان سے چھٹ رہی ہے۔ بجز اس کے کہ یہ اللہ اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آ جائیں اور یہ لوگ اللہ کے غضب میں گرفتار ہیں اور ناداری ان سے لپٹ رہی ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے۔ اور (اُس کے) پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ یہ اس لئے کہ یہ نافرمانی کے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔ (۱۱۲/آل عمران)

مومنو اجب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (آن الفاظ کو) جو منہ سے کہو بخھنے (نہ) لگو۔ نماز کے پاس نہ جاؤ اور جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے پاس نہ جاؤ) جب تک کہ غسل (نہ) کرلو۔ ہاں اگر بحالت سفرستے چلے جا رہے ہو (اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو تو تم کر کے نماز پڑھو) اور اگر تم پیار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الگاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ ملتے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے) تمیم کرلو۔ پیشک اللہ معاف کرنے والا (اور) بخششے والا ہے۔ (۴۲/ النساء)

تم کچھ اور لوگ ایسے بھی پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔ لیکن جب فتنہ انگلیزی کو بلائے جائیں تو اُس میں اوندھے منہ گر پڑیں تو ایسے لوگ اگر تم سے (لڑنے سے) کنارہ کشی نہ کریں اور نہ تمہاری طرف (پیغام) صلح بھیجیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو ان کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کر دو۔ ان لوگوں کے مقابلے میں ہم نے تمہارے لئے سند صریح مقرر کر دی ہے۔ (۹۱/ النساء)

اے نبی آدم! (ہم تم کو یہ نصیحت ہمیشہ کرتے رہے ہیں کہ) جب ہمارے پیغمبر تمہاری پاس آیا کریں اور ہماری آیتیں تم کو سنایا کریں (تو ان پر ایمان لایا کرو کہ) جو شخص (آن پر ایمان لایا کر اللہ سے ڈرتا رہے گا اور اپنی حالت درست رکھے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ

خوف ہو گا اور نہ وہ غما ک ہوں گے۔ (۳۵/ الاعراف: ۷)

(جس طرح ہم اور پیغمبر سبھتے رہے ہیں) اسی طرح (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو اس امت میں جس سے پہلے بہت سی انتیں گز رچکی ہیں، سبھجا ہے تاکہ تم ان کو وہ (کتاب) جو ہم نے تمہاری طرف سبھتی ہے پڑھ کر سنادو۔ اور یہ لوگ حرم کو نہیں مانتے۔ کہہ دو، وہی تو میرا پروردگار ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں میں اُنی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ (۱۳/ الرعد: ۳۰)

اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھوں۔ اور جب اللہ سے عہد (والق) کرو تو اُس کو پورا کرو۔ اور جب کسی فتنہ میں لکھا و تو ان کو مت توڑو کہ تم اللہ کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ (۹۱، ۹۰/ التحلیل: ۱۶)

اور اپنے ہاتھ کونہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو (کہ کسی کو کچھ دوہی نہیں) اور نہ بالکل کھولی دو (کہ بھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو) کہ ملامت زدہ اور درمانہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ (۲۹/ بنی اسرائیل: ۱۷)

اور زمین پر اکڑ کر (اور تن کر) منت چل کر تو زمین کو بچا رتو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں (کی چوٹی) تک پہنچ جائے گا۔ ان سب (عادتوں) کی بُرائی تیرے پروردگار کے نزد دیکھ بہت ناپسند ہے۔ (۳۷، ۳۸/ بنی اسرائیل: ۱۷)

جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی اور ضد بھی جاپیت کی۔ تو اللہ نے اپنے پیغمبر اور ممنون پر اپنی طرف سے تسلیم نازل فرمائی اور ان کو پرہیز گاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اسی کے متعلق اور اہل تھے۔ اور اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔ (۴۸/ الفتح: ۲۶)
تفق

اور کسی مومن کو شایاں نہیں کہ مومن کو مار ڈالے مگر غلطی سے۔ اور جو غلطی سے بھی مومن کو مار ڈالے تو (ایک تو) ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور (دوسرے) مقتول کے

وارثوں کو خون بہادے۔ باں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے) اگر مقتول تمہارے دشمنوں کی جماعت میں سے ہو اور وہ خود موسن ہو تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو جن میں اور تم میں صلح کا عہد ہو تو وارثان مقتول کو خون بہادینا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے۔ اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے یہ (کفارہ اللہ کی طرف سے (قبول) توہہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔ اور جو شخص مسلمان کو قصد آمارڈا لے گا تو اُس کی سزا دو زخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہو گا اور اُس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اُس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۴ / النساء: ۹۲، ۹۳)

کہو کہ (لوگو!) آدمیں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کرنا اُس جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں (ان کی نسبت اُس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بناتا۔ اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) اچھا سلوک کرتے رہنا اور نداری (کے اندر یشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اُس کے پاس نہ پہنکتا۔ اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا۔ مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ سمجھو۔ (۶ / الانعام: ۱۵۱)

قصاص

مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بد لے خون) کا حکم دیا جاتا ہے (اس طرح پر کہ) آزاد کے بد لے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بد لے غلام اور عورت کے بد لے عورت۔ اور اگر قاتل کو اُس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرارداد کی) پیروی (یعنی مطالبہ خون بہا) کرنا اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور مہربانی ہے۔ جو اس کے بعد زیادتی کرے اُس کے لئے ذکر کا عذاب ہے اور اے الٰ عقل (حکم) قصاص میں (تمہاری) زندگانی ہے کہ تم

(قتل و خوز ریزی سے) بچو۔ (۲/ البقرة: ۱۷۸، ۲۱۷۹)

حرابہ

اس قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدله لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔ اور جو اُس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔ اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روش دلیلیں لاپکے ہیں پھر اس کے بعد بھی اُن میں بہت سے لوگ ملک میں حدِ اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں اُن کی بھی سزا ہے کہ قتل کردیئے جائیں یا سولی چڑھادیئے جائیں یا اُن کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں۔ یہ تو دنیا میں اُن کی رسوانی ہے اور آخوند میں اُن کے لئے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے۔ ہاں جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمہارے قابوآ جائیں، تو بہ کر لی تو جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا ہم بان ہے۔ (۵/ المائدہ: ۳۲، ۳۴)

سرقة

اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت اُن کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ اُن کے فعلوں کی سزا اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے۔ اور اللہ زبردست (اور) صاحب حکمت ہے۔

(۵/ المائدہ: ۳۸)

شراب نوشی

تم سے شراب اور بخوبی کا حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ ان میں نقضان بڑے ہیں اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کو نامال خرچ کریں کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو۔ (۲/ البقرة: ۲۱۹)

مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (آن الفاظ، کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو۔ نماز کے پاس نہ جاؤ اور جنایت کی حالت میں بھی (نماز کے پاس نہ جاؤ) جب تک کھل (نہ) کرلو۔ (۴/ النساء: ۴۳)

اے ایمان والو! شراب اور بُو اور بُت اور پانے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں، سوان سے بچتے رہنا تا کہ نجات پاؤ۔ (۵/ المائدہ: ۹۰)

ارتداد

اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر (کر کافر ہو) جائے گا اور کافر ہی مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں بر باد ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں۔ جس میں ہمیشہ ہیں گے۔ (۲/ البقرۃ: ۲۱۷)

اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا۔ تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں زی کریں اور کافروں سے بختی سے پیش آئیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ یہ اللہ کا نصلی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑی کشاویش والا (اور) جانے والا ہے۔ (۵/ المائدہ: ۵۴)

شهادت

اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پہیزہ گاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے بہب اعمال سے خبردار ہے۔ (۵/ المائدہ: ۸)

خلوت

دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے اور ان کو مسلمان کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم یہ فیصلت اس لئے کرتے ہیں کہ) شاید تم یاد رکھو۔ اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے اس

میں مت داخل ہو۔ اور اگر (یہ) کہا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو۔ یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ کو سب جانتا ہے۔ (ہاں) اگر تم کسی ایسے مکان میں جاؤ جس میں کوئی نہ بستا ہو، اس میں تمہارا اسباب (رکھا) ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے۔

(۲۷، ۲۹/ النور)



اسلامی تعلیمات

بڑائے نور و فلاح

یہ اسلامی تعلیمات کا ایک ایجاد ہے جو اسلامی تعلیمات کا ایک پاک